مقالات

حصن المسلم

جلد دوم

مؤلف

ندیم ایاز

مکتبہ دار الرحیل

کتاب: حصن المسلم کے مقالات جلد دوم
مولف: ندیم ایاز
سال اشاعت: 2021
قیمت: 250روپیہ

فہرست

مقدمہ..... 4
تالیفات 5
(1) چھری کی دھار سے کٹتی نہیں چراغ کی لو 7
(2) کیا محرم سوگ کا مہینہ ہے ؟ 14
(3) ماہ محرم اور مروجہ بدعات و رسومات 24
(4) شرک کے مختلف رائج الوقت اسباب 34
(5) ماہِ محرّم اور روزہ !..... 69
(6) ماہِ محرّ م میں کی جانے والی بدعات و خرافات..... 71
(7) غیر اسلامی و غیر انسانی اعمال..... 75
(8) عورت اور ترقی..... 78
(9) نیک بیوی کی صفات 98
(10) قربانی کے مسائل و شرائط..... 116
(11) اللہ کی پکڑمسلمانوں پر کب آتی ہے؟..... 122
(12) دینی و دنیاوی تعلیمی اداروں کی تقسیم کیوں؟..... 130
(13) عشقیہ تحریر یں---- پاؤں کی زنجیر یں ! 146
(14) اسلام اور آدابِ معاشرت..... 152
(15) بارات کا تصور، مفاسد اور حل 167
(16) اہلِ حق کو پھرمعرکہ درپیش ہے..... 213
(17) اسلامی معیشت واقتصاد کے عنوان پر قائم ہونے والے بین الاقوامی سیمینارز، 227
(18) مصطلحات اسلامی بینکاری 230
(19) کیا علامہ وحید الزمان کے تفردات کی بنا پر مسلک اہل حدیث پر اعتراض کیا جاسکتاہے ؟ 236

(20) معیشت واقتصاد پر لکھی جانے والی کتب کا تعارف ؟..... 242
(21) کرنسی نوٹوں پر سود ؟..... 261
(22) صیہونی گستاخیاں 265

مقدمہ

الحمد للہ، اصلاحی سلسلے کی یہ ایک اور بہترین کتاب ہے ۔ جہاں دکھ اور مصیبتیں بڑھ گئیں ہیں وہاں ایمان کو جلا بخشنے کے لئے قرآن وسنت کی روشنی ایک بہترین ذریعہ ہے، ثابت قدم ہیں وہ لوگ ہر دکھ، خوف اور پریشانی میں جن کو لا الہ الا اللہ نے مضبوط کردیا ہے ۔
کسی کے دل میں سرور اور خوشی کا إحساس ڈال دینا ایک أفضل عبادت ہے آپ کے دکھ کم کرنے میں یہ میری استطاعت میں ہے کہ کلمہ خیر آپ کے سامنے رکھوں اللہ تعالیٰ مجھے مزید توفیق عطا فرمائے آمین

قاری شیخ ندیم ایاز حفظہ اللہ تعالیٰ
13 نومبر 2021 کراچی
whatsapp 00923172134743
Peaceofmindna.com website
Peaceofmind.na facebook page

تالیفات

(1) قرآنی دعائیں
(2) اللہ کے بندے مادہ پرست نہیں ہوتے
(3) اصلاح النساء
(4) طرق التفسیر
(5) قرآن مجید کی تفسیر کے اقسام
(6) المناهج المختلفة للمفسرين
(7) الكبائر التي ذكرها الإمام الذهبي
(8) اسلام سائنس اور الحاد
(9) ملحدین کے پچاس اعتراضات کے جوابات
(10) ملحدین کی اصلاح
(11) خدا کے بارے میں ملحدین کی پریشانی کا علاج
(12) پاکستان میں اسلامی دستور کے لیے علماء کے 22 متفقہ نکات
(13) أسهل طريقة لحفظ القرآن الكريم
(14) صحیفہ ہمام بن منبہ
(15) المعجم الصغير للطبرانی
(16) پیغام مدینہ جلد اول
(17) پیغام مدینہ جلد دوم
(18) پیغام مدینہ جلد سوم
(19) پیغام مدینہ جلد چہارم
(20) پیغام مدینہ جلد پنجم
(21) پیغام مدینہ جلد ششم
(22) پیغام مکہ جلد اول
(23) مقالات حصن المسلم جلد اول
(24) مقالات سیرت جلد اول
(25) مقالات سیرت جلد دوم
(26) مقالات سیرت جلد سوم
(27) مقالات حصن المسلم جلد دوم
(28) مقالات حصن المسلم جلد سوم
(29) مقالات حصن المسلم جلدچهارم
(30) مقالات حصن المسلم جلد پنجم

(31) مقالات حصن المسلم جلد ششم
(32) مقالات حصن المسلم جلدهفتم
(33) مقالات حصن المسلم جلد هشتم
(34) بے قرار دل کا قرار

(1) چھری کی دھار سے کٹتی نہیں چراغ کی لو

کسی کے مر جانے سے کردار مر نہیں سکتا

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

المائدۃ – 82

’’تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے تم قوم یہود کو پاؤگے اور ان لوگوں کو جو شرک کرتے ہیں ،اور مسلمانوں کیلئے نرم گوشہ ان لوگوں کے دلوں میں ہے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہلاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں دانش منداور عبادت گذار لوگ پائے جاتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ‘‘.

دینِ اسلام!

دین اسلام انسانیت میں اتفاق و اتحاد پیدا کرتا ہے ان کو آپس میں تسبیح کے دانوں کی ماند جوڑتا ہے لیکن اس کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے بجائے اگر مذہب، سیاسی، ذاتی، نسلی اور گروہی اغراض کے لیے استعمال کیا جائے تو امت مسلمہ کو توڑنے کا ذریعہ بن جاتا ہے ہمارا دین امن و سلامتی کا دین ہے اگر اسے مذکورہ بالا متعصبانہ مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو قتل و غارت گری کا سبب بھی بن جاتا ہے.

اسلام کے خلاف سازشیں!

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک عہد کے بعد سے آج تک ہر دور میں مسلسل اسلام کے خلاف سازشیں کی جاتی رہی ہیں،ہر زمانے میں اس کو مٹانے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے مختلف جتن کئے گئے ،اسلام کے خلاف محاذ آرائی بیرونی طور پر جنگ وجدال اور صلیبی معرکوں کے ذریعہ جس شدومدسے کی گئی، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ میدان قتال میں اسلام کے خلاف دشمنوں کو خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی ،جس کی انہیں توقع تھی ،البتہ اندرونی محاذ پر اُن کی تخریبی سازشیں پوری طرح کامیاب رہی ہیں جس کے نتیجہ میں ملت اسلامیہ آج پارہ پارہ نظر آتی ہے۔ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والے کون لوگ ہیں اور انہوں نے کن ہتھیاروں سے اسلام کے قلعہ میں شگاف ڈالنے کی کوشش کی ہے؟ اس کا جواب مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے واضح طور پر ملتا ہے.

دینِ اسلام کے سب سے بڑے دشمن!

قرآن مجید کی اس مذکورہ آیت کی روشنی میں ہمارے سب سے بڑے اور شدید دشمن ''یہود '' قرار پاتے ہیں اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی جو شرک کا ارتکاب کرتے ہیں ! اللہتعالیٰ نے عیسائیوں کو کسی قدر ہمدرد بتایا ہے ۔ربّ العالمین سے زیادہ سچی بات کس کی ہوسکتی ہے ؟لیکن جب ہم ان آیات کی روشنی میں تاریخ کے صفحات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ نصاریٰ جن کے دلوں میں ہمارے لئے نرم گوشہ بتایا گیا ہے ،ان سے گذشتہ چودہ سو سالوں میں مسلمانوں کے بے شمار معرکے اور محاذ آرائیاں ہوئی ہیں ،خاص طور پر صلیبی جنگوں کا طویل سلسلہ تو تاریخ میں مشہورہی ہے ۔،اسی طرح مشرکین اور کافروں سے بھی بہت سی جنگیں مسلمانوں نے لڑی ہیں ،مگر ہمارے سب سے بڑے دشمن یعنی ''یہودی '' جو ہم سے شدید عداوت رکھتے ہیں ،ان کے بارے میں تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خیبر'' میں یہود کی جو خبر لی تھی اور پھر آخر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہتعالیٰ عنہ نے انہیں خیبر اور گردونواح سے نکال باہر کیا تھا اس کے بعد سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کی کوئی قابل ذکر محاذ آرائی یا معرکہ موجودہ صدی تک ہمیں نظر نہیں آتا، البتہ اس صدی میں ''اسرائیل'' کے ناجائز قیام کے بعد سے یہود کی عربوں سے متعدد جنگیں ہوچکی ہیں اور اب بھی ان سے جنگ وجدال کا ماحول جاری ہے ۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہتعالیٰ کا کلام برحق ہے اور اسی طرح ہمیں یہ بھی یقین کامل ہے کہ کوئی ''شدید دشمن''چودہ سو سال کے طویل عرصہ تک خاموش اور چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتا ۔وہ تو اپنی فطرت کے مطابق لازمی طور پر حریف کو نقصان پہنچانے اور اس کو خاک میں ملانے کی کوشش ہمہ وقت کرتا رہے گا۔

آئیے اس بات پر غور کریں کہ ہمارے سب سے بڑے دشمن ''قوم یہود '' نے گذشتہ چودہ سو سالوں میں ہمیں کہاں کہاں اور کیسے کیسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہعنہ کے دورِ خلافت تک قوم یہود کو اسلام اور ملت اسلامیہ کی طرف بُری نگاہ ڈالنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی ،لیکن اس کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہعنہ کے عہد مبارک میں اپنے آپ کو فعال بنانا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے عبداللہبن سبانامی یہودی جو یمن کا رہنے والا تھا ،اس نے ایک سازش کے تحت بظاہر اسلام قبول کیا اور پھر مسلمانوں کے درمیان رہ کر مکر وفریب کے جال پھیلانے میں مصروف ہوگیا، اور اس نے نئے نئے دائرہ اسلام میں

داخل ہونے والے اس وقت کے مسلمان (خصوصاً مصر اور عراق کے علاقہ میں)اس کے دام فریب میں پھنس گئے۔
پھر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے شہر ''کوفہ'' کو اپنا دارالخلافہ بنالیا۔ تو یہ علاقہ اس گروہ کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور چونکہ مختلف اسباب وجوہات کی بنا پر اس علاقہ کے لوگوں میں غالیانہ اور گمراہانہ افکار ونظریات قبول کرنے کی صلاحیت کچھ زیادہ ہی تھی۔ اس لئے کوفہ میں عبداللہبن سبا کے گروہ کو اپنے مشن میں بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ عبداللہبن سبانے سادہ لوح مسلم عوام کو گمراہ کرنے کے لیے سب سے آسان طریقہ یہ اختیار کیا کہ ان کی محبوب اور مقدس ترین شخصیت کے بارے میں غلو وافراط کا نظریہ عام کیا جائے ،اس مقصد کے لیے اس یہودی نے یہ شوشہ چھوڑا کہ ''مجھے مسلمانوں پر تعجب ہے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا میں دوبارہ آمد کا عقیدہ تو رکھتے ہیں، مگر سید الانبیاء محمدرسول اللہ ﷺکی اس دنیا میں دوبارہ آمد کے قائل نہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء سے افضل واعلیٰ ہیں۔ آپ ﷺبھی یقیناً دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ عبد اللہ بن سبا نے یہ بات ایسے جاہل اور ناتربیت یافتہ مسلمانوں کے سامنے رکھی جن میں اس طرح کی خرافات قبول کرنے کی کمزوری دیکھی پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ غیر اسلامی اور قرآنی تعلیم کے سراسرخلاف بات مان لی گئی ،تو اس نےرسول اللہ ﷺکے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خصوصی قرابت کی بنیاد پر آپ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی شان میں غلو آمیز باتیں کہنا شروع کردیں، ان کی طرف عجیب وغریب ''معجزے'' منسوب کرکے سیدنا علی رضی اللہعنہ کو مافوق الفطرت ہستی باور کرانے کی کوشش کی اور جاہلوں اور سادہ لوح طبقہ جو اس کے فریب کا شکار ہوگیا، وہ اس کی ساری خرافات قبول کرتا رہا، اس طرح اس نے اپنی سوچی سمجھی سازش کے مطابق تدریجی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے خیالات رکھنے والے اپنےمعتقدین کا ایک حلقہ بنا لیا۔ اس یہودی نے انہیں یہ باور کرایا کہ اللہتعالیٰ نے نبوت ورسالت کے لئے دراصل سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا تھا، وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔ اور حامل وحی فرشہ جبرائیل امین کوان کے پاس نبوت دے کر بھیجا تھا، مگر انہیں اشتباہ ہوگیا اور وہ غلطی سےوحی لے کر محمدبن عبداللہ ﷺکے پاس پہنچ گئے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر اس نے کچھ احمق اور سادہ لوح لوگوں کو یہ سبق پڑھایا کہ سیدنا علی رضی اللہعنہ اس دنیا میں اللہکا رُوپ ہیں اور ان کے قالب میں اللہکی روح ہے، اور اس طرح گویا وہی اللہہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علم میں جب یہ بات آئی کہ ان کے لشکر میں کچھ لوگ ان کے بارے میں ایسی خرافات پھیلارہے ہیں تو آپ نے ان شیاطین کو قتل کردینے اور لوگوں کی عبرت کے لیے آگ میں ڈالنے کا حکم صادر فرمایا اور اس طرح سیدنا علی رضی اللہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے یہ شیاطین ان ہی کے حکم سے قتل کردئیے گئے اور آگ میں ڈالے گئے۔ عبد اللہ بن سبا یہودی نے اسلام میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد یہ تحریک خفیہ طور پر اور سرگوشیوں کے ذریعہ جاری رہی اور رفتہ رفتہ اسلام میں مستقل طور پر ایک اسلام مخالف لابی وجود میں آگئی، جو سیدنا علی رضی اللہعنہ کی محبت کی آڑ لے کر اسلام اور مسلمانوں میں مختلف ڈھنگ سے باہم نفرت وعداوت اور بغض وکینہ پیدا کرنے میں مصروف ہوگئی۔

اس طرح کچھ لوگ سیدنا علی رضی اللہ کی الوہیت یا ان کے اندر روحِ الٰہی کے حلول کے قائل تھے اور کچھ ایسے تھے جو اُن کو رسول اللہ ﷺسے بھی افضل واعلیٰ نبوت ورسالت کا اصل مستحق سمجھتے تھے اور جبرائیل امین کی غلطی کے قائل تھے، کچھ لوگ ان میں ایسے تھے جو رسول اللہ ﷺکے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام ،امیر اور وصی رسول مانتے تھے ،اور اس بناء پر خلفا ثلاثہ یعنی سیدنا ابوبکر الصدیق ، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہعنہم، اور ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے ان حضرات کو خلیفہ تسلیم کیا تھا اور دل سے ان کا ساتھ دیا تھا، یہ لوگ انہیں کافر ومنافق یا کم ازکم غاصب وظالم اور غدار کہتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی ان میں مختلف عقائد ونظریات رکھنے والے گروہ تھے جو مختلف ناموں سے پکارے گئے۔ ان سب میں نقطۂ اشتراک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو تھا، ان میں بہت سے فرقوں کا اب دنیا میں غالباً کہیں وجود بھی نہیں پایا جاتا، تاریخ کی کتابوں کے اوراق ہی میں ان کے نام ونشان باقی رہ گئے ہیں۔ تاہم یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی ہی اسلام میں مذکورہ بالا فرقہ کا موجد وبانی ہے۔ نیز یہ لوگ دراصل یہودی تحریک ہے جو اسلام کے نام پر امت مسلمہ کو باہم متفرق اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کا وجود ختم کرنے کے لیے، ایک سازش کے تحت برپاکی گئی تھی۔

ابن سبا کے بارے میں رافضي مذہب کی اسماء الرجال کی کتاب ''رجال الکشی'' سے ایک اقتباس نقل کیا جا رہاہے۔اور کتبِ اہل السنہ ابن جریر طبری کی''تاریخ الامم والملوک '' شہرستانی کی ''الملل والنحل '' ابن حزم اندلسی کی ''الفصل فی الملل والنحل '' اور ابن کثیر دمشقی کی ''البدایہ والنہایہ'' میں بھی اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اس فرقہ کا بانی عبداللہبن سبا یہودی ہے۔ مگر چونکہ بہت سے اس فرقہ کے علماء اورمصنفین عبداللہ بن سبا سے براء ت کا اظہار کرتے ہیں، یہاں تک کہ ماضی قریب کے بعض مصنفین نے تو عبداللہبن سبا کو ایک فرضی ہستی قرار دے دیا ہے گویا وہ سرے سے اس کے وجود ہی کے منکر ہیں، اس لئے ان کے نزدیک اسماء رجال کی مستند ترین کتاب ''رجال الکشی'' کاحوالہ پیش کرتے ہیں:

ذکر بعض اہل العلم انّ عبد اللہ بن سبا کان یھودیاً فاسلم ووالی علیاً علیہ السلام ، وکان یقول وھو علی یھود یتہ یوشع بن نون وصی موسی بالغلو ، فقال فی الاسلام بعد وفاۃ رسول اللہ ﷺعلی علیہ السلام مثل ذلک ، وکان اول من اشھر بالقول بفرض امامۃ علی واظھر البراء ۃ من اعدائہ وکاشف مخالفیہ کفرھم

بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تھا، پھر اسلا م قبول کیا اور سیدنا علی علیہ السلام سے خاص تعلق کا اظہارکیااور اپنی یہودیت کے زمانے میں وہ موسیٰ کے وصی یوشع بن نون کے بارے میں غلو کرتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺکی وفات کے بعد اسلام میں داخل ہوکر وہ اسی طرح کاغلو سیدنا علی علیہ السلام کے بارے میں کرنے لگا، اور وہ پہلا آدمی ہے جس نے سیدنا علی کی امامت کے عقیدے کی فرضیت کا اعلان کیا، اور ان کے دشمنوں سے براء ت ظاہر کی اور کھلم کھلا ان کی مخالفت کی اور انہیں کافر قرار دیا۔ (رجال الکشی :ص۱۷،طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ ایضاً :ص۷۱)

مذہب کے نام پر سب سے پہلے انہی لوگوں نے ہلاکوخان کو دعوت دی تھی جس نے بغداد پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور بنو عباسیہ کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو قالین میں لپیٹ کر گھوڑوں سے روندا گیا اور خلیفہ کی بیٹی کو طلب کر کے چنگیز خان کے پوتے مونکو خان کے حرم میں دے دیا گیا۔ ایسے ہی شاہ اسماعیل صفوی جنہوں نے 1487ء سے لے کر 1526ء تک ایران میں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا اور اب حال ہی میں اسی گروہ کے کارندوں نے عراق اور شام میں مسلمانوں کے خون

کی ہولی کھیلی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان کو جب بھی کسی ظالم حکمران طبقہ کی چھتری میسر آئی تو انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔
10محرم 6جولائی 1986کو کوئٹہ میں بھی ایسا خونی کھیل کھیلا گیا جب ایک ہی دن میں 700مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اسکولز سے بچیوں کو اٹھا کر اغوا کر کے ان کے پستان کاٹے گئے جب پولیس نے مداخلت کرنا چاہی تو 17پولیس اہلکاروں کے سر کاٹ کر فٹ بال بنا کر کھیلا گیا۔ اور ایسے ہی 10محرم 31دسمبر 2009کو بولٹن مارکیٹ کراچی میں ایک دھماکہ ہوا تھا جس میں چند لوگ قتل ہوئے تھے اس کے رد عمل کے طور پر مین مارکیٹ میں 300دکانوں کو آگ لگائی گئی جس میں 30ارب روپے کا نقصان ہوا تھا ان دکانوں کے مالکان کا تعلق ایک اکثریتی مکتب فکر سے تھا۔ اسی طرح 10محرم 22نومبر 2013بروز جمعۃ المبارک کو راولپنڈی میں اللہ کے گھر اور مدرسہ تعلیم القران میں ظالمانہ کاروائی کی گئی وفاق المدارس کے ترجمان مولانا عبدالقدوس محمدی کے بیان کے مطابق اس پورے حادثے میں 80کے قریب لوگ جان بحق ہوئے اور مولانا اشرف علی مہتم مدرسہ تعلیم القرآن کے بیان کے مطابق 200سے زائد طلبہ ابھی تک لاپتہ ہیں۔ مجرموں نے مسجد اور مدرسہ کی الماریوں سے کتاب اللہ کے نسخے اور دینی کتب اٹھا کر مسجد کے صحن میں رکھ کر انہیں نذر آتش کیا گیا۔
راولپنڈی کے تاجر رہنما شرجیل میر کا کہنا تھا کہ مسجد و مدرسہ اور مدینہ کلاتھ مارکیٹ کو آگ لگانے والے کوئی عام لوگ نہ تھا بلکہ انتہائی تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے پاس ایک خاص قسم کے کیمیکل کی بوتلیں تھیں جیسے ہی دکانوں میں انڈیلتے وہاں آگ بھڑک اٹھتی اور ایک فائر فائیٹر نے بتایا کہ ان کی ٹیم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ جب آگ بجھانے کے لیے اس پر پانی ڈالا جاتا تو آگ مزید بھڑک اٹھتی اس کیمیکل کا آگ سے کوئی ایسا ری ایکشن ہوتا تھا جس سے آگ اور تیز ہو جاتی ایسا کیمیکل اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور یہ کہا گیا کہ یہ حملہ آور آتشین اسلحہ خنجروں اور زنجیروں سے مسلح تھے۔ انسانیت سوز سانحہ راولپنڈی نے پاکستان میں دہشت گردی کو بڑھانے اور اندرونی عدم استحکام کو پھیلانے کی ایک مجرمانہ کاروائی ہے کہ ایک اقلیتی مکتب فکر نے اکثریتی مکتب فکر کو نشانہ بنایا ہے اس سارے کھیل کے پیچھے وہی یہودی کارستانی کارفرما دکھائی دیتی جو صدیوں سے مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں وہ یہودی لابی پاکستان کو عراق، مصر اور شام بنانا چاہتی ہے اور اس کے بعد اس کا رخ ارض مقدس حرمین

شریفین کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ موجودہ حکومت جس کو اسلام کے بہت قریب سمجھا جاتا ہے اگر اس نے سانحہ راولپنڈی کے مجرموں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا نہ دی اور انہیں عدالت کے کٹہرے نہ کھڑا تو پھر اکثریتی مکتب فکر کے غیض و غضب سے ملک کو بچانا مشکل بلکہ ناممکن ہوجائے گا۔

ذرائع ابلاغ کی طرف سے حسب سابق سانحہ راولپنڈی میں بھی جانبداری کا مجرمانہ مظاہرہ کیا گیا کہ پنڈی کے مسجد و مدرسہ کی توہین کے واقع پر ذمہ دارانہ صحافت کا بورڈ لگا معاملہ گول مول کرنے کی کوشش کی گئی۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ میڈیا والوں کو کیا کبھی دوسرے اقلیتی مکتب فکر کے کسی واقع پر ایسی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے دیکھا گیا ہے۔ یقیناً جواب نفی میں ہو گا، تو اس کا مطلب واضح ہے کہ میڈیا بھی کسی اور کے اشاروں پر چلتا ہے یہ بھی ملک میں بد امنی اور افراتفری کا ذمہ دار ہے اس لیے میڈیا کو بھی اپنا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے ورنہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے اور عوام کا غیض و غضب بھی بے جرم ہوتا ہے۔

عیسائی حکومت کی عصبیت:

افریقی ملک انگولا کی کیتھولک عیسائی حکومت نے اپنے ملک میں اسلام کو خلاف قانون مذہب قرار دے کر پابندی لگا دی اور ملک میں 80مساجد کو شہید، 320مساجد اور 15مدارس کو بھی مسمار کر دیا ہے سینکڑوں مسلمان طلباء علما کرام اور اساتذہ کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا ہے۔ انگولا کےان اقدامات کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے یہ مسلمانوں کے ساتھ بد ترین عصبیت کا مظاہرہ مگر اسلام کی فطرت ہے اسے جتنا بھی دبایا جائے اتنا ہی یہ ابھرے گا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے وہ لچک دی ہے
یہ اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ اس کو دبا ئیں گے

(2) کیا محرم سوگ کا مہینہ ہے ؟

محرم عظیم الشـــان اور مبارک مہینہ ہے ۔ یہ ہجری ســـال کا پہلا مہینہ اور حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ مہینہ خصوصاً پاکستان کی تاریخ میں فتنہ وفساد اور روسوم وبدعات کا پلندہ بن کر رہ گیاہے اگر ایک طرف دہشـت گردی کی سـنگین وارداتیں اس مہینہ میں رونما ہوتی ہیں تو دوسـری جانب بے تحاشـا رسـوم وبدعات کو اسی مہینہ میں دہرایا جاتاہے اور یوں نئے سال کی ابتداء دہشت گردی اور بدعات سـے ہوتی ہے اکثر لوگوں کا عقیدہ بن چکا ہے کہ محرم میں سـیدنا حسـین بن علی رضـی اللہ عنہما کی شـہادت ہوئی لہٰذا یہ سـوگ کا مہینہ ہے اس میں شـادی نہ کرنا،خوشـی کی حالت نہ اپنانا اللہ سـبحانہ وتعالیٰ نے اس مہینہ کو بڑا محترم ٹھہرایا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے نہ اسـے سـوگ کے لیے مقرر فرمایا اور نہ ہی توہمانہ خیالات کے لیے۔

سوگ کی مدت :

سـیدہ زینت رضـی اللہ عنہا کا بھائی فوت ہوگیا تو انہوں نـے تین دن کے بعد خوشبو وغیرہ منگوا کر لگائی اور فرمایا اللہ کی قسم! مجھے خوشبو وغیرہ کی ضرورت یا شوق نہ تھا میں نے تو صرف رسول اللہ ﷺکی اطاعت گزاری کے لیے لگائی کیونکہ آپ ﷺنے منبر فرمایا :

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

کسی مومنہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین راتوں سے زیادہ کسی میت پر سوگ منائے ، ہاں البتہ جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اسے چاہیے کہ وہ چار ماہ دس دن تک سوگ منائے۔'' (بخاری ، کتاب الطلاق ، باب تحد المتوفی عنہا زوجہا أربعۃ أشہر وعشر ، 5335)

ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات ، ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سوگ :

زینت بنت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے (تین دن کے بعد) خوشبو منگوائی جس میں خلوق خوشبو وغیرہ کی زردی تھی ، ایک لونڈی نے یہ خوشبوان کو لگائی اور رخساروں پر ام المؤمنین نے خو د لگائی پھر فرمایا کہ مجھے اس کا شوق نہ تھا ، میں نے صرف سوگ سے نکلنے کے لیے لگائی کیونکہ آپ ﷺ نے کسی مومنہ عورت کو خاوند کے علاوہ کسی فوتگی پر تین دن سے زیادہ سوگ منانے کی اجازت نہیں دی۔ (بخاری ، کتاب الطلاق ، 5334)

اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹے کی وفات پر سوگ :

محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا فوت ہوا تو

فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ دَعَتْ بِصُفْرَةٍ فَتَمَسَّحَتْ بِهِ

تیسرے دن انہوں نے زرد خوشبو لگائی اور فرمایا کہ ہمیں خاوند کی وفات کے علاوہ کسی بھی فوتیدگی پر تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں دی گئی۔ (بخاری ، کتاب الجنائز ، باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا ، حدیث : 1279)

سیدنا ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں خاوند کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ سے منع کیاگیا (سوگ اس طرح ہے کہ) لاَ نَکتَحِلَ ہم سرمہ نہ لگائیں ، نہ خوشبو استعمال کریں اور نہ رنگین کپڑا پہنیں ، البتہ وہ کپڑا پہن لیں جس کا بننے سے پہلے دھاگہ رنگین ہو (شوخ رنگ نہ ہو) اور حیض کے بعد حیض کی جگہ پر مقام اظفار کا تھوڑا سا عود استعمال کرلیں اور جنازہ کے پیچھے چلنے سے بھی ہمیں منع فرمایا گیا۔ (بخاری ، کتاب الطلاق ، 5341)

ہر سال محرم کو بعض لوگوں نے سوگ کا مہینہ بنادیا ہے حالانکہ مرد کے لیے تو کسی دن کا بھی سوگ جائز نہیں اگر کوئی عورت بھی اس ماہ کا سوگ مناتی ہے تو تب بھی جائز نہیں کیونکہ خاوند کی وفات کے علاوہ کسی بھی وفات پر کسی مسلم عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز

نہیں۔ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید ہوئے صدیاں بیت گئیں لہٰذا اب ان کا سوگ منانا کسی مومنہ عورت کے لیے قطعاً جائز نہیں۔
مردوں کے لیے تو کسی وقت بھی سوگ کی حالت بنانا جائز نہیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر سبز یا سیاہ لباس پہننا، چارپائیاں الٹ دینا، ننگے پاؤں چلنا وغیرہ یہ سب خود ساختہ اعمال ہیں جن کی قدر اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ :
عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً
الغاشیة – 4/3
(اور) محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہوں گے۔ وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔
سیاہ لباس :
شیعہ مذہب کی صحاح اربعہ میں سے معروف اور معتبر کتاب ''من لا یحضرہ الفقیہ '' میں ہے ۔
''امام جعفر صادق سے سوال کیاگیا کہ سیاہ ٹوپی میں نماز پڑھنا کیسا ہے تو فرمایا : اس میں نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ جہنمیوں کا لباس ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ج۱،ص ۱۶۲)
''امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ سیاہ لباس نہ پہنو کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱،ص ۱۶۳)
محرم میں شادی :
محرم کو کیونکہ سوگ کا مہینہ قرار دیا جاتاہے اس لیے اس مہینہ میں شادی کرنا بھی ممنوع سمجھا گیا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ سورۃ النور میں فرماتے ہیں :
وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
النور – 32
تم میں سے جو مرد عورت بےنکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی۔ اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے
محرم کے مہینے میں جاہل لوگ شادی کرنے کو منحوس خیال تصور کرتے ہیں اسی لیے محرم سے پہلے شادیوں کا تانتا بند جاتاہے۔ تقریباً ہر چوک اور گلی شادی کے لیے لگائے شامیانوں سے بلاک نظر آتی ہے جیسے ہی محرم کا مہینہ شروع ہوا سوگ کی مختلف صورتوں پر عمل شروع ہوگیا

حتی کہ فلم انڈسٹری سے لے کر سیاست تک سب ہی اس سوگ میں مشغول ہوجاتے ہیں رمضان المبارک کے مہینے میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر گانے بھی چلتے ہیں حالانکہ اس وقت مسلمان روزے سے ہوتے ہیں اور گانا سننا روزے کی خرابی کا باعث بھی ہے لیکن رمضان المبارک میں گانے بند نہیں ہوتے اور محرم میں بند ہوجاتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اس مہینہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس لیے سوگ کا مہینہ ہے کتنے تعجب کی بات ہے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ محمد رسول اللہ ﷺکی وفات کے پچاس سال بعد آیا اور دین تو رحمت کائنات کی زندگی میں ہی مکمل ہوگیا تھا خود رب کعبہ نے ان کی زندگی میں ارشاد فرمادیا۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ

المائدۃ – 3

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔

آج کل لوگ بعض جاہل مولویوں کی باتیں مان کر محرم میں شادی کو منحوس خیال کرتے ہیں۔ عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺکے پاس (مسلمان ہونے کے لیے) آیا تو میرے گلے میں چاندی کی صلیب تھی آپ نے فرمایا کہ اس بت کو اتارو۔ پھر آپ ﷺنے یہ آیت پڑھی۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

التوبۃ – 31

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

رب بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے بلکہ ان کےعلم والے اور درویش جب کسی چیز کو حلال کہتے تو وہ حلال سمجھتے جب کسی چیز کو حرام کرتے تو وہ حرام سمجھتے۔ (ترمذی ، کتاب التفسیر ، حدیث :۳۰۹۵ حسنہ الالبانی)

ثابت ہوا کہ جو اللہ کی حلال چیز کو کسی مولوی یا پیریا ملنگ کے کہنے پر حرام یا سوگ کے لیے بند کرے اس نے اس پیر،مولوی، ملنگ کو اللہ کے علاوہ رب بنایا۔ اس لیے لوگوں کے کہنے پر محرم میں شادیوں کو حرام یا مکروہ نہ سمجھو۔ بلکہ محرم میں قصداً شادیاں کرو تاکہ جہالت کا رد ہو۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا فقیر :

جس طرح محرم میں کئی کام شریعت سے ہٹ کر کیے جاتے ہیں ایک کام یہ بھی کیا جاتاہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بناتےہیں۔ اپنے بچے

کو سبز کپڑے پہنا کرکہا جاتاہے کہ اسے ہم نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنا دیا ہےپھر گھر گھر لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹا کے فقیروں کی طرح عورتیں اور جوان لڑکیاں مانگتی پھرتی ہیں کہ ہمارا بیٹا یا بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بن گیا ہے اس لیے کچھ دواگر پوچھا جائے کہ وہ کیوں منگتا بن گیا ہے ؟ اسے کیا ضرورت پیش آئی بھکاری بننے کی؟ جواب ملتا ہے کہ اللہ نے مدت کے بعد بچہ عطا کیا ہے اگر اسے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بناکے ان کے نام پر کچھ مانگ کے کھلا دیا جائے تو اللہ بیماری سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ایک دو نہیں تو ہم پرست لوگ اپنے بچوں کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنائے گھر گھر مانگ رہے ہیں اگر اس طرح منگتا بنانا جائز ہوتا تو کسے معلوم نہیں حسین کا نانا محمد عربی ﷺسے زیادہ مرتبے والا انسان نہ تو آج تک پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو رسول اللہ ﷺکا منگتا بنالیتے ان کے نام کا مانگ کے بچوں کو کھلا دیتے کہ وہ بیماریوں سے محفوظ ہوجائیں اور کچھ نہیں تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی اپنے بچوں کو نانا کا منگتا بنا لیتے مگر ایسا کام نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا نہ ائمہ دین رحمہم اللہ نے ۔ پھر جس بچے کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بناتے ہیں اس کے سر پر بالوں کی ایک لٹ سی رکھ دیتے ہیں اور اردگرد کے بال موندھ دیں گے درمیان میں بالوں کی لٹ کو اس لیے چھوڑا جاتا ہے کہ تاکہ پتہ چل سکے کہ یہ بچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا ہے حالانکہ یہ کام صریحاً اسلام کے خلاف ہے۔ سر پر اس طرح سے کچھ بالوں کا چھوڑنا عربی میں قزع کہلاتاہے اور نبی ﷺنے اس سے روکا ہے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ الْقَزَعِ

’’رسول اللہ ﷺنے قزع(کچھ بالوں کے مونڈھنے) سے منع فرمایا۔‘‘(بخاری ، کتاب اللباس 5921)

کیا آج اس طرح بالوں کی ایک لٹ چھوڑ کے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنانے والے فرمان رسول اللہ ﷺکو توہین نہیں کرتے اور پھر اللہ کا فقیر اور مانگت بننے کی بجائے بندے کا مانگت بننا پسند کرتے ہیں حالانکہ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں دو ٹوک فرمادیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ

الفاطر – 15

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بےنیاز اور خوبیوں والا ہے ۔

کیا بندے کا فقیر بن کے مانگنا اور اسے بیماریاں دور کرنے والا نفع ونقصان کا مالک سمجھنا عقیدئہ توحید کے منافی نہیں اور کیا ایسا کرنے والوں کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل ہے یا وہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ایسا عمل ثابت کرسکتے ہیں؟۔

نوحہ سوگ کی شکل میں :

ماہ محرم میں کئی لوگ ماتمی لباس پہن کر نوحہ اور ماتم کرتے ہیں ، پیٹتے اور سینہ کوبی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام حسین کا سوگ مناتے ہیں حالانکہ یہ بھی ظلم کی ایک قسم ہے نبی ﷺکا ارشاد ہے ''جاہلیت کے کاموں سے چار کام میری امت میں سے ایسے ہوں گے جنہیں وہ چھوڑنے پر تیار نہیں ہوں گے حسب کی بنیاد پر فخر کرنا، کسی کے نسب میں طعنہ زنی کرنا، ستاروں کے ذریعے قسمت کے احوال معلوم کرنا اور نوحہ کرنا نیز آپ ﷺنے فرمایا : نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہیں کرتی تو قیامت کے روز اس حال میں اٹھائی جائے گی کہ اس پر تارکول کی ایک قمیص ہوگی اور بیماری کے ایک لباس نے اس کے جسم کو ڈھانپ رکھا ہوگا۔ (مسلم ، کتاب الجنائز ، باب التشدید فی النیاحۃ ، 934)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوحہ وغیرہ کرنا جاہلیت کے امور میں سے ہے اور اس کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺنے نوحہ وغیرہ کرنے والے شخص سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

''جوشخص رخساروں پر طمانچے مارے،گریبانوں کو چاک کرکے جاہلیت کی پکار کے ساتھ پکارے ، واویلا کرے اور مصیبت کے وقت ہلاکت اور موت کو پکارے وہ ہم میں سے نہیں۔'' (بخاری ، کتاب الجنائز ، باب لیس منا من شق الجیوب 1294)

أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى قَالَ وَجِعَ أَبُو مُوسَى وَجَعًا فَغُشِيَ عَلَيْهِ وَرَأْسُهُ فِي حَجْرِ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ فَصَاحَتْ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهَا شَيْئًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِمَّا بَرِئَ مِنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرِئَ مِنْ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ

ابوبردہ بن ابوموسی سے روایت ہے کہ ابوموسیٰ سخت بیمار ہو گئے اتنے سخت بیمار کہ غشی طاری ہوگئی اور آپ کا سر آپ کی اہلیہ کی گود میں تھا اہلیہ یہ حالت دیکھ کر چلاّ پڑیں، حضرت ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کچھ کہنے پر قادر نہ تھے پھر جب آپ کو اس سے افاقہ ہوا تو ان کو فرمایا کہ میں اس چیز سے بری ہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے برات فرمائی بے شک رسول اللہ ﷺنے مصیبت کے وقت چلانے والی اور بال مونڈنے والی اور گربیان پھاڑنے والی عورتوں سے برات ظاہر فرمائی۔(بخاری ، کتاب الجنائز ، باب ینہی عن الحلق عند المصیبۃ : 1296، ومسلم ، کتاب الایمان ، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب : 167)

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ماتم اور سینہ کوبی کرنا حرام ہے اور رسول اللہ ﷺنے ان اعمال سے اور ان اعمال کے کرنے والوں سے براءت اور لا تعلقی کا اظہار فرمایا ہے لہذا تمام مسلمانوں کو اس سے باز آجانا چاہیے اور فوری طور پر ان سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔

محرم میں نوحہ اور ماتم نواسۂ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سوگ میں کیا جاتاہے۔ جس طرح ہر صدمہ میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے اسی طرح شہادت حسین پر بھی صبر وتحمل کا ہی مظاہرہ کرنا چاہیے نہ کہ نوحہ ماتم اور سینہ کوبی جیسے جاہلیت والے اعمال وافعال کا۔ شہادت رنج وغم کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تو وہ مقام بلند ہے جس کی آرزوسید الانبیاء ﷺبھی کرتے تھے۔

آپ ﷺکافرمان ہے'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرادل چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیاجاؤں۔(بخاری : 2797)

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صحیح البخاری – 1890

شہادت کی اس عظمت کی وجہ سے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لشکر کفار کو خطاب کرکے کہا کرتے تھے 'ظالمو! تمہیں شراب اتنی محبوب نہیں جتنی ہمیں اللہ کے رستے میں شہادت محبوب ہے۔الغرض شہادت تو ایسی چیز نہیں کہ اس پر رنج وغم کا اظہار کیا جائے ماتم کیاجائے یا انگاروں پر رقص بسمل کیاجائے۔

کس کس کا ماتم کریں؟

اگر شہیدوں کے ماتم کی اجازت ہوتی تو سال بھر کے دنوں مینہمارا کوئی بھی دن ماتم سے خالی نہ ہوتا۔ اللہ کے دین کی حفاظت اور اشاعت کے لیے جتنی قربانیاں مسلمانوں نے دیں ہیں اتنی قربانیاں کسی قوم نے اپنے مذہب اور دھرم کی حفاظت کے لیے نہیں دیں۔ اگر تاریخ کھنگالی جائے تو سال

بھر میں کوئی مہنیہ کوئی ہفتہ بلکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوگا جس میں شہادت کا کوئی واقعہ یا رنج والم سے بھر پور کوئی سانحہ پیش نہ آیا ہو اگر ہم ہر ایک کا ماتم کرنے لگیں تو پھر تو ہمارے لیے ماتم کے سوا کوئی دوسرا کام کرنا ممکن ہی نہیں ہوگا اگر ہمیں ماتم کی اجازت ہوتی تو ہم بارہ ربیع الاول کو ضرور ماتم کرتے کیونکہ اس دن رحمت دو جہاں ﷺاس دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کی رحلت سے بڑا صدمہ امت کے لیے کوئی نہیں ہوسکتا۔

اگر ماتم کی اجازت ہوتی تو ہم یکم محرم کو ضرور ماتمی مجلس برپا کرتے کیونکہ اس دن خلیفۂ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے جن کے بارے میں کہا جاتاہے کہ اگر دنیا میں ایک عمر اور پیدا ہوجاتا تو کفر کا نام ونشان مٹ جاتا۔

اگر ہم سوگ مناسکتے تو ہم اٹھارہ ذوالحجہ کو ضرور سوگ مناتے جس دن داماد نبی ، جامعِ قرآن سیدنا عثمان بن عفان کو 50دن کے محاصرے کے بعد انتہائی مظلومیت کے عالم میں شہید کیاگیا۔

اگر سینہ کوبی کی اجازت ہوتی تو ہم 21 رمضان کو حسین رضی اللہ عنہ کے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ضرور سینہ کوبی کرتے۔

اگر تعزیہ کی اجازت ہوتی تو ہم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا تعزیہ ضرور نکالتے جن کی دردناک شہادت پر چشم فلک بھی چھلک پڑی تھی جن کی نعش مبارک کا یوں مثلہ کیا گیا تھا کہ پہچانی نہ جاتی تھی ناک ،کان ، انگلیاں کاٹ دی گئیں پیٹ چاک کیاگیا ، وہ آپ ﷺکے چچا بھی تھے خالہ زاد بھائی بھی اور رضاعی بھائی بھی تھے۔

اگر ہمیں نوحہ خوانی کی اجازت ہوتی تو ہم سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر یاسر رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت پر نوحے اور مرثیے ضرور پڑھتے جن کی مظلومیت کے تصور سے آج بھی جسم کانپ اٹھتا ہے ، غزوہ موتہ میں سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے جن کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے آپ کو ان کی شہادت کا بہت رنج تھا مگر آپ ﷺنے اس دن کو کبھی سوگ کے لیے مقرر نہیں کیا۔

رب العزت کا فرمان ہے :

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

البقرة – 157/155

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالٰی کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

فرمان الٰہی ہے :

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ

الزمر – 10

بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب دیا جائےگا۔

پانی کم خرچ کرنا:

بعض لوگ محرم کے مہینے میں پانی کا بھی سوگ مناتے ہیں کہ محرم کے مہینے میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا پانی بند کیاگیا تھا لہذا تم محرم میں پانی کم سے کم خرچ کرو۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سبیل :

محرم میں جگہ جگہ امام حسین کے نام کی سبیلیں لگا کر لوگوں کو مشروبات وغیرہ پلاتے ہیں حالانکہ شریعت نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے .التحیات للہ والصلوٰت والطیبات . کہ زبانی بدنی اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔ اگر یہ سبیلیں اللہ کے نام پر ہیں تو صرف محرم میں ہی کیوں دوسرے مہینوں میں کیوں نہیں؟

قبروں پر مٹی ڈالنا:

محرم کے پہلے عشرہ میں لوگ قبروں پر کثرت سے مٹی ڈالتے ہیں حالانکہ آپ ﷺنے قبر پر ہر قسم کی تعمیر اور قبر پر اضافی مٹی ڈالنے اور قبر پکی بنانے سے منع کیاہے۔ (نسائی ، کتاب الجنائز ، باب الزیادۃ علی القبر ، حدیث :2029 صحیح)

کجیاں ٹھوٹھیاں:

محرم کی آمد کے ساتھ ہی کئی دکاندار کجیوں کا ڈھیر لگا کر بیٹھ جاتےہیں جیسے ہی دس محرم کا سورج طلوع ہوتاہے عورتیں اور مرد بھی ان کجیوں میں کھیر لسی دودھ یا حلوہ بھرتے ہیں اور بچوں میں بانٹنا شروع کردیتے ہیں کچھ مٹی کے پیالے میں کھیر اور کچھ حلیم کی دیگیں پکا کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی تقسیم کرتے ہیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت :

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت کا کون منکر ہے نبی ﷺحسن وحسین رضی اللہ عنہما سے نہایت درجے کی محبت رکھتے تھے ، سیدنا ابو بکر ،عمر،عثمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺکے ساتھ ایسی محبت اور شفقت کی جس کے یہ مستحق تھے آپ کی ذات گرامی فضائل واخلاف کا مجموعہ تھی ارباب سیر لکھتے ہیں:
سیدنا حسین بڑے نمازی، بڑے روزہ دار،بڑے حج کرنے والے ، صدقہ دینے والے اور تمام اعمال حسنہ کو کثرت سے کرنے والے تھے۔ (استیعاب واسد الغابۃ)
عمومی اعتبار سے آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ نے جیسی فارغ البالی عطا کی تھی۔ اسی طرح فیاضی سے آپ اس کی راہ میں خرچ کرتے تھے (تہذیب الاسماء للنووی ص: 163)
ابن عساکر لکھتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں کثرت سے خیرات کرتے تھے۔ (ابن عساکر ، ص : 234-323)
نبی کریم ﷺنے حسن وحسین کے متعلق فرمایا تھا :
هُمَا رَيحَانَيَّ مِنَ الدُّنيَا
یہ میرے دنیا کے دو پھول ہیں۔(بخاری ، 3753)
مزید فرمایا : ''اے اللہ ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ اور ان سے بھی محبت رکھ جو ان سے محبت کرے۔ (ترمذی : 3769)
کبھی فرمایا :
الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ
''حسن اور حسین جنت کے نوجوان مردوں کے سردار ہیں''۔(مسند أحمد ۳/۳، ترمذی ۳۳۹/۴)
ایک اور جگہ فرمایا : فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور سیدنا حسن اور حسین نوجوان جنتیوں کے سردارہیں۔ (ترمذی ۳۴۲/۴ ، کتاب المناقب ، حدیث : ۳۷۸۱)
الغرض محرم کا مہینہ سوگ کا مہینہ نہیں بلکہ حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے۔

(3) ماہ محرم اور مروجہ بدعات و رسومات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّـهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّـهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ
التوبة – 36
”مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے ۔ اسی دن سے جب سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ۔ ان میں چار مہینے ادب و احترام والے ہیں ۔ یہی سیدھا و درست دین ہے ۔ تم ان مہینوں میں اپنی جانونپر ظلم نہ کرو “.
مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ جن میں سے چار حرمت والے ہیں اس بات کی وضاحت نبی کریمﷺ نے یوں فرمائی :
”زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے زمانہ گردش میں ہے ۔ سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں سے چار حرمت والے ہیں ۔ تین مسلسل ہیں ۔ ذوالقعدۃ،ذوالحجۃ اور محرم جبکہ ایک مہینہ رجب ہے“. (صحیح البخاری (3197) صحیح مسلم (4383)
ان مہینوں کو حرمت والا اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں ہر ایسے کام سے جو فتنہ و فساد اور امن عامہ کی خرابی کا باعث ہو ، بالخصوص منع فرمادیاہے۔ مثلا آپس میں لڑائی جھگڑا اور ظلم و زیادتی وغیرہ نافرمانی

کے کام کرکے اپنی جانوں پر ظلم کرنے ســــے منع کیا گیاہے ۔ ان حرمت والے مہینوں میں قتال کرکے ان کی حرمت پامال کرکے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کرو۔ ہاں اگر کفار ان مہینوں میں بھی تمہیں لڑنے پر مجبور کردیں تو لڑائی کرنا درست ہی نہیں بلکہ فرض بھی ہے ۔

محرم الحرام کی فضیلت

ماہ محرم الحرام اسلامی سن ہجری کا پہلا مہینہ ہے جس کی بنیاد نبی کریم ا کے واقعہ ہجرت پر ہے ۔ اس اســـلامی ســـن کا تقرر اور آغاز اســـتعمال 18ہجری میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا ۔ اس لحاظ سے یہ مہینہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا اس مہینے کی حرمت سے کوئی تعلق ہے ؟ خیال رہے کہ اس مہینے کی حرمت کا ســیدنا حســین رضـی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مہینہ اس لیے قابل احترام ہے کہ اس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ دلگداز پیش آیا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ یہ واقعہ شــہادت تو نبی کریم ﷺکی وفات سے پچاس سال بعد پیش آیا جبکہ اس بات سے ہر مسلمان بخوبی واقف ہے کہ دین اسلام نبی کریم ﷺکی زندگی ہی میں مکمل ہوگیا تھا۔ فرمان الہی ہے :

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ

المائدۃ – 3

”آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کردیااور تم پر اپنا انعام کامل کردیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا ہوں “۔

تکمیل دین کے بعد کوئی ایسا کام کرنا جس کا نہ تو شریعت اسلامیہ سے کوئی تعلق ہو اور نہ نبی کریم ا سے کوئی نسبت ہو ، سراسر غلط اور ناجائز ہے۔ اس لئے یہ تصور اس آیتِ قرآنی کے سراسر خلاف ہے ۔ پھر خود اسی مہینے میں اس سے بڑھ کر ایک اور واقعہ شہادت پیش آیا تھا یعنی یکم محرم کو خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ، اگر بعد میں ہونے والی شہادتوں کی شرعاً کوئی حیثیت ہوتی تو شہادتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لائق تھی کہ اہل اسلام ا س کا اعتبارکرتے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایسی تھی کہ اس کی یاد منائی جاتی جبکہ یہ تمام واقعات تکمیلِ دین کے بعد پیش آئے ہیں ۔ نہ تو نبی کریم ﷺ کا یومِ وفات صحابہ نے کبھی منایا اور نہ باقی خلفاءو صحابہ کا یومِ شہادت منایاگیا۔ اس لئے ان شخصیات کی یاد میں مجالس عزا مخصوص کرنادین میں اضافہ کرنا ہے جس کی قطعاً اجازت نہیں۔

محرم الحرام میں مسنون عمل

ماہ محرم میں مسنون عمل بالخصوص روزے ہیں۔ نبی کریمﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ ماہ محرم میں بکثرت روزے رکھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس مہینے میں روزے رکھنے کی ترغیب دلاتے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺمیں رمضان کے علاوہ نفلی روزوں میں محرم کے روزوں کو افضل قرار دیا گیاہے فرمان نبویﷺ ہے:

افضل الصیام بعد رمضان شھر اللہ المحرم

ماہ رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الصیام باب فضل صوم المحرم (حدیث : 1163 ۔ (3755)

عاشوراءمحرم کے روزے کی فضیلت

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

ان رسول اللہ ﷺ قدم المدینۃ فوجد الیھود صیاما یوم عاشوراء فقال لھم رسول اللہ ﷺ: ما ھذا الیوم الذی تصومونہ؟ فقالوا: ھذا یوم عظیم انجی اللہ فیہ موسی و قومہ و غرق فرعون و قومہ فصامہ موسی شکرا فنحن نصومہ فقال رسول اللہ ﷺ فنحن احق و أولی بموسی منکم، فصامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأمر بصیامہ

"نبی کریم ﷺمدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورا ء (دس محرم) کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ آپ نے ان سے کہا :یہ کونسا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا: یہ بڑا عظیم دن ہے۔ اللہ نے اس دن موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی۔ فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیاتو موسی علیہ السلام نے شکرانے کے طورپر روزہ رکھا ۔ اس لئے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں ۔ تو نبی کریم ﷺنے فرمایا :ہم تم سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور موسی علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں۔ لہذا رسول اللہ ﷺنے اس دن روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم فرمایا"۔(صحیح مسلم – مسند احمد) بالخصوص یوم عاشوراءکی فضیلت بتلاتے ہوئے فرمایا : یکفر السنۃ الماضیۃ پچھلے ایک سال کے گناہوں کو مٹادیتاہے۔ (صحیح مسلم)

لیکن بعد میں نبی کریم ﷺکوخبر ملی کہ یہود اب بھی اس دن کی تعظیم میں روزہ رکھتے ہیں تو نبی کریم ﷺنے فرمایا :

لئن بقیت الی قابل لأصومن التاسع

"اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو میں ضرور 9 تاریخ کاروزہ رکھوں گا"(صحیح مسلم 1134) لیکن آئندہ محرم سے پہلے ہی آپ ﷺاپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

حدیث لئن بقیت الی قابل کے راوی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مصنف عبد الرزاق اور بیہقی میں موجود ہے جس سے یہی مفہوم بنتا ہے کہ 9اور 10 محرم دونوں روزے رکھنے چاہئیں۔

(1) 10 محرم کا روزہ آپ ﷺ نے سیدنا موسی علیہ السلام کے نجات پانے کی خوشی میں رکھاتھا اور صحیح حدیث میں واضح طورپر اعلان کیا:

فنحن أحق و أولی بموسی منکم

اور اس امر سے آپ کی دستبرداری مروی نہیں لہذا اس اعتبار سے10محرم کا روزہ بہر حال مسنون ہے۔

(2) کسی دن کی تاریخی حیثیت کو بدلا نہیں جاسکتا بصورت دیگر اس کی مقررہ فضیلت و ثواب سے محروم ہونا لازم آتاہے ۔

قابل عمل صورت :

عاشوراءمحرم کے روزے سے فیضیاب ہونے والے کے لیے درج ذیل صورت قابل عمل ہے ۔ عاشوراء(دس محرم کے روزے سے پہلے 9 محرم کا روزہ ۔ یہ افضل صورت ہے یا 10 محرم کے ساتھ 11 محرم کا روزہ یا 9۔ 10 اور 11 محرم پے در پے تین روزے رکھ لیے جائیں۔

ماہ محرم میں مروجہ بدعات و رسومات

واقعہ کربلا نبی کریم ﷺ کی وفات اور دین محمدی کی تکمیل کے تقریباً 50 سال بعد پیش آیا۔ یہ ایک تاریخی سانحہ ہے لیکن واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے شیطان کو بدعتوں اور ضلالتوں کے پھیلانے کا موقع مل گیا، چنانچہ کچھ لوگ ماہ محرم کا چاند نظر آتے ہی اور بالخصوص دس محرم میں نام نہاد محبت کی بنیاد پر سیاہ کپڑے زیب تن کرتے ہیں ۔ سیاہ جھنڈے بلند کرتے ہیں ۔نوحہ و ماتم کرتے ہیں ۔ تعزیے اور تابوت بناتے ہیں۔ منہ پیٹتے اور روتے چلاتے ہیں۔ بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ گرمی ہو یا سردی، جوتا نہیں پہنتے۔ نوحہ اور مرثیے پڑھتے ہیں۔ عورتیں بدن سے زیورات اتاردیتی ہیں۔ ماتمی جلوس نکالے جاتے ہیں ۔ زنجیروں اور چھریوں سے خود کو زخمی کیا جاتاہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداءکی نیاز کا شربت بنایا جاتاہے۔ پانی کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔

حالانکہ اس دن روزہ رکھنانبی کریم ﷺکا مسنون اور افضل عمل ہے۔ عاشوراءمحرم کے دوران شادی و خوشی کی تقاریب نہ کرنا(جبکہ شریعت محمدی ﷺ میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ورنہ باقی سارا سال بھی دیگر جید صحابہ کی شہادت کے سوگ مناتے گزرجائے گا) شہادت کا سوگ ہر سال منانا، یہی نہیں بلکہ عظیم صحابہ و اسلاف کو گالیاں دینا، طعن و

تشنیع کا نشانہ بنانا اور دیگر مختلف قسم کی خود ساختہ خرافات ، ان صحابہ واسلاف کی طرف منسوب کرنا اور ان بے گناہ لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لینا جو دین اسلام کے اولین راوی ہیں، جن کے بغیر دین اسلام کا کوئی شعبہ مکمل نہیں ہوتا، جنہیں واقعات کربلاسے دور و نزدیک کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔

پھر واقعہ کربلا کی جو کتابیں پڑھی جاتیں ہیں ، وہ زیادہ تر اکاذیب و اباطیل کامجموعہ ہیں جن کا مقصد فتنہ و فساد کے نئے دروازے کھولنا اور امت میں پھوٹ ڈالناہے ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ تمام بدعات و خرافات ایک خاص مذہب کی ترویج و تبلیغ اور اس کو سہارا دینے کے لےے ایک سوچی سمجھی پلاننگ کا نتیجہ ہیں جن کی ادائیگی میں امن عامہ قائم نہیں رہ سکتا جیسا کہ سب جانتے ہیں ، اسلام امن و آشتی کا دین ہے ۔ دیکھا دیکھی، ہمارے اہل سنت بھائیوں نے بھی اس نسبت سے ایسے کام شروع کردےے جن کا شریعت اسلامیہ میں کوئی وجود نہیں ، جو سراسر بدعات و ضلالت پر مبنی امور ہیں، جن کی دین اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ یہ حضرات اپنے زعم میں اس مہینے کا احترام کرتے ہوئے اس کی تقدیس و احترام کو پامال کر دیتے ہیں اور ثواب حاصل کرنے کے بجائے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر مسلط کر لیتے ہیں اور گنہگار بن کر اللہ اور اس کے رسولﷺ کے نافرمانوں کی لسٹ میں اپنا نام درج کروالیتے ہیں ۔

ماہ محرم الحرام میں عام دستور و رواج کے مطابق شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور واقعات کربلا کے حوالہ سے ، بازاروں دوکانوں ، ریڈیو، ٹی وی اور دیگر مجالس میں لوگوں کے سامنے مکذوبہ، موضوعہ اور ضعیف من گھڑت خود ساختہ داستانیں اور قصے بڑی رنگ آمیزی سے بیان کئے جاتے ہیں جس میں وہ خود بھی روتے ہیں اور سننے والوں کو بھی رلاتے ہیں۔سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ کربلا کا فسانہ اور شہید مظلوم کی خود ساختہ داستانیں اور ان پر پانی بند ہونے کے جھوٹے قصے لوگوں کو سنتے سناتے ہیں، وہی محرم کے مہینے شربت کے مٹکے اور قسم قسم کے گانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔ شہادت تو ایک انمول اعزاز کو کہتے ہیں جس پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ فائز ہوئے۔ شہید زندہ ہوتا ہے نہ کہ مردہ ۔

ہمارے بہت سے سنی بھائی ،بہن رافضی حضرات کی دیکھا دیکھی بھی اور کچھ ان کے وسیع پروپیگنڈے کے شکار ہوکر بھی درج ذیل بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں ۔

1۔ مجالس شہادت:جن میں سنی عوام گریہ وزاری کا وہی منظر پیش کرتے ہیں جو مجالس روافض سے زیادہ مختلف نہیں ہوتا ۔
2۔ ویڈیو،ٹی وی اور دیگر مجالس میں سنے گئے نوحے اور مرثیے پڑھتے ہیں ۔
3۔ محرم کی دس تاریخ کو چولہے اوندھے کردےے جاتے ہیں ۔
4۔ نو بیاہی عورتیں یوم عاشوراءاپنے اپنے میکے میں گزارتی ہیں۔
5 ۔ زیورات کا پہننا شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے غم میں ترک کردیتی ہیں ۔
اس کے علاوہ توہم پرست لوگوں نے اور بھی بہت سے باطل خیال قائم کر لےے ہیں ۔ مثلا مہینہ کے پہلے دس دنوں میں اگر کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری کرے گا تو اولاد منحوس ہوگی یا ناقص العقل ہوگی ۔ شادی ہوتو مبارک نہ ہوگی ۔ کچھ اس قسم کا خیا ل عرب کے جاہل لوگوں کا تھا۔ ماہ شوال کو منحوس سمجھتے اور اس میں شادی نہیں کرتے تھے۔ نبی کریمﷺ نے ان کے اس خیال باطل کو توڑنے کے لئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی ماہ شوال میں کی اور رخصتی بھی اسی مہینے میں ہوئی ۔ اسلام میں اس قسم کی مشقتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ دوسری طرف ایسے حضرات کو عاشوراءمحرم کے دوران شادیاں بھی کرنی چاہئیں اسلام میں کسی بھی شخص کی موت یا شہادت پر تین دن سے زیادہ کا سوگ نہیں ‘ما سوائے بیوہ عورتوں کے ‘ وہ اپنے خاوندوں کی اموات و شہادت پر چار ماہ دس دن سوگ کے لئے زیب و زینت کو ترک کرتی ہیں لیکن اس سوگ کا ہر سال اعادہ نہیں کرتیں ۔
ماہ محرم کے حوالہ سے ایک اور کام جس کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے ، کجیاں ، ٹھوٹھیاں بھرناہے، معلوم نہیں اس چیز کا شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق و رشتہ ہے ۔ دس محرم کا سورج طلوع ہوتے ہی عورتیں اور مرد ان کجیوں میں لسی یا دودھ ڈالتے ہیں۔ ٹھوٹھیوں میں حلوہ یا کھیر بھرتے ہیں اور بچوں میں بانٹنا شروع کردیتے ہیں۔ کچھ حضرات مٹی کے کچے پیالے لے کر ان میں کھیر ڈال کر بانٹتے ہیں۔ کچھ حلیم کی دیگیں پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔
ماہ محرم میں ایک اور خلاف شرع کام یہ کیا جاتا ہے کہ محرم کے آغاز سے ہی قبروں کی لیپا پوتی کا کام شروع ہوجاتا ہے۔ جوں جوں10 محرم قریب آتا جاتا ہے قبرستانوں میں رونق کے اندر اضافہ ہوجاتاہے۔ 10محرم کا سورج طلوع ہوتے ہی لوگ جوان بہو، بیٹیوں کو لے کر قبرستانوں کی جانب نکل پڑتے ہیں۔ پھولوں اور اگربتیونکے سٹال لگائے جاتے ہیں۔

قبروں کی لیپا پوتی کی جاتی ہے۔ ان پر مرد و زن اکٹھے مٹی ڈالتے ہیں جس سے کئی ایک غیر شرعی قباحتیں لازم آتی ہیں مثلاً بے پردگی،محرم کے بغیر گھر سے نکلنا وغیرہ۔ پھر مٹی ڈالنے کے بعد قبر پر کھڑے ہوکر شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے اگر کوئی مٹی ڈالنے کے بعد شیرینی تقسیم نہ کرے تو قبر والے پر بوجھ رہتاہے ۔

یہ سب من گھڑت اور بدعات و خرافات پر مبنی افعال ہیں ۔ قبروں کی زیارت کا حکم تو نبی ﷺنے اس لیے دیا ہے کہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی رہے،اگر وہاں پر اس قدر پر رونق سما ں پیدا کیا جائے تو بلا شبہ یہ شرعی مقصد فوت ہوجاتاہے ۔اور شریعت اسلامیہ نے قبروں کی زیارت کے لیے کوئی خاص دن بھی مقرر نہیں کیا لہٰذا کسی خاص دن زیارت کو مقید کردینا بھی شریعت اسلامیہ کے منافی عمل ہے ۔ خستہ قبر کو درست تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے کوئی دن مقرر کرنا یا انہیں پختہ کرنے کی کسی صورت اجازت نہیں ۔ دنیا میں جنت البقیع بہترین قبرستان ہے ۔ دور نبویﷺ یا دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں کبھی وہاں دس محرم کو اس طرح میلہ نہیں لگایا گیا اور نہ مٹی اور پھول ڈالنے کا اہتمام کیا گیا۔

رسومات محرم پر سلف علمائے کرام کا تبصرہ :

1۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :

" اے بنی آدم تم نے اسلام کو بدل ڈالنے والی بہت سی رسمیں اپنا رکھی ہیں مثلا تم دسویں محرم کو باطل قسم کے اجتماع کرتے ہو ۔ کئی لوگوں نے اس دن کو نوحہ و ماتم کا دن بنالیا ہے حالانکہ اللہ تعالی کی مشیت سے حادثے ہمیشہ رونما ہوتے ہی رہتے ہیں ۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس دن (مظلوم شہید کے طورپر) قتل کئے گئے تو وہ کون سا دن ہے جس میں کوئی نہ کوئی اللہ کا نیک بندہ فوت نہیں ہوا (لیکن تعجب کی بات ہے کہ) انہوں نے اس سانحہ شہادت مظلومانہ کو کھیل کود کی چیز بنالیا ۔ تم نے ماتم کو عید کے تہوار کی طرح بنالیا ۔ گویا اس دن زیادہ کھانا پینا فرض ہے اور نمازوں کا تمہیں کوئی خیال نہیں جو فرض عین ہے ۔ ان کو تم نے ضائع کردیا ۔ یہ لوگ انہیں من گھڑت کاموں میں مشغول رہتے ہیں ۔ نمازوں کی توفیق ان کو ملتی ہی نہیں" ۔ (بحوالہ تفہیمات الالہیہ ۱تفہیم ۹۶ ۸۸۲ طبع حیدر آباد سندھ ۱۹۷۰ء)

2 ۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ۴۵۳ھ کے واقعات میں ماتمی جلوسوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"یہ (ماتمی مجالس وغیرہ) کی رسمیں اسلام میں ان کی کوئی ضرورت نہیں واقعتاً اگریہ اچھی چیز ہوتی تو خیر القرون اور اس امت کے ابتدائی

اور بہتر لوگ اس کو ضرور کرتے ۔ وہ اس کے سب سے زیادہ اہل تھے ۔ (بات یہ ہے) کہ اہل سنت (سنت نبوی کی) اقتداءکرتے ہیں ۔ اپنی طرف سے بدعتیں نہیں گھڑتے ۔ "(البدایہ والنہایہ ۱۱ ۱۷۲)
شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صراط مستقیم صفحہ ۹۵ پر تحریر فرمایا ہے:
"(فارسی عبارت کا خلاصہ یہ ہے) پاک و ہند میں تعزیہ سازی کی جو بدعت رائج ہے یہ شرک تک پہنچادیتی ہے کیونکہ تعزیہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی شبیہ بنائی جاتی ہے اور پھر اس کو سجدہ کیا جاتا ہے اور وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو بت پرست اپنے بتوں کے ساتھ کرتے ہیں ۔ اور ان معانی میں یہ پورے طورپر بت پرستی ہے ۔ (اعاذنا اللہ منہ) "
3۔ احمد رضا خان صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ۔
سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و خلفائے مرسلین مسئلہ ذیل کے بارے میں 1۔ بعض اہل سنت و جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں اور کہتے ہیں بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔ 2۔ ان دس دنوں میں کپڑے نہیں بدلتے ۔ 3۔ ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے 4۔ ان ایام میں سوائے امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے ۔ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ (بینوو توجروا)
جواب : پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں سوگ حرام ہے اور چوتھی بات جہالت ہے ۔ واللہ تعالی اعلم (حوالہ احکام شریعت مسئلہ نمبر150۔ محرم الحرام (1328ھ)
دعوت فکر
مکرم و محترم قارئین ! یہ قانون فطرت ہے کہ ہر ایک چیز کو فنا ہونا ہے اور ہر ایک متنفس کو موت کا منظر دیکھنا ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں خواہ کوئی نبی ہو یا ولی ۔
لیکن بعض اموات ایسی ہولناک اور پریشان کن ہوتی ہیں کہ جن کے حزن و ملال کی داستان الفاظ سے نہیں بیان کی جاسکتی اور ایسے اندوہناک حادثات کے احساس و شعور کو تعبیر کرنے سے زبان و قلم عاجز ہوتے ہیں ۔ صرف ایک ہی حکم ہے جس سے ان احساسات کی تعبیر ممکن ہے اور وہ یہ کلمہ ہے جسے مسلمان اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں ایسے موقعوں پر بار بار دہراتے ہیں ۔ اور وہ یہ ہے انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ یعنی اس صدمہ کے احساسات کو تعبیر کرنے اور اس کے اثرات کو زائل

کرنے کے لئے جل شانہ نے ایک نسخہ کیمیا بتایا ہے جس میں انسانی زندگی کی حقیقت مضمر ہے کہ انسان کی آمد و رفت تمام کچھ اللہ ہی کے لئے ہے ۔

لیکن افسوس! بعض نفس پرست لوگوں نے اللہ کے اس بتائے ہوئے نسخے کو چھوڑکر اپنے زخموں کی مرہم کرنے کے لئے نئے نئے طریقے ایجاد کرلئے ہیں ۔ ان متفرق طریقوں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ محبت اور غلو عقیدت یا مکر و فریب اور دھوکہ دہی کی وجہ سے سینہ کوبی اور ماتم وغیرہ شروع کردیتے ہیں او راپنے جسم اور جسم کے بالو ں کو نوچنا اور اپنے گریبانوں کو چاک کرنا اپنا علاج سمجھتے ہیں اور بآواز بلند نوحہ کرنے اور آوازکسنے واویلا کرنے میں اپنی شفا تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ تمام چیزیں اسلام میں ممنوع اور حرام ہیں لیکن اس کے باوجود بھی بعض لوگ انہی میں اپنی شفا سمجھتے ہیں ۔

اور اس کو اپنے لیے باعث افتخار اور خاص شعار سمجھتے ہیں ۔در حقیقت یہ سب کچھ اسلام سے دوری اور پہلوتہی کا نتیجہ ہے اور پھر اس انسان پر جس کی موت بھی شہادت کی موت ہو اور اس پر متزاد یہ کہ اس کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل چکی ہو اور بشارت بھی اس درجہ کی کہ کسی اور کے نصیب بھی نہ ہو اور پھر اس انسان پر جس نے اپنی تمام زندگی خرافات کے قلع قمع کرنے میں گزاری ہو اور مرتے دم بھی زبان پر ان کے خلاف ہی الفاظ ہوں اس کی موت پر ایسا کرنا کسی منصف مزاج انسان کے نزدیک اس کے ساتھ محبت والفت کا طریقہ نہیں ہوسکتا بلکہ عدل و انصاف کے منافی اور اس پر زیادتی ہے ۔ جبکہ ان سے محبت کا تقاضا تو یہ ہے ہم وہ کام کریں جو وہ کرتے تھے ۔ بقول شاعر

لو کنت صادقا فی حبہ لاطعتہ

ان المحب لمن یحب مطیع

اگر تجھے اپنے محبوب سے سچی محبت ہوتی تو اس کی باتیں مانتا کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتاہے ۔

محترم قارئین ! اگر ہماری محبت واقعی سچی اور مبنی بر خلوص ہے تو چاہےے کہ ان کی باتیں مانی جائیں ۔ وہ کام کےے جائیں جو وہ پسند کرتے تھے۔ نماز سیدنا حسین ص کی محبوب ترین چیز تھی ۔ انہوننے ساری زندگی باقاعدگی سے نماز ادا کی ۔ نماز ترک کرنا تو در کنار کبھی نماز کی ادائیگی میں ذرا سی سستی و کاہلی کا مظاہرہ بھی نہیں کیا نہ کسی سے دھوکہ کیا ،انہوں نے داڑھی بھی سنت کے مطابق رکھی ہوی تھی۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تقوی کے اعلی معیار پر فائز تھے ۔ خشیت الہی ان میں

کوٹ کوٹ کر بھر ی ہوی تھی غرض یہ کہ انہوں نے زندگی بھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، کبھی خلاف ورزی اور نافرمانی کا سوچا بھی نہیں لیکن ہم تمام کاموں سے عاری ہیں۔ ہماری زندگیاں روز مرہ کے معمولات بالکل ان کی زندگی کے بر عکس ہیں اور یہاں ہم ایک دوسرے پر فتوے لگاتے ہیں اور ان کی محبت کے کھوکھلے دعوے کرتے ہیں ۔ ان کی محبت میں بڑے بڑے عظیم و بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے سے باز نہیں آتے حالانکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بذات خود اپنی پوری زندگی صحابہ رضی اللہ عنہم تو درکنار ،کسی عام آدمی سے بھی ہتک آمیز سلوک نہیں کیا ۔ ایک طرف تو اتنے بڑے بڑے دعوے اور دوسری طرف زندگیوں میں اتنا تفاوت ‘یہ کہاں کا انصاف ہے ؟ ہم ہیں کہ اس قسم کی رسومات ، بدعات خرافات و اختراعات میں اپنا وقت مال اور وسائل برباد کر رہے ہیں جبکہ دین اسلام کے دشمن تو ہر وقت اسلام اور اس کے ماننے والوں کو صفحہ ہستی سے مٹادینے کے لیے طرح طرح کی سازشوں میں مصروف ہیں ۔ ہوناتو یہ چاہیے کہ ہم سب اتحاد و یگانگت کی ایسی مثال پیش کریں کہ دشمن پر ہماری دھاگ بیٹھ جائے لیکن ہم میں ان جذبات کا تا حال فقدان ہے ۔

(4) شرک کے مختلف رائج الوقت اسباب

یوں تو نہ معلوم ابلیس کن کن اور کیسے کیسے دیدہ ونادیدہ طریقوں سے شب وروز اس شجرہ خبیثہ '' شرک'' کی آبیاری میں مصروف ہے ‘اور نہ معلوم جاہل عوام کے ساتھ ساتھ بظاہر کتنے نیک سیرت درویش ‘پاک طینت بزرگان دین ‘ صاحب کشف وکرامت اولیاء عظام‘ ترجمان شریعت علماء کرام ‘ملک وقوم کے سیاسی نجات دہندگان اور خادم اسلام حکمران بھی حضرت ابلیس کے قدم بقدم اس '' کارخیر'' میں شرکت فرمارہے ہیں۔

بقول سیدنا عبداللہبن مبارک رحمہ اللہ:

فَهَلْ أَفْسَدَ الدِّ يْنَ اِلَّا الْمُلُوک
وَأَحْبَارُ سُوْءٍ وَ رُهْبَانُها

''کیا دین بگاڑنے والوں میں بادشاہوں ‘علماء اور درویشوں کے علاوہ کوئی اور بھی ہے؟''۔

اس لئے ایسے اسباب وعوامل کا ٹھیک ٹھیک شمار کرنا تو مشکل ہے تاہم جو اسباب شرک کی ترویج کا باعث بن رہے ہیں ان میں سے اہم ترین اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱) جہالت ۔
(۲) ہمارے صنم کدے (تعلیمی ادارے) ۔
(۳) دین خانقاہی ۔
(۴) فلسفہ وحدت الوجود ‘ وحدت الشہوداور حلول ۔
(۵) برصغیر ہندوپاک کا قدیم ترین مذہب‘ ہندومت ۔

(۶) حکمران طبقہ۔

۱۔جہالت

کتاب وسنت سے لاعلمی وہ سب سے بڑا سبب ہے جو شرک کے پھلنے پھولنے کاباعث بن رہا ہے ‘اسی جہالت کے نتیجے میں انسان آباء واجداد اور رسم ورواج کی اندھی تقلید کا اسیر ہوتا ہے اسی جہالت کے نتیجے میں انسان ضعفِ عقیدہ کا شکار ہوتا ہے اسی جہالت کے نتیجے میں انسان بزرگان دین اور اولیاء کرام سے عقیدت میں غلو کا طرز عمل اختیار کرتا ہے درج ذیل واقعات اسی جہالت کے چند کرشمے ہیں ۔

۱۔دھنی رام روڈ لاہور میں تجاوزات پر جوتیر چل رہا ہے ان کی زد سے بچنے کے لئے میو ہسپتال کے نزدیک ایک میڈیکل اسٹور کے منچلے مالک نے اپنے اسٹور کے بیت الخلاء پر رات کے اندھیرے میں ’’شاہ عزیز اللہ‘‘کے نام سے ایک فرضی مزار بناڈالا اس مزار پر دن بھر سینکڑوں افراد جمع ہوئے جو مزار کا دیدار کرتے اور دعائیں مانگتے رہے ‘‘۔(نوائے وقت ۱۹جولائی ۱۹۹۰)

۲۔ ’’ اختلاف امت کا المیہ ‘‘کے مصنف حکیم فیض عالم صدیقی صاحب لکھتے ہیں’’میں آپ کے سامنے ایک واقعہ حلفیہ پیش کرتا ہوں چند روز ہوئے میرے پاس ایک عزیز رشتہ دار آئے جو شدت سے کشتہ پیری ہیں ۔میں نے باتوں باتوں میں کہا کہ فلاں پیر صاحب کے متعلق چار عاقل بالغ گواہ پیش کردوں جنہوں نے انہیں زنا کاارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہو تو پھر ان کے متعلق کیا کہو گے ؟کہنے لگے ’’یہ بھی کوئی فقیری کا راز ہوگا جو ہماری سمجھ میں نہ آتا ہوگا ‘‘پھر ایک پیر صاحب کی شراب خوری اور بھنگ نوشی کا ذکر کیا توکہنے لگے ’’بھائی جان یہ باتیں ہماریسمجھ سے باہر ہیں وہ بہت بڑے ولی ہیں‘‘(۔ اختلاف امت کا المیہ صفحہ ۹۴)

۳۔ ضلع گوجرانوالہ کے گاؤں کوٹلی کے ایک پیر صاحب (نہواں والی سرکار)کے چشم دید حالات کی رپورٹ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو ’’صبح آٹھ بجے حضرت صاحب نمودار ہوئے اردگرد (مرد وخواتین)مرید ہولئے کوئی ہاتھ باندھے کھڑا تھا کوئی سرجھکائے کھڑا تھا کوئی پاؤں پکڑ رہا تھا بعض مرید حضرت کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھے چل رہے تھے جبکہ پیر صاحب نے صرف ایک ڈھیلی ڈھالی لنگوٹی باندھے ہوئے تھے چلتے چلتے نہ جانے حضرت کو کیا خیال آیا کہ اسے بھی لپیٹ کر کندھے پر ڈال لیا خواتین نے جن کے محرم (بھائی بیٹے یا باپ)ساتھ تھے شرم کے مارے سر جھکالیا لیکن عقیدت کے پردے میں یہ ساری بے عزتی برداشت کی جارہی تھی ‘‘(۔ مجلہ الدعوۃ ‘لاہور مارچ ۱۹۹۲صفحہ ۴)

ہم نے یہ چند واقعات بطور مثال پیش کئے ہیں ورنہ اس کوچہ کے اسرار وروموز سے واقف لوگ خوب جانتے ہیں حقیقت حال اس سے کہیں زیادہ ہے ‘عقل وخرد کی یہ موت ‘فکر ونظر کی یہ مفلسی ‘اخلاق وکردار کی یہ پستی ‘عزت نفس اور غیرت انسانی کی یہ رسوائی ‘ایمان اور عقیدے کی یہ جان کنی کتاب وسنت سے لاعلمی اور جہالت کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

۲۔ہمارے صنم کدے

کسی ملک کے تعلیمی ادارے اس قوم کا نظریہ اور عقیدہ بنانے یا بگاڑنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں ہمارے ملک اور قوم کی یہ بدنصیبی ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں دی جانے والی تعلیم ہمارے دین کی بنیاد عقیدہ توحید سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی اس وقت ہمارے سامنے دوسری ‘تیسری ‘چوتھی ‘ پانچویں ‘چھٹی‘ساتویں ‘اورآٹھویں جماعت کی اردو کی کتب موجود ہیں‘جن میں حضرت علی علیہ السلام حضرت فاطمہ علیہاالسلام (یاد رہے کہ علمائے جمہور کے نزدیک انبیاء کرام کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنا چاہئے اور صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا چاہئے متذکرہ بالا مضمون میں حضرت علیؓ ،حضرت فاطمہؓ،حضرت حسینؓ اور حضرت حسینؓ کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھا گیا ہے جو کہ صحیح نہیں)۔

حضرت داتا گنج بخشؒ‘حضرت بابا فرید شکر گنجؒ‘حضرت سخی سرورؒ‘حضرت سلطان باہوؒ‘حضرت پیر بابا کوہستانیؒ اور حضرت بہاؤالدین زکریا پر مضامین لکھے گئے ہیں ‘ حضرت فاطمہ رضی اللہعنہا پر لکھے گئے مضمون کے آخر میں جنت البقیع (مدینہ کا قبرستان)کی ایک فرضی تصویر دے کر نیچے یہ فقرہ تحریر کیا گیا ’’جنت البقیع (مدینہ منورہ)جہاں اہل بیت کے مزار ہیں‘‘—جن لوگوں نے جنت البقیع دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ سارے قبرستان میں ’’مزار‘‘تو کیا کسی قبر پر پکی اینٹ بھی نہیں رکھی گئی ’’اہل بیت کے مزار‘‘لکھ کر مزار کو نہ صرف تقدس اور احتام کا درجہ دیا گیا ہے بلکہ اسے سند جواز بھی مہیا کیا گیا ہے ‘ان سارے مضامین کو پڑھنے کے کے بعد دس بارہ سال کے خالی الذہن بچے پر جو اثرات مرتب ہوسکتے ہیں وہ یہ ہیں ۔

۱۔بزرگوں کے مزار اور مقبرے تعمیر کرنا ‘ان پر عرس اور میلے لگانا ‘ان کی زیارت کرنا نیکی اور ثواب کا کام ہے ۔

۲۔بزرگوں کے عرسوں میں ڈھول تاشے بجانا ‘رنگ دار کپڑے کے جھنڈے اٹھاکر چلنا بزرگوں کی عزت اور احترام کا باعث ہے ۔

۳.بزرگوں کے مزاروں پر پھول چڑھانا ‘فاتحہ پڑھنا ‘چراغاں کرنا ‘کھانا تقسیم کرنا او روہاں بیٹھ کر عبادت کرنا نیکی اور ثواب کا کام ہے ۔
۴.مزاروں اور مقبروں کے پاس جاکر دعا کرنا قبولیت دُعا کا باعث ہے۔
۵.فوت شدہ بزرگوں کے مزاروں سے فیض حاصل ہوتا ہے اور اس ارادے سے وہاں جانا کارِ ثواب ہے۔
اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک کے کلیدی عہدوں پر جو لوگ فائز ہوتے ہیں وہ عقیدہ توحید کی اشاعت یا تنفیذ کے مقدس فریضہ کو سرانجام دینا تو درکنار ‘ شرک کی اشاعت اوراس کی ترویج کا باعث بنتے ہیں چند تلخ حقائق ملاحظہ فرمائیں ۔
(۱) صدر ایوب خاں ایک ننگے پیر (بابا لال شاہ)کے مرید تھے جومری کے جنگلات میں رہا کرتا تھا اور اپنے معتقدین کو گالیاں بکتا تھا اور پتھرمارتا تھا اس وقت کی آدھی کابینہ اورہمارے بہت سے جرنیل بھی ا س کے مرید تھے۔(پاکستان میگزین ۲۸فروری ۱۹۹۲ء)
(۲) ہمارے معاشرے میں ’’جسٹس‘‘ کو جو مقام اور مرتبہ حاصل ہے اس سے ہر آدمی واقف ہے محترم جسٹس محمد الیاس صاحب ‘حضرت سید کبیر الدین المعروف شاہد ولہ (گجرات)کے بارے میں ایک مضمون لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں: ’’آپ کا مزار اقدس شہر کے وسط میں ہے۔ اگر دنیا میں نہیں تو برصغیر پاک وہند میں یہ واحد بلند ہستی ہیں جن کے دربار پُر انوار پر انسان کا نذرانہ پیش کیاجاتا ہے ۔وہ اس طرح کہ جن کے ہاں اولاد نہ ہو وہ آپ کے دربار مبارک پر حاضر ہوتے ہیں اور اولاد کے لئے دعا کرتے ہیں ساتھ ہی یہ منت مانتے ہیں کہ جو پہلی اولاد ہوگی وہ ان کی نذر کی جائے گی۔پھر جو اولین بچہ پیدا ہوتا ہے اسے عرف عام میں ’’شاہدولہ ‘‘کا چوہا کہا جاتا ہے اس بچے کو بطور نذرانہ دربار اقدس میں چھوڑدیا جاتا ہے اور پھر اس کی نگہداشت دربار شریف کے خدام کرتے ہیں۔ بعد میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ عام بچوں کی طرح تندرست ہوتے ہیں ۔روایت ہے کہ اگر کوئی شخص متذکرہ بالا منت مان کر پوری نہ کرے تو پھر اولین بچے کے بعد پیدا ہونے والے بچے بھی پہلے بچے کی طرح ہوتے ہیں‘‘(نوائے وقت ۲۶مارچ ۱۹۹۱ء)
(۳) جناب جسٹس عثمان علی شاہ صاحب مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک انتہائی اعلیٰ اور اہم منصب ’’وفاقی محتسب اعلیٰ‘‘پر فائز ہیں ایک انٹرویومیں انہوں نے یہ انکشاف فرمایا ’’میرے دادا بھی فقیر تھے ان کے متعلق یہ مشہور تھاکہ اگر بارش نہ ہو تو اس مست آدمی کو پکڑ کر دریا میں پھینک دو تو بارش ہوجائے گی انہیں دریا میں پھینکتے

ہی بارش ہوجاتی تھی آج بھی ان کے مزار پر لوگ پانی کے گھڑے بھربھر کرڈالتے ہیں''(اردو ڈائجسٹ ستمبر ۱۹۹۱ء)
(۴) حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے عرس شریف میں شامل ہونے والے پاکستانی وفد کے سربراہ سید افتخار الحسن ممبر صوبائی اسمبلی نے اپنی تقریر میں سرہند کو کعبہ کا درجہ دیتے ہوئے دعوی کیا کہ ''ہم نقشبندیوں کے لئے مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا روضہ حج کے مقام (بیت اللہشریف)کا درجہ رکھتا ہے '' (نوائے وقت ،۱۱اکتوبر ۱۹۹۱جمعہ میگزین صفحہ ۵)
صدر مملکت ،کابینہ کے ارکان ،فوج کے جرنیل ،عدلیہ کے جج اور اسمبلیوں کے ممبر سبھی حضرات وطن عزیز کے تعلیمی اداروں کے سند یافتہ اور فارغ التحصیل ہیں ان کے عقیدے اور ایمان کا افلاس پکار پکار کر یہ گواہی دے رہا ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے درحقیقت علم کدے نہیں صنم کدے ہیں جہاں توحید کی نہیں شرک کی تعلیم دی جاتی ہے اسلام کی نہیں جہالت کی اشاعت ہورہی ہے جہاں سے روشنی نہیں تاریکی پھیلائی جارہی ہے حکیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ نے ہمارے تعلیمی اداروں پر کتنا درست تبصرہ فرمایا ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

مذکورہ بالا حقائق سے اس تصور کی بھی مکمل نفی ہوجاتی ہے کہ قبر پرستی اور پیر پرستی کے شرک میں صرف ان پڑھ ،جاہل اور گنوار قسم کے لوگ مبتلا ہوتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگ اس سے محفوظ ہیں۔
۳۔دین خانقاہی
اسلام کے نام پر دین خانقاہی درحقیقت ایک کھلی بغاوت ہے ۔دین محمدﷺکے خلاف عقائد وافکارمیں بھی اور اعمال وافعال میں بھی ۔امر واقعہ یہ ہے کہ دین اسلام کی جتنی رسوائی خانقاہوں ،مزاروں ،درباروں اور آستانوں پر ہورہی ہے شاید غیر مسلموں کے مندروں ،گرجوں اور گردواروں پر بھی نہ ہوتی ہو۔بزرگوں کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا ،ان کی تزئین وآرائش کرنا ،ان پر چراغاں کرنا ،پھول چڑھانا ،انہیں غسل دینا ،ان پر مجاوری کرنا ،ان پر نذر ونیاز چڑھانا ،وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا ،جانور ذبح کرنا ،وہاں رکوع وسجود کرنا،ہاتھ باندھ کر باادب کھڑے ہونا ،ان سے مرادیں مانگنا ،ان کے نام کی چوٹی رکھنا ،ان کے نام کے دھاگے باندھنا ،ان کے نام کی دھائی دینا ،تکلیف اورمصیبت میں انہیں پکارنا ،مزاروں کا طواف کرنا ،طواف کے بعد قربانی کرنااور سر کے بال مونڈوانا ،مزار کی دیواروں

کو بوسہ دینا وہاں سے خاک شفا حاصل کرنا ‘ننگے قدم مزار تک پیدل چل کرجانا اور الٹے پاؤں واپس پلٹنا یہ سارے افعال تو وہ ہیں جو ہر چھوٹے بڑے مزار پر روز مرہ کا معمول ہیں۔

اور جو مشہور اولیاء کرام کے مزار ہیں ان میں سے ہر مزار کا کوئی نہ کوئی الگ امتیازی وصف ہے۔ مثلاً: بعض خانقاہوں پر بہشتی دروازے تعمیر کئے گئے ہیں جہاں گدی نشین اور سجادہ نشین نذرانے وصول کرتے اورجنت کی ٹکٹیں تقسیم فرماتے ہیں۔ کتنے ہی امراء ‘وزراء‘اراکین اسمبلی ‘سول اور فوج کے اعلیٰ عہدیدار سر کے بل وہاں پہنچتے ہیں اور دولت دنیا کے عوض جنت خریدتے ہیں۔بعض ایسی خانقاہیں بھی ہیں جہاں منا سک حج ادا کئے جاتے ہیں ‘مزار کا طواف کرنے کے بعد قربانی دی جاتی ہے ‘بال کٹوائے جاتے ہیں ‘اور مصنوعی آب زم زم نوش کیا جاتا ہے ۔بعض ایسی خانقاہیں بھی ہیں جہاں نومولود معصوم بچوں کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں ۔بعض ایسی خانقاہیں بھی ہیں جہاں کنواری دوشیزائیں خدمت کے لئے وقف کی جاتی ہیں ۔بعض ایسی خانقاہیں ہیں جہاں اولاد سے محروم خواتین ’’نوراتا‘‘بسر کرنے جاتی ہیں(ملتان کے علاقہ میں ایسی بہت سی خانقاہیں جہاں بے اولاد خواتین نوراتوں کے لئے جاکر قیام کرتی ہیں اور صاحب مزار کے حضور نذر ونیاز پیش کرتی ہیں ‘مجاوروں کی خدمت اور سیوا کرتی ہیں اور یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ اس طرح صاحب مزار انہیں اولاد سے نواز دے گا ‘عرف عام میں اسے نوراتا کہا جاتا ہے۔)

انہی خانقاہوں میں سے بیشتر بھنگ ‘چرس ‘افیون ‘گانجا اور ہیروئن جیسی منشیات کے کاروبار ی مراکز بنی ہوئی ہیں۔بعض خانقاہوں میں فحاشی بدکاری او ر ہوس پرستی کے اڈے بھی بنے ہوئے ہیں۔بعض خانقاہیں مجرموں اور قاتلوں کی محفوظ پناہ گاہیں تصور کی جاتی ہیں (ویسے تو اخبارات میں آئے دن مزاروں اور خانقاہوں پر پیش آنے والے المناک واقعات لوگوں کی نظروں سے گزرتے ہی رہتے ہیں ہم یہاں مثال کے طور پر صرف ایک خبر کا حوالہ دینا چاہتے ہیں جو روزنامہ ’’خبریں ‘‘مورخہ ۱۵اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی ہے وہ یہ کہ ضلع بہاولپور میں خواجہ حکیم الدین میرائی کے سالانہ عرس پر آنے والی بہاولپوری یونیورسٹی کی دوطالبات کو سجادہ نشین کے بیٹے نے اغوا کرلیا جبکہ ملزم کا باپ سجادہ نشین منشیات فروخت کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ (

ان خانقاہوں کے گدی نشینوں اور مجاوروں کے حجروں میں جنم لینے والی حیاء سوز داستانیں سنیں توکلیجہ منہ کو آتا ہے۔ان خانقاہوں پر منعقد ہونے والے سالانہ عرسوں میں مردوں ‘عورتوں کا کھلے عام اختلاط

‘عشقیہ اور شرکیہ مضامین پر مشتمل قوالیاں (۱) ڈھول ڈھمکے کے ساتھ نوجان ملنگوں اور ملنگنیوں کی دھمالیں کھلے بالوں کےساتھ۔
(۱) قوالی کے بارے میں کہا جاتاہے کہ ہندوؤں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے اولیاء کرام نے قوالی کاسہارا لیا اور یوں برصغیر میں قوالی اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنی‘نامور قوال نصرت فتح علی خان نے اپنے انٹرویو میں دعوی کیا ہے کہ اسپین ‘فرانس ‘اور دوسرے بہت سے ممالک میں لاتعداد لوگ ہماری قوالی سننے کے بعد مسلمان ہوگئے (نوائے وقت فیملی میگزین ۱۲تا ۱۸مئی ۱۹۹۲) چنانچہ ہم نے چند نامور قوالوں کے کیسٹ حاصل کرکے سنے جن کے بعض حصے بطور نمونہ یہاں نقل کئے جارہے ہیں ‘ان قوالیوں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قوالیوں کے ذریعہ اولیاء کرام کس قسم کے اسلام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے اور آج اگر لاتعداد لوگ مغربی ممالک میں قوالیاں سن کر واقعی مسلمان ہوئے ہیں تو وہ کس قسم کے مسلمان ہوئے ہیں۔

ابن زہرہ کو بنایا گیا
اولیاء انبیاء کو بلایا گیا
مرحبا‘ مرحبا
مرحبا ‘ مرحبا
جاگنے کو مقدر ہے انسان کا
عرس ہے آج محبوب سبحان کا
ہر طرف آج رحمت کی برسات ہے
آج کھلنے پر قفل مہمات ہے
ہر سو جلوہ آرائی ذات ہے
کوئی بھرنے پہ کشکول حاجات ہے
وحدت‘ وحدت‘ وحدت‘ وحدت‘ وحدت
تیرے خزانہ میں سوائے وحدت کے کیا رکھا ہے ؟
مظہر ذات رب قدیرآپ ہیں ‘دستگیر آپ ہیں
شاہ بغداد پیران پیر آپ ہیں ‘ دستگیر آپ ہیں
پوری سرکار سب کی تمنا کرو
ہر بھکاری کی داتا جی جھولی بھرو
کسے شئے دی نئیں داتا کول تھوڑ اے
پوری کرداں سوالیاں دی لوڑ اے
گل جھوٹ نہیں اللہدی سونہہ میری
توں سچے دلوں دیکھ منگ کے

دل گناہ گار کا نہیں توڑدا
خالی داتا کدے وی نہیں موڑدا
جھولی بھر دے گا مراداں نال تیری توں
سچے دلوں دیکھ منگ کے
علی ساڈے دلا وچ
علی ساڈے ساہوا ں وچ
علی ساڈے آسے پاسے
علی اے نگاہواں وچ
علی داں ملنگ میں تے
علی دا منگ میں تے
علی دا ملنگ
ہاڑاں تے طوفانان وچ کنارا مولا علی اے
دکھیاں دے دلاں دا سہارا مولا علی اے
علی داں ملنگ میں تے
علی دا منگ میں تے
علی دا ملنگ
نظر کرم دی کردہ سوہنا
خالی جھولیاں بھردا سوہنا
جیہڑا وی ایہہ ورد پکاندا
مرشد بیڑی پار لگاندا
علی مولا علی مولا علی مولا
دم علی علی دم علی علی دم علی علی
جنہاں جنہاں کرلئی پہچان مولا علی دی
اوہناں تائیں مل گئی امان مولا علی دی
دم علی دم علی دم علی مولا علی مولا علی مولا علی
(۱) ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۸مئی ۱۹۹۰ء
ساتھ عورتوں کے رقص ‘طوائفوں کے مجرے ‘ٹھیٹر اور فلموں کے مظاہر عام نظر آتے ہیں .دین خانقاہی کی انہی رنگ رلیوں اور عیاشیوں کے باعث گلی گلی ‘محلے محلے ‘گاؤں گاؤں ‘شہر شہر ‘نت نئے مزار تعمیر ہورہے ہیں۔
رحیم یارخان (ضلع پنجاب پاکستان)میں دین خانقاہی کے علمبرداروں نے پیشہ ور ماہرین آثار قدیمہ سے بھی زیادہ مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے چودہ سو سال بعد رانجھے خاں کی بستی کے قریب بر لب سڑک ایک صحابی

رســـول ﷺ کی قبر تلاش کرکے اس پر نہ صـــرف مزار تعمیر کرڈالا بلکہ ''صحابی رسول خمیر بن ربیع کا روضہ مبارک ''کا بورڈ لگا کر اپنا کاروبار بھی شروع کردیا ہے۔(۱)

گزشتہ چند سالوں سے ایک نئی رسم دیکھنے میں آرہی ہے وہ یہ کہ اپنی خانقاہوں کی رونق بڑھانے کے لئے بزرگوں کے مزارات پر رســـول اکرم ﷺکے اســمِ مبارک ســے عرس منعقد کئے جانے لگے ہیں ۔مسـلمانوں کی اس حالت زار پر آج علامہ اقبال رحمہ االلہ کا یہ تبصرہ کس قدر درست ثابت ہورہا ہے ۔

ہونکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے کیا
نہ بیچوگے جو مل جائیں صنم پتھر کے

دین خانقاہی کی تاریخ میں یہ دلچســپ اور انوکھا واقعہ بھی پایا جاتا ہے کہ ایک بزرگ شیخ حسین لاہوری (سنہ ۱۰۵۲ھ)ایک خوبصورت برہمن لڑکے ''مادھولال ''پر عاشق ہوگئے ۔پرستاران اولیاء کرا م نے ''دونوں بزرگوں کا مزار شـالی مار باغ لاہور کے دامن میں تعمیر کردیا جہاں ہر ســال ۸جمادی الثانی کو دونوں بزرگوں کے مشترک نام ''مادھولال حسین ''سے بڑی دھوم دھام ســے عرس منعقد کرایا جاتا ہےجســے زندہ دلان لاہور عرف عام میں میلہ چراغاں کہتے ہیں ۔''حضرت مادھولال ''کے دربار پر کندہ کتبہ بھی بڑا انوکھا اور منفرد ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''مزار پر انوار'مرکز فیض وبرکات 'راز حســن کا امین'معشــوق محبوب نازنین'محبوب الحق 'حضــرت شیخ مادھو قادری لاہوری ''۔

یوں تو یــہ مزار اور مقبرے تعمیر ہی عرســوں کے لئے کئے جــاتے ہیں۔چھوٹے چھوٹے قصــبوں اور دیہاتوں میں نہ معلوم کتنے ایســے عرس منعقد ہوتے ہیں جو کســی گنتی اور شـــمار یں نہیں آتے 'لیکن جو عرس ریکارڈ پر موجود ہیں ان پرایک نظر ڈالئے اور اندازہ کیجئے کہ دین خانقاہی کا کاروبار کس قدر وســعت پذیر ہےاور حضـــرتِ ابلیس نے جاہل عوام کی اکثریت کو کس طرح اپنے شـــکنجوں میں جکڑ رکھا ہے ۔تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں ایک سال کے اندر ۶۳۴عرس شریف منعقد ہوتے ہیں گویا ایک مہینے میں ۵۳یا دوســرے الفاظ میں روزانہ ۱.۷۶یعنی پونے دو عرس منعقد ہوتے ہیں جو عرس ریکارڈ پر نہیں یا جن کا اجراء دوران ســـال ہوتا ہے ان کی تعداد بھی شـــامل کی جائے تو یقینا یہ تعداد دوعرس یومیہ ســے بڑھ جائے گی (۱)ان اعداد وشــمار کے مطابق مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سرزمین پر اب ایسا کوئی سورج طلوع

نہیں ہوتا جب یہاں عرسوں کے ذریعے شرک وبدعت کا بازار گرم کرکے اللہتعالیٰ کے غیض وغضب کو دعوت نہ دی جاتی ہو۔(العیاذ باللہ)
(۱) یہ اعداد وشمار شمع اسلامی قانونی ڈائری ۱۹۹۲ء سے لئے گئے ہیں۔
پاکستان بھر میں منعقد ہونے والے عرسوں کے اعدادو شمار
قمری مہینوں میں عرسوں کی تعداد: ۴۳۹بنتی ہے۔
عیسوی مہینوں میں عرسوں کی تعداد : ۸۸بنتی ہے۔
بکری مہینوں میں عرسوں کی تعداد ۱۰۷بنتی ہے۔
قمری ،عیسوی اور بکری مہینوں کے حساب سے سال بھر میں منعقد ہونے والے عرسوں کی کل تعداد: ۶۳۴
ہندوستان کے ایک مشہور صوفی بزرگ حضرت بوعلی قلندؒ کا عرس شریف بھی اسی مبارک مہینے (۱۳رمضان)میں پانی پت کے مقام پر منعقد ہوتا ہے۔ دین خانقاہی میں رمضان کے علاوہ باقی فرائض کا کتنا احترام پایا جاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صوفیاء کے نزدیک تصور شیخ (تصور شیخ یہ ہے کہ دوران نماز اپنے مرشد کا تصور ذہن میں قائم کیا جائے) کے بغیر ادا کی گئی نماز ناقص ہوتی ہے۔حج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مرشد کی زیارت حج بیت اللہسے افضل ہے .دین اسلام کے فرائض کے مقابلے میں دین خانقاہی کے علمبردار کانقاہوں،مزاروں ،درباروں اور آستانوں کو کیا مقام اور مرتبہ دیتے ہیں اس کا اندازہ خانقاہوں میں لکھے گئے کتبوں ،یا اولیاء کرام کے بارے میں عقیدتمندوں کے لکھے ہوئے اشعار سے لگایا جاسکتا ہے ،چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

مدینہ بھی مطہر ہے مقدس ہے علی پور
ادھر جائیں تو اچھا ہے ادھر جائیں تو اچھا ہے

۲ مخدوم کا حجرہ بھی گلزار مدینہ ہے
یہ گنج فریدی کا انمول نگینہ ہے

۳ دل تڑپتا ہے جب روضے کی زیارت کے لئے
پاک پتن تیرے حجرے کو میں چوم آتا ہوں

۴ آرزو ہے کہ موت آئے تیرے کوچے میں
رشک جنت تیرے کلیر کی گلی پاتا ہوں

۵ چاچڑ وانگ مدینہ دسے تے کوٹ مٹھن بیت ا اللہ
ظاہر دے وچ پیر فریدن تے باطن دے وچ ا اللہ ترجمہ:چاچڑ (جگہ کا نام)مدینہ کی طرح ہے اور کوٹ مٹھن (جگہ کانام)بیت اللہشریف کی طرح ہے ،ہمارا مرشد ،پیر فرید ظاہر میں تو انسان ہے لیکن باطن میں اللہہے۔

بابا فریدگنج شـــکر کے مزار پر '' زبدۃ الانبیاء (یعنی تمام انبیاء کرام کا سردار) کا کتبہ لکھا گیا ہے۔ سید علاؤ الدین احمد صابری کلیری کے حجرہ شریف (پاک پتن)پر یہ عبارت کندہ ہے :''سلطان الاولیاء قطب عالم ،غوث الغیاث ،ہشت دہ ہزار عالمین (ولیوں کا بادشاہ ،سارے جہان کا قطب،اٹھارہ ہزار جہانوں کے فریاد رسوں کا سب سے بڑا فریاد رس)۔ حضرت لال حسین لاہور کے مزار پر ''غوث الاسلام والمسلمین ''(اسلام اور مسلمانوں کا فریاد رس)کا کتبہ لگا ہوا ہے ،سید علی ہجویری کے مزار پر لگایا گیا کتبہ قرآنی آیات کی طرح عرســوں میں پڑھا اتا ہے ''گنج بخش ،فیض عالم ،مظہر نورِخدا (خزانے عطاکرنے والا ،ســاری دنیا کو فیض پہنچانے والا ،خدا کے نور کے ظہور کی جگہ)

غورفرمائیے جس دین میں توحید ،رسالت،نماز ،روزے اور حج کے مقابلے میں پیروں ،بزرگوں ،عرسوں ،مزاروں اور خانقاہوں کو یہ تقدس اور مرتبہ حاصل ہو وہ دین محمدﷺسے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے شاعر مشرق علامہ اقبال رحمہ اللہنے ارمغان حجاز کی ایک طویل نظم ''ابلیس کی مجلس شــوریٰ '' میں ابلیس کے خطاب کی جو تفصــیل لکھی ہے اس میں ابلیس مسلمانوں کو دین اسلام کا باغی بنانے کے لئے اپنی شوری کے ارکان کو جو ہدایت دیتا ہے ان میں ســب ســے آخری ہدایت دین خانقاہی پر بڑا جامع تبصرہ ہے۔ملاحظہ فرمائیں ۔

مست رکھو ذکر وفکر صبح گاہ میں اسے پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے

ہمارے جائزے کے مطابق متذکرہ بالا ۳۶۴خانقاہوں یاآســتانوں میں ســے بیشترگدیاں ایسی ہیں جو وسیع وعریض جاگیروں کے مالک ہیں صوبائی اسمبلی ،قومی اسمبلی حتی کہ سینیٹ میں بھی ان کی نمائندگی موجود ہوتی ہے ۔صــوبائی اور قومی اســمبلی کی نشــســتوں میں ان کے مقابل کوئی دوسراآدمی کھڑا ہونے کی جراء ت نہیں کرسکتا ۔

کتاب وسنت کے نفاذ کے علمبرداروں اور اسلامی انقلاب کے داعیوں نے اپنے راستے کے اس سنگ گراں کے کے بارے میں بھی کبھی سنجیدگی سے غور کیا ہے ؟

۴۔فلسفہ وحدت الوجود ،وحدت الشہود اور حلول

بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان عبادت اور ریاضت کے ذریعے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اســے کائنات کی ہر چیز میں اللہنظر آنے لگتا ہے یا وہ ہر چیز کواللہکی ذات کا جزء ســمجھنے لگتا ہے۔تصــوف کی اصــطلاح میں اس عقیدےکو وحدت الوجودکہا جاتا ہے۔عبادت اور ریاضــت

میں مزید ترقی کرنے کے بعد انسان کی ہستی االلہکی ہستی میں مدغم ہوجاتی ہے اور وہ دونوں (خدا اور انسان)ایک ہوجاتے ہیں .اس عقیدے کو وحدت الشہود یا ''فنا فی االلہ''کہا جاتا ہے.عبادت اور ریاضت میں مزید ترقی سے انسان کا آئینہ دل اس قدرلطیف اور صاف ہوجاتا ہے کہ االلہکی ذا ت خد اس انسان میں داخل ہوجاتی ہے جسے حلول کہا جاتا ہے .

غور کیاجائے تو ان تینوں اصطلاحات کے الفاظ میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں اور وہ یہ کہ ''انسان االلہکی ذات کا جزء اور حصہ ہے ''.یہ عقیدہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا. ہندو مت کے عقیدہ ''اوتار''بدھ مت کے عقیدہ ''نرواں''اور جین مت کے ہاں بت پرستی کی بنیاد یہی فلسفہ وحدت الوجوداور حلول ہے.(۱)یہودیوں نے فلسفہ حلول کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو االلہکا بیٹا (جزء) قرار دیا.مسلمانوں کے دوبڑے گروہوں ،اہل تشیع اور اہل تصوف ،کے عقائد کی بنیاد بھی یہی فلسفہ وحدت الوجود اور حلول ہے .صوفیاء کے سرخیل جناب حسین بن منصور حلاج (ایرانی)نے سب سے پہلے کھلم کھلا یہ دعویٰ کیا کہ خدا اس کے اند رحلول کرگیا ہے اور اَنَا لحقَ (میں االلہ ہوں)کا نعرہ لگایا . منصور بن حلاج کے دعویٰ خدائی کی تائید اور توصیف کرنے والوں میں علی ہجویری اور شیخ عبدالقادر جیلانی اور سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین اولیاء جیسے کبار اولیاء کرام شامل ہیں .

۱. مسلمانوں میں اس کی ابتداء عبداللہبن سبا نے کی جو یمن کا یہودی تھا ،عہد نبوی میں یہودیوں کی ذلت ورسوائی کا انتقام لینے کے لئے منافقانہ طور پر عہد فاروقی (یا عہد عثمانی)میں ایمان لایا اپنے مذموم عزائم بروئے کار لانے کے لئے حضرت علیؓ کو مافوق البشر ہستی باور کرانا شروع کیا بالآخر اپنے معتقدین کاایک ایسا حلقہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوگیا جو حضرت علیؓ کو خلافت کا اصل حقدار اورباقی خلفاء کو غاصب سمجھنے لگا اس گمراہ کن پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت واقع ہوئی جمل اور صفین کی خون ریز جنگں ہوئیں اس سارے عرصہ میں عبداللہبن سبا اور اس کے پیروکار حضرت علیؓ کا ساتھ دیتے رہے اور فتنے پیدا کرنے کے مواقع کی تلاش کرتے رہے ،حضرت علیؓ سے محبت اور عقیدت کے نام پر بالآخر اس نے حضرت علیؓ کو االلہتعالیٰ کا روپ یا اوتار کہنا شروع کردیا اور مشکل کشا ،حاجت روا ،عالم الغیب ،اور حاضر ناظر جیسی خدائی صفات ان سے منسوب کرنا شروع کردیں ،اس مقصد کے حصو ل کے لئے بعض روایات بھی وضع کی گئیں

مثلاً جنگ احد میں جب رسول اکرم زخمی ہوگئے تو جبریل نے آکر کہا (اے محمدﷺ)ناد علیا والی دعا پڑھو یعنی علی کو پکارو ‘جب رسول اکرم ﷺ نے یہ دعا پڑھی تو حضرت علیؓ فوراً آپ کی مدد کو آئے اور کفار کو قتل کرکے آپ ﷺ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچالیا .(اسلامی تصوف میں غیر اسلامی تصوف کی آمیزش از پروفیسر یوسف سلیم چشتی صفحہ ۳۴)

ہم یہاں مثال کے طور پر جناب احمد رضا خاں بریلوی کے الفاظ نقل کرنے پر ہی اکتفاکریں گے وہ فرماتے ہیں: ’’حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے اِنِّی اَنَا اللّٰہُ یعنی میں اللہ ہوں ‘کیا درخت نے یہ کہا تھا ؟حاشا ‘بلکہ اللہ نے۔یونہی یہ حضرات (اولیاء کرام)انا الحق کہتے وقت شجر موسیٰ ہوتے ہیں (۱)(احکام شریعت صفحہ۳۹)حضرت بایزید بسطامی نے بھی اسی عقیدے کی بنیاد پر یہ دعوی کیا سُبْحَانِیْ مَا أَعْظَمُ شَأْنِیْ (میں پاک ہوں میری شان بلند ہے)وحدت الوجود یا حلول کا نظریہ ماننے والے حضرات کو نہ توخود خدائی کا دعویٰ کرنے میں کوئی دقت محسوس ہوتی ہے‘نہ ہی ان کے پاس کسی دوسرے کے دعوی خدائی کو مسترد کرنے کا کوئی جواز ہوتا ہے (۲)یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کی شاعری میں رسول اکرمﷺاور اپنے پیرومرشد کو اللہکا روپ یا اوتار کہنے کے عقیدہ کا اظہار بکثرت پایا جاتا ہے ‘چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

(۱) خدا کہتے ہیں جس کو مصطفی معلوم ہوتا ہے
جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

(۲) بجاتے تھے جو انی عبد ہ کی بنسر ی ہر دم
خدا کے عرش پر انی أنا اللہ بن کے لکلیں گے

(۳) شریعت کا ڈر ہے وگرنہ یہ کہہ د وں
خدا خود رسول خدا بن کے آیا ہے

۱۔شریعت وطریقت از مولانا عبدالرحمن کیلانی صفحہ ۷۴

۲۔یہاں ایک واقعہ کا تذکرہ یقینا قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا جسے ’’حقیقت الوجود ‘‘کے مصنف عبدالحکیم انصاری نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے جو کہ حسب ذیل ہے: ’’ہمارے ایک چشتیہ خاندان کے پیر بھائی صوفی جی کے نام سے مشہور تھے۔ ایک دن میرے پاس آئے تو ہم مل کر چائے پینے لگے۔ چائے پیتے پیتے صوفی جی کے چہرے پر ’’کیفیت ‘‘کے اثر نمایاں ہوئے ،چہرہ سرخ ہوگیا آنکھوں میں لال ڈورےابھر آئے پھر کچھ نشے کی سی حالت طاری ہوئی ۔یکایک صوفی جی نے سراٹھایا اورکہنے لگے:’’بھائی جان میں خدا ہوں‘‘۔اس پر میں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا

ار اس کے دوٹکڑے کرکے صوفی جی سے کہا:''آپ خدا ہیں تو اسے جوڑ دیجئے ''؟صوفی جی نے دونوں توٹے ہوئے ٹکڑوں کو ملاکر ان پر ''توجہ ''فرمائی لیکن کیا بننا تھا ساتھ ہی ان کی وہ کیفیت بھی غائب ہوگئی جس کی وجہ سے وہ خدائی کا دعویٰ کررہے تھے۔ (شریعت وطریقت صفحہ ۹۴)۔

(۴) وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہوکر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفی ہو کر

(۵) بندگی سے آپ کی ہم کو خداواندی ملی
ہے خداوند جہاں بندہ رسول ا اللہ کا

(۶) پیر کامل صورت ظلِّ الٰہ
یعنی دید پیر دید کبریا

ترجمہ :کامل پیر گویا ظل الٰہ ہے ‘ایسے پیر کی زیارت خدا کی زیارت ہے ۔

(۷) جھلّے لوگ جہاں دے بھلے پھر دے سب
سامنے دیکھ کے پیر نو فیردی پچھدے رب

ترجمہ:وہ لوگ بیوقوف ہیں اور بھٹکے ہوئے ہیں جو پیر کو اپنے سامنے دیکھ کر بھی رب کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

(۸) مردان خدا ‘ خدانہ باشد
لیکن زخدا ‘ جدا نہ باشد

ترجمہ :خدا کے بندے خدا تو نہیں ہوتے ‘لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے ۔

(۹) اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام
رکھ لیا خواجہ غریب نواز

(۱۰) چاچڑ وانگ دسے تے کوٹ مٹھن بیت اللہ
ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچہ ا اللہ

جناب احمد رضا خاں بریلوی نے رسول اکرمﷺمیں اللہتعالیٰ کے حلول کے ساتھ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی میں رسول اکرمﷺکے حلول کو بھی تسلیم کیا ہے فرماتے ہیں ''حضور پر نور (یعنی رسول اکرمﷺ)مع اپنی صفات جمال وجلال وافضال کے حضور پر نور سیدنا غوث اعظم پر متجلی ہیں۔ جس طرح ذات احدیت (یعنی اللہ تعالیٰ)مع جملہ صفات ونعوت وجلالیت آئینہ محمدی میں تجلی فرما ہے۔(۱۔شریعت وطریقت صفحہ ۷۴))

قدیم وجدید صوفیاء کرام نے فلسفہ وحدت الوجود اور حلول کو درست ثابت کرنے کے لئے بڑی طول وطویل بحثیں کی ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ آج کے سائنسی دور میں عقل اسے تسلیم کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ۔جس

طرح عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث ’’ایک میں سے تین اور تین میں سے ایک ‘‘عام آدمی کے لئے ناقابل فہم ہے اسی طرح صوفیاء کا یہ فلسفہ ’’کہ انسان اللہمیں یا اللہانسان میں حلول کئے ہوئے ہے‘‘ناقابل فہم ہے۔‘اگر یہ فلسفہ درست ہے تو اس کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ انسان ہی درحقیقت اللہ ہے اور اللہہی درحقیقت انسان ہے۔اگر امر واقعہ یہ ہی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ عابد کون ہے اور معبود کون؟ ساجد کون ہے مسجود کون؟خالق کون مخلوق کون؟حاجت مند کون حاجت روا کون ؟مرنے والا کون مارنے والاکون ؟زندہ ہونے والا کون زندہ کرنے والا کون ؟گنہگار کون بخشنے والا کون ؟روز جزاء حساب لینے والا کون ہے دینے والا کون ؟اور پھرجزاء یا سزا کے طور پر جنت یا جہنم میں جانے والے کون ہیں اور بھیجنے والا کون ؟اس فلسفہ کو تسلیم کرلینے کے بعد انسان ‘انسان کا مقصد تخلیق اور آخرت یہ ساری چیزیں کیا ایک معمہ اور چیستاں نہیں بن جاتیں ؟اگر اللہتعالیٰ کے ہاں واقعی مسلمانوں کا یہ عقدہ قابل قبول ہے تو پھر یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ ’’ابن اللہ‘‘کیوں قابل قبول نہیں ؟مشرکین کا یہ عقیدہ کہ انسان اللہکاجزء ہے کیوں قابل قبول نہیں؟۔

(۲)وحدت الوجود کے قائل بت پرستوں کی بت پرستی کیوں قابل قبول نہیں۔

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا

الزخرف – 15

اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز ٹھہرا دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی انسان کو اللہکی ذات کا جزء سمجھنا (یا اللہکی ذات میں مدغم سمجھنا)یا اللہتعالیٰ کو کسی انسان میں مدغم سمجھنا ایسا کھلا اور عریاں شرک فی الذات ہے جس پر اللہتعالیٰ کا شدید غضب بھڑک سکتا ہے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہکا بیٹا(جزء)قرار دیا تو اس پر اللہتعالیٰ نے قرآن مجید میں جو تبصرہ فرمایا ہے اس کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

المائدة – 17

یقیناً وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجیئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمانوں و زمین اور دونوں کے درمیان کا کل

ملک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

سورۃ مریم میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں ان لوگوں کو تنبیہہ کی گئی ہے جو بندوں کو اللہتعالیٰ کا جز قرار دیتے ہیں ارشاد مبارک ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَـٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَّقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَـٰنِ وَلَدًا

مریم – 91/88

وہ کہتے ہیں رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے ۔سخت بیہودہ بات ہے جو تم گھڑ لائے ہو۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں زمین شق ہوجائے اور پہاڑ گرجائیں ۔ اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لئے اولاد ہونے کا دعوی کیا ہے۔

بندوں کو اللہکا جزء یا بیٹا قرار دینے پر اللہتعالیٰ کے اس شدید غصہ اور ناراضگی کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ کسی کو اللہکاجزء قرار دینے کا زلازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس بندے میں اللہتعالیٰ کی صفات تسلیم کی جائیں مثلاً یہ کہ وہ حاجت روا اور اختیارات اور قوتوں کا مالک ہے ۔یعنی شرک فی الذات کا لازمی نتیجہ شرک فی الصفات ہے اور جب کسی انسان میں اللہکی صفات تسلیم کرلی جائیں تو پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی رضاحاصل کی جائے۔جس کے لئے بندہ تمام مراسم عبودیت ‘رکوع وسجود ‘نذرونیاز ‘اطاعت او رفرمانبرداری‘بجالاتا ہے۔ یعنی شرک فی الفات کا لازمی نتیجہ ہے شرک فی العبادت ‘ گویا شرک فی الذات ہی سب سے بڑا دروازہ ہے دوسری انواع شرک کااورجیسے ہی یہ دروازہ کھلتا ہے، ہر نوع کے شرک کا آغاز ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرک فی الذات پر اللہتعالیٰ کا غیض وغضب اس قدر بھڑکتا ہے کہ ممکن ہے آسمان پھٹ جائے ‘زمین دولخت ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں ۔

فلسفہ وحدت الوجود اور حلول کا یہ کھلم کھلا اور عریاں تصادم ہے عقیدہ توحید کے ساتھ جس میں بے شمار مخلوقِ خدا پیری مریدی کے چکر میں آکر پھنسی ہوئی ہے ۔دینِ اسلام کی باقی تعلیمات پر‘وحدت الوجود اور حلول کے کیااثرات ہیں یہ ایک الگ تفصیل طلب موضوع ہے جو ہماری کتاب کے موضوع سے ہٹ کر ہے۔ اس لئے ہم مختصراً چند باتوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔

(۱) رسالت

صوفیاء کے نزدیک ولایت ‘ نبوت اور رسالت دونوں سے افضل ہے۔

(۱) شـــیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں :’’نبوت کا مقام درمیانی درجہ ہے۔ ولی سے نیچے اور رسالت سے اوپر۔
(۲)بایزید بسـطامی کا ارشـاد ہے :’’میں نے سـمندر میں غوطہ لگایا جبکہ انبیاء اس کے ساحل پرہی کھڑے ہیں ‘‘۔نیز فرماتے ہیں: ’’میرا جھنڈا قیامت کے روز محمدﷺکے جھنڈے سے بلند ہوگا‘‘۔
(۳) (حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں :’’پیر کا فرمان رسول اللہکے فرمان کی طرح ہے ‘‘۔
(۴)حافظ شیرازی کا ارشاد ہے: ’’اگر تجھے بزرگ پیر اپنے مصلے کو شرا ب میں رنگین کرنے کا حکم دے تو ضـرور ایسـا کرکہ سـالک (سـلوک کی)منزلوں کے آداب سے ناواقف نہیں ہوتا۔
۔اہل تشیع کے نزدیک بھی ولایت علی (یا امامت علی)نبوت سے افضل ہے یہ ثابت کرنے کے لئے بعض روایات بھی وضع کی گئی ہیں جیسے:
لو لا علی لما خلقت
یعنی اگر علی نہ ہوتے تو اے محمد ؐ میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔(اسـلامی تصوف میں غیر اسلامی تصوف کی آمیزش صفحہ ۸۳)
یعنی اگر علی نہ ہوتے تو اے محمد ؐ میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔(اسـلامی تصوف میں غیر اسلامی تصوف کی آمیزش صفحہ ۸۳) اس سے قبل جنگ احد میں ناد علی کی روایت آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔یہ عجیب اتفاق ہے کہ اہل تشیع اور اہل تصوف کے بنیادی عقائد بالکل یکساں ہیں۔ دونوں فرقے حلول کو تسلیم کرتے ہیں، دونوں کی عقیدت کا مرکز حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ‘دونوں کے نزدیک ولایت نبوت سـے افضـل ہے۔ اہل تشـیع کے ائمہ معصـومین کائنات کے ذرہ ذرہ کے مالک ومختار ہیں جبکہ اہل تصـوف کے اولیاء کرام مافوق الفطرت قوت اور اختیارات کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔
(۲۔ شـریعت وطریقت صـفحہ ۱۱۸، ۳۔شـریعت وطریقت صـفحہ ۱۲۰، ۴۔تصوف کی تین اہم کتابیں صفحہ ۶۹۔ ۵۔شریعت وطریقت صفحہ ۱۵۲)
(ب) قرآن وحدیث
دین اسلام کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے لیکن صوفیاء کے نزدیک ان دونوں کا مقام اور مرتبہ کیا ہے اس کا اندازہ ایک مشـہور صـوفی عفیف الدین تلمسانی کے اس ارشاد سے لگائیے :
’’قرآن میں توحید ہے کہاں ؟وہ تو پورے کا پورا شـرک سـے بھرا ہوا ہے جو شـخص اس کی اتباع کرے گا وہ کبھی توحید کے بلند مرتبے پر نہیں پہنچ سـکتا ‘‘۔(شـریعت وطریقت صـفحہ ۱۵۲۔امام ابن تیمیہ از کوکن عمری صفحہ ۳۲۱)

حدیث شریف کے بارے میں جناب بایزید بسطامی کا یہ تبصرہ پڑھ لینا کافی ہوگا:
’’تم (اہل شریعت)نے اپنا علم فوت شدہ لوگوں (یعنی محدثین)سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم اسی ذات سے حاصل کیا ہے جو ہمیشہ زندہ ہے (یعنی براہ راست االلہتعالیٰ سے)ہم لوگ کہتے ہیں میرے دل نے اپنے رب سے روایت کیا اور تم کہتے ہو فلاں (راوی)نے مجھ سے روایت کیا (اور اگر سوال کیا جائے کہ)وہ راوی کہاں ہے ؟جواب ملتا ہے مرگیا(اور اگر پوچھا جائے کہ)اس فلاں (راوی)نے فلاں (راوی)سے بیان کیا تو وہ کہاں ہے ؟جواب وہی کہ مرگیا ہے (بحوالہ سابق)
قرآن وحدیث کا یہ استہزاء اور تمسخر اور اس کے ساتھ ہوائے نفس کی اتباع کے لئے
حدثنی قلبی عن ربی
میرے دل نے میرے رب سے روایت کیا (فتوحات مکیہ از ابن العربی صفحہ ۵۷جلد اول)
کاپرفریب جواز کس قدر جسارت ہے االلہاوراس کے رسولﷺکے مقابلے میں ؟

جس نے
حَدَّثَنِیْ قَلْبِی عَنْ رَبِّیْ
کہا اس نے درپردہ اس بات کا اقرار کیا وہ رسول االلہﷺ سے مستغنی ہے‘پس جو شخص ایسا دعوی کرے وہ کافر ہے۔(تلبیس ابلیس صفحہ ۳۷۴)
(ج) عبادت اور ریاضت
صوفیاء کے ہاں نماز روزہ زکاۃ حج وغیرہ کا جس قدر احترام پایا جاتا ہے اس کا تذکرہ اس سے قبل دین خانقاہی میں گزر چکا ہے۔ یہاں ہم صوفیاء کی عبادت اور ریاضت کے بعض ایسے خود ساختہ طریقوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جنہیں صوفیاء کے ہاں بڑی قدرومنزلت سے دیکھا جاتا ہے لیکن کتاب وسنت میں ان کا جواز توکیا شدید مخالفت پائی جاتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:
۔ پیران پیر (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی)پندرہ سال تک نماز عشاء کے بعد طلوع صبح سے پہلے ایک قرآن شریف ختم کرتے .آپ نے یہ سارے قرآن پاک ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر ختم کئے۔ (غوث الثقلین صفحہ ۸۳)
نیز خود فرماتے ہیں :’’میں پچیس سال تک عراق کے جنگلوں میں تنہا پھرتا رہا .ایک سال تک ساگ گھانس اور پھینکی ہوئی چیزوں پر گزاراکرتا

رہا اور پانی مطلقاً نہ پیا پھر ایک سال تک پانی بھی پیتا رہا پھر تیسرے سال صرف پانی پر گزارہ کرتا رہا پھر ایک سال تک نہ کچھ کھایا نہ پیا نہ سویا ‘‘۔

۲۔حضرت بایزید بسطامی تیس سال تک شام کے جنگلوں میں ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے ایک سال آپ حج کو گئے تو ہر قدم پر دوگانہ ادا کرتے یہاں تک کہ بارہ سال میں مکہ معظمہ پہنچے۔ (صوفیاء نقشبندی صفحہ ۱۵۵)

۳۔حضرت معین الدین چشتی اجمیری کثیر المجاہدہ تھے ستر برس تک رات بھر نہیں سوئے (تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۱۵۵)

۴۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے چالیس روز کنویں میں بیٹھ کر چلہ کشی کی (تاریخ مشائخ چشت صفحہ۱۷۸)

۵۔ حضرت جنید بغدادی کامل تین سال تک عشاء ی نماز پڑھنے کے بعد ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر اللہ اللہکرتے رہے(صوفیاء نقشبند صفحہ ۷۹)

۶۔ خواجہ محمد چشتی نے اپنے مکان میں ایک گہر کنواں کھدوارکھا تھا جس میں الٹے لٹک کر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے (سیرالاولیاء صفحہ ۴۶)

۷۔حضرت ملا شاہ قادری فرمایا کرتے تھے ’’تمام عمر ہم کو غسلِ جنابت اور احتلام کی حاجت نہیں ہوئی کیونکہ یہ دونوں غسل ‘نکاح اور نیند سے متعلق ہیں ہم نے نہ نکاح کیا ہے نہ سوتے ہیں۔ (حدیقۃ الاولیاء صفحہ ۵۷)

عبادت اور ریاضت کے یہ تمام طریقے کتاب وسنت سے تو دور ہی ہیں لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ جس قدر یہ طریقے کتاب وسنت سے دور ہیں اسی قدر ہندو مذہب کی عبادت اور ریاضت کے طریقوں سے قریب ہیں ‘آئندہ صفحات میں ہندو مذہب کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کو اندازہ ہوگا کہ دونوں مذاہب میں کس کس قدر ناقابل یقین حد تک یگانت اور مماثلت پائی جاتی ہے ۔

(د) جزا وسزا

فلسفہ وحدت الوجود اور حلول کے مطابق چونکہ انسان خود تو کچھ بھی نہیں بلکہ وہی ذات برحق کائنات کی ہر چیز (بشمول انسان)میں جلوہ گر ہے لہٰذا انسان وہی کرتا ہے جو ذات برحق چاہتی ہے انسان اسی راستے پر چلتا ہے جس پر وہ ذات برحق چلانا چاہتی ہے۔

’’انسان کا اپنا کوئی ارادہ ہے نہ اختیار‘‘اس نظریے نے اہل تصوف کے نزدیک نیکی اور برائی ‘حلال اور حرام اطاعت اور نافرمانی ‘ثواب وعذاب ‘جزا ء وسزا کا تصور ہی ختم کردیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر صوفیاء

حضرات نے اپنی تحریروں میں جنت اور دوزخ کا تمسخر اور مذاق اڑایا ہے
.
حضـــرت نظام الدین اولیاء اپنے ملفوظات فوائد الفوائد میں فرماتے ہیں:
قیامت کے روز حضرت معروف کرخی کو حکم ہوگا بہشت میں چلو وہ کہیں گے ''میں نہیں جاتا، میں نے تیری بہشـــت کے لئے عبادت نہیں کی تھی ''.چنانچہ فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ انہیں نور کی زنجیروں میں جکڑ کر کھینچتے کھینچتے بہشت میں لے جاؤ(شریعت وطریقت ص ۵۰۰)
حضـــرت رابعہ بصـــری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک روز داہنے ہاتھ میں پانی کا پیالہ اور بائیں ہاتھ میں آگ کا انگارہ لیا اور فرمایا یہ جنت ہے اور یہ جہنم ہے.اس جنت کو جہنم پر انڈیلتی ہوں تاکہ نہ رہے جنت نہ رہے جہنم اور خالص اللہکی عبادت کریں.
(ھ)کرامات
صـــوفیاء کرام'وحدت الوجود او رحلول کے قائل ہونے کی وجہ ســـے خدائی اختیارات رکھتے ہیں'اس لئے زندوں کو مارســـکتے ہیں 'مردوں کو زندہ کرسـکتے ہیں 'ہوامیں اڑ سـکتے ہیں 'قسـمتیں بدل سـکتے ہیں .چند مثالیں ملاحظہ ہوں:
.ایک دفعہ پیران پیر عبدالقادر جیلانی نے مرغی کا ســـالن کھاکر ہڈیاں ایک طرف رکھ دیں 'ان ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:
قُمْ بِاِذْنِ اللہِ
تو وہ مرغی زندہ ہوگئی .(سیرت غوث صفحہ ۱۹۱)
۲.ایک گوئیے کی قبر پرپیران پیر نے
قُمْ بِاِذْنی
کہا، قبر پھٹی اور مردہ گاتا ہوا نکل آیا. (تفریح الخاطر صفحہ ۱۹)
۳.خواجہ ابواسحاق چشتی جب سفر کا ارادہ فرماتے تو دوسو آدمیوں کے ساتھ آنکھ بند کر فوراً منزلِ مقصود پر پہنچ جاتے ''. (تاریخ مشائخ چشت از مولانا زکریا صفحہ ۱۹۲)
۴.''سید مودود چشتی کی وفات ۹۷سال کی عمر میں ہوئی آپ کی نماز جنازہ اول رجال الغیب (فوت شـــدہ بزرگ)نے پڑھی پھر عام آدمی نے 'اس کے بعدجنازہ خود بخود اڑنے لگا اس کرامت ســے بے شـمار لوگوں نے اسـلام قبول کیا '' .(تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۱۶۰)
۵.خواجہ عثمان ہارونی نے وضـو کا دوگانہ ادا کیا اور ایک کمسـن بچے کو گود میں لے کر آگ میں چلے گئے اور دوگھنٹے اس میں رہے آگ نے

دونوں پر کوئی اثر نہ کیا اس پر بہت سے آتش پرست مسلمان ہوگئے ‘‘۔ (تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۱۲۴)
۔ایک عورت خواجہ فریدالدین گنج شکر کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا بادشاہ نے میرے بے گناہ بچے کو تختہ دارپر لٹکوادیا ہے چنانچہ آپ اصحاب سمیت وہاں پہنچے اور کہا :’’الٰہی اگر یہ بے گناہ ہے تو اسے زندہ کر دے ‘‘۔لڑکا زندہ ہوگیا اور ساتھ چلنے لگا یہ کرامت دیکھ کر (ایک)ہزار ہندو مسلمان ہوگئے ۔ (اسرار الاولیاء صفحہ ۱۱۱۔۱۱۰)
۷۔ایک شخص نے بارگاہ غوثیہ میں لڑکے کی درخواست کی آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اتفاق سے لڑکی پیدا ہوگئی آپ نے فرمایا اسے گھر لے جاؤ اور قدرت کا کرشمہ دیکھو جب گھر آیا تو اسے لڑکی کے بجائے لڑکا پایا ‘‘(سفینہ الاولیاء صفحہ ۱۷)
۸۔پیران پیر غوث اعظم مدینہ سے حاضری دے کر ننگے پاؤں بغداد آرہے تھے۔ راستے میں ایک چور ملا جو لوٹنا چاہتا تھا۔جب چور کو علم ہوا کہ آپ غوث اعظم ہیں تو قدموں پر گرپڑا اور زبان پر ’’یا سیدی عبدالقادر شیئا اللہ‘‘جاری ہوگیا۔ آپ کو اس کی حالت پر رحم آگیا اس کی اصلاح کے لئے بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہوئے تو غیب سے ندا آئی :’’چور کو ہدایت کی رہنمائی کرتے ہوئے قطب بنادو ۔چنانچہ آپ کی اک نگاہ فیض سے وہ قطب کے درجہ پر فائز ہوگیا ۔‘‘ (سیرت غوثیہ صفحہ ۶۴۰)
۹۔میاں اسماعیل لاہور المعروف میاں کلاں نے صبح کی نماز کے بعد سلام پھیرتے وقت جب نگاہ کرم ڈالی تو دائیں طرف کیء مقتدی سب کے سب حافظ قرآن بن گئے اور بائیں طرف کے ناظرہ پڑھنے والے‘‘۔(حدیقہ الاولیاء صفحہ ۱۷۶)
۱۰۔خواجہ علاؤالدین صابر کلیری کوخواجہ فریدالدین گنج شکر نے کلیر بھیجا ایک روزخواجہ صاحب امام کے مصلے پر بیٹھ گئے لوگوں نے منع کیا تو فرمایا: ’’قطب کا رتبہ قاضی سے بڑھ کر ہے‘‘۔لوگوں نے زبردستی مصلی سے اٹھادیا۔ حضرت کو مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جگہ نہ ملی تو مسجد کو مخاطب کرکے فرمایا: ’’لوگ سجدہ کرتے ہیں تو بھی سجدہ کر‘‘یہ بات سنتے ہی مسجد مع چھت اور دیوار کے لوگوں پر گرپڑی اور سب لوگ ہلاک ہوگئے ۔(حدیقہ الاولیاء صفحہ ۷۰)
(و)باطنیت
کتاب وسنت سے براہ راست متصادم عقائدد وافکار پر پردہ ڈالنے کے لئے اہل تصوف نے باطنیت کا سہارا بھی لیا ہے ۔کہا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث کے الفاظ کے دو دومعانی ہیں۔ایک ظاہری دوسرے باطنی۔ (یاحقیقی) یہ

عقیدہ باطنیت کہلاتا ہے۔اہل تصـــوف کے نزدیک دونوں معانی کو آپس میں وہی نسبت ہے جو چھلکے کو مغز سے ہوتی ہے ‘یعنی باطنی معنی ظاہری معنی سے افضل اور مقدم ہیں ۔ظاہری معانی سے تو علماء واقف ہیں لیکن باطنی معانی کو صرف اہل اسرار وروموز ہی جانتے ہیں۔ اس اسرار ورموز کا منبع اولیاء کرام کے مکاشفے ‘مراقبے ‘مشاہدے اور الہام یا پھر بزرگوں کا فیض اور توجہ قرار دیا گیا۔ جس کے ذریعے شـریعت مطہرہ کی من مانی تاویلیں کی گئیں۔ مثلاً :قرآن مجید کی آیت

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتَّی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ

الحجرات – 99

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے رب کی عبادت اس آخری گھڑی تک کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔ (یعنی موت)

اہل تصـــوف کے نزدیک یہ علماء (اہل ظاہر)کا ترجمہ ہے اس کا باطنی یاحقیقی ترجمہ یہ ہے کہ ’’صرف اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کرو جب تک تمہیں یقین (معرفت)حاصـــل نہ ہوجائے۔ ’’یقین یا معرفت ســـے مراد معرفت الٰہی ہے یعنی جب اللہکی پہچان ہوجائے تو صوفیاء کے نزدیک نماز ‘روزہ ‘ زکوۃ حج اور تلاوت وغیرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل کی آیت:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ

الاسراء – 23

تیرے رب نے فیصـــلہ کردیا ہے کہ تم لوگ کســـی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی۔

یہ علماء کا ترجمہ ہے اور اہل اسرار ورموز کا ترجمہ یہ ہے: ’’تم نہ عبادت کروگے مگر وہ اســـی (یعنی اللہ)کی ہوگی جس چیز کی بھی عبـادت کروگے‘‘۔جس کا مطلب یہ ہے کہ تم خواہ کسی انسـان کو سـجدہ کرو یا قبر کو یاکسی مجسمے اور بت کو وہ درحقیقت اللہہی کی عبادت ہوگی۔

کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا صـاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ ’’اللہکے سـوا کوئی الٰہ نہیں‘‘۔صـــوفیاء کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے: لا موجود الا اللہ۔ یعنی دنیا میں اللہکے ســـوا کوئی چیز موجود نہیں ۔ اِلٰہ کا ترجمہ موجود کرکے اہل تصوف نے کلمہ توحید سے اپنا نظریہ وحدت الوجود تا ثابت کردیا لیکن ساتھ ہی کلمہ توحید کو کلمہ شرک میں بدل ڈالا۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ

البقرۃ – 59

پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالی،

باطنیت کے پردے میں کتاب وسنت کے احکامات اور عقائد کی من مانی تاویلوں کے علاوہ اہل تصوف نے کیف ‘جذب ‘مستی ‘استغراق ‘سکر ‘(بے ہوشی)اور صحو(ہوش)جیسی اصطلاحات وضع کرکے جسے چاہا حلال قرار دے دیا اورجسے چاہا حرام ٹھہرادیا .ایمان کی تعریف یہ کی گئی کہ یہ دراصل عشق حقیقی کا (عشق الٰہی)دوسرا نام ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ فلسفہ تراشا گیا کی عشق حقیقی کا حصول عشق مجازی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ عشق مجازی کے لوازمات ‘غنا ‘موسیقی‘رقص وسرور ‘سماع ‘وجد ‘حال وغیرہ اور حسن وعشق کی داستانوں اورجام وسبو کی باتوں سے لبریز شاعری مباح ٹہری ۔

شیخ حسین لاہوری جن کے ایک برہمن لڑکے کے ساتھ عشق کا قصہ سن کر ہم ’’دین خانقاہی‘‘میں بیان کرچکے ہیں کے بارے میں ’’خزینۃ الاصفیاء ‘‘میں لکھا ہے کہ: ’’وہ بہلول دریائی کے خلیفہ تھے چھتیس سال ویرانے میں ریاضت ومجاہدہ کیا رات کو داتا گنج بخش کے مزار پر اعتکاف بیٹھتے .آپ نے طریقہ ملامتیہ اختیار کیا چار ابرو کا صفایا ‘ہاتھ میں شراب کا پیالہ ‘سرور ونغمہ ‘چنگ ورباب ‘تمام قیود شرعی سے آزاد جس طرف چاہتے نکل جاتے ‘‘.(شریعت وطریقت :۲۰۴)

یہ ہے وہ باطنیت کے جس کے خوشنما پردے میں اہل ہوا وہوس دین اسلام کے عقائد ہی نہیں اخلاق اور شرم وحیا کا دامن بھی تارتار کرتے رہے اور پھر بھی بقول مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

قارئین کرام! فلسفہ وحدت الوجود اور حلول کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گمراہی کا یہ مختصر سا تعارف ہے جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو الحاد اور کفر وشرک کے راستہ پر ڈالنے میں اس باطل فلسفہ کا کتنا بڑا حصہ ہے ؟

ہند و پاک کا قدیم مذہب ‘‘ہندو مت’’

پندرہ سو سال قبل مسیح ‘جہاں گرد آرین اقوام وسط ایشیاء سے آکر وادی سندھ کے علاقے ہڑپہ اور موہنجوڈارو میں آباد ہوئیں .یہ علاقے اس وقت برصغیر کی تہذیب وتمدن کا سرچشمہ سمجھے جاتے تھے .ہندوؤں کی پہلی مقدس کتاب ’’رگ وید ‘‘انہی آرین اقوام کے مفکرین نے لکھی جو ان کی دیوی دیوتاؤں کی عظمت کے گیتوں پر مشتمل ہے .یہیں سے ہندو مذہب کی ابتدا ہوئی (مقدمہ ارتھ شاستر از محمد اسماعیل زبح صفحہ ۵۹) جس کا

مطلب یہ ہے کہ ہندو مذہب گزشتہ ساڑھے تین ہزار سال سے برصغیر کی تہذیب وتمدن ‘معاشرت اور مذاہب پر اثر انداز ہوتا چلا آرہا ہے ۔

ہندو مت کے علاوہ بدھ مت اور جین مت کا شمار بھی قدیم ترین مذاہب میں ہوتا ہے بدھ مت کا بانی گوتم بدھ ۴۸۳ق ۔م ۔میں پیدا ہوا اور ۵۶۳ق۔م۔میں اسی (۸۰)سال کی عمر پاکرفوت ہوا جبکہ جین مت کا بانی مہاویر جین ۵۲۷ق۔م۔میں پیدا ہوا اور بہتر (۷۲)سال کی عمر پاکر ۵۹۹ق۔م۔میں فوت ہوا ‘جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں مذاہب بھی کم ازکم چار پانچ سو سال قبل مسیح سے برصغیر کی تہذیب وتمدن ‘معاشرت اور مذاہب پر اثر انداز ہورہے ہیں ۔

ہندو مت ‘بدھ مت اور جین مت تینوں مذاہب وحدت الوجود اور حلول کے فلسفہ پر ایمان رکھتے ہیں۔بدھ مت کے پیروکارگوتم بدھ کو اللہتعالیٰ کا اوتار سمجھ کر اس کے مجسموں اور مورتیوں کی پوجا اور پرستش کرتے ہیں ‘جین مت کے پیروکار مہاویر کے مجسمے کے علاوہ تمام مظاہر قدرت مثلاً :سورج ‘ چاند ‘ستارے ‘حجر ‘شجر ‘دریا‘سمندر‘آگ اور ہوا وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں ۔ہندومت کے پیروکار اپنی قوم کی عظیم شخصیات (مرد وعورت)کے مجسموں کے علاوہ مظاہر قدرت کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ ہندو کتب میں اس کے علاوہ جن چیزوں کو قابل پرستش کہا گیا ہے ان میں گائے (بشمول گائے کا مکھن ‘دودھ‘گھی‘پیشاب اور گوبر)بیل ‘آگ ‘پیپل کا درخت‘ہاتھی ‘شیر ‘سانپ ‘چوہے‘سور اور بندر بھی شامل ہیں۔ ان کے بت اور مجسمے بھی عبادت کے لئے مندروں میں رکھے جاتے ہیں۔ عورت اور مرد کے اعضاء تناسل بھی قابل پرستش سمجھے جاتے ہیں چنانچہ شیوجی مہاراج کی پوجا اس کے مردانہ عضو تناسل کی پوجا کرکے کی جاتی ہے اور شکستی دیوی کی پوجا اس کے زنانہ عضو تناسل کی پوجا کرکے کی جاتی ہے۔ (گذشتہ دنوں وشوہندو پریشد کے رہنما رام چندر جی نے کھڑاؤں کی پوجا اور پرستش کرنے کی مہم کا باقاعدہ آغاز کیا ‘اخبارات میں جو تصاویر شائع ہوئیں ان میں رام چند جی اعلیٰ قسم کی کھڑاویں پکڑ کر تعظیماً کھڑے نظر آرہے ہیں (ملاحظہ ہو نوائے وقت ۱۸اکتوبر ۱۹۹۲ء گویا اب مذکورہ بالا اشیاء کے ساتھ کھڑاویں بھی ہندوؤں کی مقدس اشیاء میں شامل ہوگئی ہیں۔)

برصغیر میں بت پرستی کے قدیم ترین تینوں مذاہب کے مختصر تعارف کے بعد ہم ہندو مذہب کی بعض تعلیمات کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ اندازہ کیا جاسکے کہ برصغیر پاک وہند میں شرک کی اشاعت اور ترویج میں ہندومت کے اثرات کس قدر گہرے ہیں۔

(الف) ہندو مذہب میں عبادت اورریاضت کے طریقے

ہندو مذہب کی تعلیمات کے مطابق نجات حاصـــل کرنے کے لئے ہندو دور جنگلوں اور غاروں میں رہتے ہیں ۔ اپنے جسم کو ریاضتوں سے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ۔گرمی،ســـردی،بارش اور رتیلی زمینوں پر ننگے بدن رہنا اپنی ریاضتوں کا مقدس عمل سمجھتےہیں جہاں یہ اپنے آپ کو دیوانہ وار تکلیفیں پہنچاکر انگاروں پر لوٹ کر ،گرم سورج میں ننگے بدن بیٹھ کر ،کانٹوں کے بســتر پر لیٹ کر ،درختوں کی شــاخوں پر گھنٹوں لٹک کر اور اپنے ہاتھ کو بے حرکت بناکر ،یا ســـر ســـے اونچا لے جاکر اتنے طویل عرصـــے تک رکھتے ہیں تاکہ وہ بے حس ہوجائیں اور ســوکھ کر کانٹا بن جائیں ۔

ہندو مذہب کی تعلیمات کے مطابق نجات حاصـــل کرنے کے لئے ہندو دور جنگلوں اور غاروں میں رہتے ہیں ۔ اپنے جسم کو ریاضتوں سے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ۔گرمی،ســـردی،بارش اور رتیلی زمینوں پر ننگے بدن رہنا اپنی ریاضتوں کا مقدس عمل سمجھتےہیں جہاں یہ اپنے آپ کو دیوانہ وار تکلیفیں پہنچاکر انگاروں پر لوٹ کر ،گرم سورج میں ننگے بدن بیٹھ کر ،کانٹوں کے بســتر پر لیٹ کر ،درختوں کی شــاخوں پر گھنٹوں لٹک کر اور اپنے ہاتھ کو بے حرکت بناکر ،یا ســـر ســـے اونچا لے جاکر اتنے طویل عرصـــے تک رکھتے ہیں تاکہ وہ بے حس ہوجائیں اور ســوکھ کر کانٹا بن جائیں ۔**ان جســمانی آزار کی ریاضــتوں کے ســاتھ ہندومت میں دماغی اور روحانی مشــقتوں کو بھی نجات کا ذریعہ ســمجھا جاتا ہے چنانچہ ہندو تنہا شــہر ســے باہر غور وفکر میں مصــروف رہتے ہیں اور ان میں ســے بہت ســـے جھونپڑیوں میں اپنے گرو کی رہنمائی میں گروپ بنــاکر بھی رہتے ہیں۔ان میں ســے کچھ گروپ بھیک پر گزارہ کرتے ہوئے ســیاحت کرتے ہیں ان میں سے کچھ مادر زاد برہنہ رہتے اورکچھ لنگوٹی باندھ لیتےہیں ۔بھارت کے طول وعرض میں اس قسم کے جٹا دھاری یا ننگ دھڑنگ اور خاکستر میلے ســادھوؤں کی ایک بڑی تعداد ،جنگلوں ،دریاؤں اور پہاڑوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے ،اورعام ہندو معاشرے میں ان کی پوجا تک کی جاتی ہے ۔(مقدمہ ارتھ شاستر :۹۹)**

روحانی قوت اور ضبط نفس کے حصول کی خاطر ریاضت کا ایک اہم طریقہ ’’یوگا‘‘کا ایجاد کیا گیا جس پر ہندو مت بدھ مت اور جین مت کے پیروکار ســبھی عمل کرتے ہیں۔ اس طریقہ ریاضــت میں یوگی اتنی دیر تک ســانس روک لیتے ہیں کہ موت کا شـــبہ ہونے لگتا ہے۔ دل کی حرکت کا اس پر اثر نہیں ہوتا ۔ ســـردی گرمی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی یوگی طویل ترین فاقے

کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ ارتھ شاستر کے نامہ نگار اس طرز ریاضت پر تبصـــرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ: یہ ســـاری باتیں مغربی علم الاجســـام کے ماہرین کے لئے تو حیران کن ہوســـکتی ہیں لیکن مســـلم صـــوفیاءکے لئے چنداں حیران کن نہیں ‘کیونکہ اســـلامی تصـــوف کے بہت سے سلسلوں بالخصوص نقشبندی کے سلسلے فنا فی ا اللہیا فنا فی الشیخ یا ذکر قلب کے اوراد میں حبس دم کے کئی طریقے ہیں جن پر صـــوفیاء عامل ہوتے ہیں ۔(مقدمہ ارتھ شاستر :۱۲۹)

یوگا عبادت کا ایک بھیانک نظارہ ســـادھوؤں اور یوگیوں کا دہکتے ہوئے شعلہ فشاں انگاروں پر ننگے قدم چلنا اور بغیر جلے سالم نکل آنا ‘تیز دھار نوکیلے خنجر ســـے ایک گال ســـے دوســـرے گال تک اور ناک کے دونوں حصـــوں تـک اور دونوں ہونٹوں کے آرپـار خنجر اتـار دینـا اور اس طرح گھنٹوں کھڑے رہنا ۔تازہ کانٹوں اور نوکیلی کیلوں کے بســتر پر لیٹے رہنا یا رات دن دونوں پیروں یا ایک پیر کے ســـہارے کھڑے رہنا یا ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ کو اس طویل عرصہ تک بے مصرف بنادینا کہ وہ سوکھ جائے یا مسلسل الٹے لٹکے رہنا۔ساری عمر ہر موسم اور بارش میں برہنہ رنا ۔تمام عمر ســـنیاســـی یعنی کنوارا رہنا یا اپنے تمام اہل خانہ ســـے الگ ہوکر بلند پہاڑوں کے غاروں میں گیان دھیان کرنا وغیرہ بھی یوگا عبادت کے مختلف طریقے ہیں ۔اســـے ہندو یوگی ہندو دھرم یا دیدانت یعنی تصـــوف کے مظاہر قرار دیتے ہیں۔(مقدمہ ارتھ شاستر :۱۳۰)

ہندو مت اور بدھ مت میں جنترمنتر اور جادو کے ذریعہ عباد ت کا طریقہ بھی رائج ہے عبادت کا یہ طریقہ اختیار کرنے والوں کو ’’تـانترک‘‘فرقہ کہتے ہیں ۔ یہ لوگ جادوئی منتر جیسے آدم منی ’’پدمنی او ‘‘یوگا کے انداز میں گیان دھیان کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ قدیم ویدک لٹریچر بتاتا ہے کہ سادھو اور ان کے بعض طبقات جادو اور سفلی عملیات میں مہارت حاصل کرنے کے عمل دہرایا کرتے تھے اس فرقہ میں تیز بے ہوش کرنے والی شـرابوں کا پینا ‘ گوشـت اورمچھلی کھانا ‘جنسـی افعال کا بڑھ چڑھ کر کرنا ‘غلاظتوں کو غذا بنانا مذہبی رســـموں کے نام پر قتل رنا جیســـی قبیح اور مکروہ حرکات بھی عبادت سمجھی جاتی ہیں۔(مقدمہ ارتھ شاستر :۱۱۷)

(ب) ہندو بزرگوں کے مافوق الفطرت اختیارات

جس طرح مســـلمـانوں کے غوث ‘قطب‘نجیب‘ابـدال‘ولی‘فقیر‘اوردرویش وغیرہ مختلف مراتب اور مناصـــب کے بزرگ ســـمجھے جاتے ہیں ۔جنہیں مافوق الفطر قوت اور اختیارات حاصـــل ہوتے ہیں اســـی طرح ہندوؤں میں رشـی ‘منی ‘مہاتما‘اوتار ‘سـادھو‘سـنت ‘سـنیاسـی‘یوگی‘شـاسـتری‘اور چتھر

ویدی وغیرہ مختلف مراتب اورمناصب کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں جنہیں مافوق الفطرت قوت اور اختیارات حاصل ہوتے ہیں ۔ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے مطابق یہ بزرگ ماضی حال اور مستقبل کودیکھ سکتے ہیں۔جنت میں دوڑتے ہوئے جاسکتے ہیں۔دیوتاؤں کے دربار میں ان کا بڑے اعزاز سے استقبال کیاجاتا ہے۔ یہ اتنی زبردست جادوئی طاقت کے مالک ہوتے ہیں کہ اگر چاہیں تو پہاڑوں کو اٹھا کر سمندرمیں پھینک دیں۔ یہ ایک نگاہ سے اپنے دشمنوں کو جلاکر خاکستر کرسکتے ہیں ۔تمام فصلوں کو برباد کرسکتے ہیں۔اگر یہ خوش ہوجائیں تو پورے شہر کو تباہی سے بچا لیتے ہیں۔ دولت میں زبردست اضافہ کرسکتے ہیں۔ قحط سالی سے بچا سکتے ہیں ۔دشمنوں کے حملے روک سکتے ہیں۔(مقدمہ ارتھ شاستر :۹۹-۱۰۰)

منی وہ مقدس انسان ہیں جو کوئی کپڑا نہیں پہنتے۔ہوا کو بطورلباس استعمال کرتے ہیں۔جن کی غذا ان کی خاموشی ہے ۔وہ ہوا میں اڑ سکتے ہیں اور پرندوں سے اوپر جاسکتے ہیں ۔یہ منی تمام انسانوں کے اندر پوشیدہ خیالوں کو جانتے ہیں کیونکہ انہوں نے وہ شراب پی ہوئی ہے جو عام انسانوں کے لئے زہر ہے ۔ (بحوالہ سابق)

شیوجی کے بیٹے لارڈگنیش کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ کسی بھی مشکل کو آسان کرسکتے ہیں اگر چاہیں تو کسی کے لئے بھی مشکل پیدا کرسکتے ہیں اس لئے بچہ جب پڑھنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو سب سے پہلے اسے گنیش کی کی پوجا کرنا ہی سکھایا جاتا ہے ۔(بحوالہ سابق :۹۸)

(ج) ہندو بزرگوں کی بعض کرامات

ہندوؤں کی مقدس کتب میں اپنے بزرگوں سے منسوب بہت سی کرامات کا تذکرہ ملتا ہے ہم یہاں دوچار مثالوں پر ہی اکتفاکریں گے ۔

(۱) ہندوؤں کی مذہبی کتاب رامائن میں رام اور راون کا طویل قصہ دیا گیا ہے کہ رام اپنی بیوی سیتا کے ساتھ جنگلات میں زندگی بسر کررہا تھا لنکا کا راجہ راون اس کی بیوی کو اغوا کرکے لے گیا رام نے ہنومان (بندروں کے شہنشاہ)کی مدد سے خونی جنگ کے بعد اپنی بیوی واپس حاصل کرلی لیکن مقدس قوانین کے تحت اسے بعد میں الگ کردیا ۔سیتا یہ غم برداشت نہ کرسکی اور اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لئے آگ میں کود گئی اگنی دیوتا جو مقدس آگ کے مالک ہیں انہوں نے آگ کو حکم دیا کہ وہ بجھ جائے اور سیتا کو نہ جلائے اس طرح سیتا دہکتی ہوئی آگ سےسالم نکل آئی اور اپنے بے داغ کردار کا ثبوت فراہم کردیا ۔(مقدمہ ارتھ شاستر :۱۰۱-۱۰۲)

(۲)ایک بار بدھ مت کے درویش (بھکشـــو)نے یہ معجزہ دکھلایا کہ ایک پتھر ســـے ایک ہی رات میں اس نے ہزاروں شـــا خونوالا آم کا درخت پیدا کردیا .(ایک طرف بدھ مت کے بھکشو کا یہ معجزہ اور دوسری طرف بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کے بارے میں یہ دلچســپ خبر ملاحظہ ہو ''حیدرآباد کی خوبصور ت جھیل میں ایک چھوٹے جہاز سے گوتم بدھ کا مجسمہ پھسل کر جھیل میں گرگیا مجســمہ کا وزن ۴۵۰ٹن تھا اور اســـے ۹مئی کو بودھ پورنیا کے موقع پر نقاب کشائی کے لئے نصب کیاجانا تھا ‘یہ مجسمہ دنیا کا سب سے بڑا مجسمہ تھا ‘اس حادثہ میں (گوتم بدھ کو بچاتے بچاتے)دس افراد جھیل میں ڈوب گئے اور چھ افراد زخمی ہوئے .نوائے وقت ۱۱مارچ ۱۹۹۰ء)مشرکین کے معبودوں کی اصل حقیقت تو یہی ہے خواہ بدھسٹوں کے ہوں یا ہندوؤں کے یامسلمانوں کے۔ لَااِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُوْفَکُوْنَ (سورہ فاطر:۳)ترجمہ :اس اللہتعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا لٰہ نہیں آخر تم کہاں سے دھوکہ کھارہے ہو .

(۳)محبت کے دیوتا (کاما)اور اس کی دیوی(رتی)اور ان دیوی دیاتاؤں کے دوست خاص طورسے موسم بہار کے خدا جب باہم کھیلتے تو ''کاما دیوتا ''اپنے پھولوں کے تیروں سے ''شیودیوتا''پر بارش کرتے اور شیودیوتا اپنی تیسری آنکھ سے ان تیروں پر نگاہ ڈالتے تو یہ تیر بجھی ہوئی خاک کی شکل میں تباہ ہوجاتے اور وہ ہرقسم کے نقصان سے محفوظ رہتا کیونکہ وہ جسمانی شکل سے آزاد تھا.(مقدمہ ارتھ شاستر :۹۰)

(۴) ہندوؤں کے ایک دیوتا لارڈ گنیش کے والد شیوجی کے بارے میں روایت ہے کہ: دیوی پاروتی(ہندو ان تینوں شخصیتوں کے بت اور مورتیاں تراش کر پوجتے ہیں۔)(ان کی بیوی کا نام)نے ایک دن تہیہ کیاکہ لارڈ شیو ان کے غسل کے وقت شرارتاً غسل خانہ میں گھس کر انہیں پریشان کرتے ہیں چنانچہ اس کا سدباب کرنے کے لئے ایک انسانی پتلابنایا اور اس میں جان ڈال کر اسے غسل خانے کے دروازے پر پہرے کے لئے بٹھادیا پھر یہ ہوا کہ شیوجی حسب عادت دیوی پاروتی کو چھیڑنے اور ستانے کے لئے غسل خانے کی سمت چلے آئے .ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے غســل خانہ کے دروازے پر ایک خوبصــورت بچے کو پہرہ دیتے دیکھا شیوجی نے غسل خانے میں گھسنے کی کوشش کی تو اس بچے نے راستہ روک لیا .شیوجی کو اس مزاحمت پر اتنا غصہ آیا کہ انہوں نے ترشول (تین نوک کا نیزہ)سے اس کا سر کاٹ کر دھڑ سے الگ کردیا .دیوی پاروتی کے لئے یہ قتل شدید صدمے کا موجب بنا .تب شیوجی نے ملازمین کو حکم دیا کہ وہ فوری کسی کا سر کاٹ کرلے آئیں ‘ملازمین بھاگ نکلے تو سب سے

پہلے ان کا سامنا ہاتھی سے ہوا اور وہ ہاتھی کا سرکاٹ کے لے آئے شیوجی نے بچے کے دھڑ پر ہاتھی کا سر جماکر پھر سے جان ڈال دی اور دیوی پاروتی بچے کی نئی زندگی سے بہت خوش ہوئیں ۔ (روزنامہ سیاست ،کالم فکر ونظر ،حیدرآباد الہند ۔مورخہ ۲۰ستمبر ۱۹۹۱ء)

ہندو مت کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ ''اہل تصوف''کے عقائد اور تعلیمات ہندو مذہب سے کس قدر متاثر ہیں ۔عقیدۃ الوحدت الوجود اور حلول یکساں ۔عبادت اور ریاضت کے طریقے یکساں ۔بزرگوں کے مافوق الفطرت اختیارات یکساں اور بزرگوں کی کرامات کا سلسلہ بھی یکساں۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ ہے صرف ناموں کا ۔تمام معاملات میں ہم آہنگی اور یکسانیت پالینے کے بعد ہمارے لئے ہندوستان کی تاریخ میں ایسی مثالیں باعث تعجب نہیں رہتیں کہ ہندولوگ ،مسلمان پیروں فقیروں کے مرید کیوں بن گئے اور مسلمان ہندوسادھو اور جوگیو کے گیان دھیان میں کیوں حصہ لینے لگے۔(زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حافظ غلام قادر اپنے زمانے کے قطب الاقطاب اور غوث الاغواث اور محبوب خدا تھے جن کا فیض روحانی ہرخاص وعام کے لئے اب تک جاری ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو ،سکھ ،عیسائی ،ہر قوم اور فرقے کے لوگ آپ سے فیض روحانی حاصل کرتے تھے ۔آپ کے عرس میں تمام فرقوں کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ آپ کے تمام مریدان باصف فیض روحانی سے مالا مال اور پابند شرع شریف ہیں ۔ریاض السالکین صفحہ ۲۷۲بحوالہ شریعت وطریقت صفحہ ۴۷۷دوسری طرف اسماعیلیہ فرقہ کے پیر شمس الدین صاحب کشمیر تشریف لائے تو تقیہ کرکے اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں کے رنگ میں رنگ لیا۔ ایک دن جب ہندو دسہرے کی خوشی میں گربا رقص کررہے تھے پیر صاحب بھی اس رقص میں شریک ہوگئے اور ۲۸گربا گیت تصنیف فرمائے اسی طرح ایک دوسرے پیر صدرالدین صاحب (اسماعیلی)نے ہندوستان میں آکر اپنا ہندووانہ نام ''ساہ دیو''(بڑا درویش)رکھ لیا اور لوگوں کو بتایا کہ وشنو کا دسواں اوتار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکل میں ظاہر ہوچکا ہے ،اس کے پیرو صوفیوں کی زبان میں محمد اور علی کی تعریف کے بھجن گایا کرتے تھے ۔(اسلامی تصوف میں غیر اسلامی تصوف کی آمیزش صفحہ ۳۲-۳۳)

اس اختلاط کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندو پاک کے مسلمانوں کی اکثریت جس اسلام پر آج عمل پیرا ہے اس پر کتاب وسنت کی بجائے ہندو مذہب کے نقوش کہیں زیادہ گہرے اور نمایاں ہیں۔

۶۔حکمران طبقہ

برصغیر پاک وہند میں شرک وبدعت کے اسباب تلاش کرتے ہوئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ چونکہ یہاں اسلام پہلی صدی ہجری کے آخر میں اس وقت پہنچا جب محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے ۹۳ھ میں سندھ فتح کیا۔ اس وقت محمد بن قاسم رحمہ اللہاور اس کی افواج کے جلد واپس چلے جانے کی وجہ سے اولاً اسلام خالص کتاب وسنت کی شکل میں پہنچا ہی نہیں ۔ثانیاً اسلام کی یہ دعوت بڑے محدود پیمانے پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانواں کی اکثریت کے افکار واعمال میں مشرکانہ اور ہندوانہ رسم ورواج بڑے واضح اور نمایاں ہیں۔

تاریخی اعتبار سے یہ بات درست ثابت نہیں ہوتی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سرزمین برصغیر عہد فاروقی (۱۵ھ)سے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ورود مسعود سے بہرہور ہونی شروع ہوگئی تھی عہدِ فاروقی اور عہد عثمانی میں اسلامی ریاست کے زیر نگیں آنے والے ممالک میں شام ‘مصر ‘ عراق‘ یمن ‘ترکستان‘سمرقند‘بخارا‘ترکی‘افریقہ اور ہندوستان میں مالا بار ‘جزائر سراندیپ ‘مالدیپ ‘گجرات اور سندھ کےعلاقے شامل تھے اس عرصہ میں سرزمین ہندمیں تشریف لانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ۲۵ ‘تابعین کی تعداد ۳۷اور تبع تابعین کی تعداد ۱۵بتائی جاتی ہے ۔(ملاحظہ ہو ’’اقلیم ہند میں اشاعت اسلام ‘‘از گازی عزیر ۔)

گویا پہلی صدی ہجری کے آغاز میں ہی اسلام برصغیر پاک وہند میں خالص کتاب وسنت کی شکل میں پہنچ گیا تھا اور ہندو مت کے ہزاروں سالہ پرانے اور گہرے اثرات کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔تاریخی اور تبع تابعین رحمہم اللہکی سعی جمیلہ کے نتیجہ میں مسلسل وسعت پذیر تھا ،جو بات تاریخی حقائق سے ثابت ہے وہ یہ کہ جب کبھی موحد اورمومن افراد برسر اقتدار آئے تو وہ اسلام کی شان وشوکت میں اضافے کا باعث بنے ۔محمد بن قاسم کے سلطان سبکتگین ۔سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کا عہد (۹۸۶تا ۱۱۷۵ء)اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس دور میں اسلام برصغیر کی ایک زبردست سیاسی اور سماجی قوت بن گیا تھا اس کے برعکس جب کبھی ملحد اور بے دین قسم کے لوگ سریر آرائے حکومت ہوئے تو وہ اسلام کی پسپائی اور رسوائی کا باعث بنے اس کی ایک واضح مثال عہدِ اکبری ہے جس میں سرکاری طور پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ أَکْبرُ خَلِیْفَۃ اللّٰہِمسلمانوں کا کلمہ قرار دیا گیا۔

اکبر کو دربار میں باقاعدہ سجدہ کیاجاتا ‘نبوت ‘وحی ‘حشر نشراور جنت دوزخ کا مذاق اڑایا جاتا ‘نماز ‘روزہ حج اور دیگر اسلامی شعائر پر کھلم

کھلا اعتراضات کئے جاتے ۔سود،جوا اور شراب حلال ٹھہرائے گئے۔ سور کو ایک مقدس جانور قرار دیا گیا۔ ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گائے کا گوشت حرام قرار دیا گیا ۔دیوالی ،دسہرہ،راکھی،پونم ،شیوراتری جیسے تہوار ہندوانہ رسوم کے ساتھ سرکاری سطح پر منائے جاتے ہیں۔(تجدید واحیائے دین از سید ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ ۸۰)
ہندومذہب کے احیاء اور شرک کے پھیلاؤ کا اصل سبب ایسے ہی بے دین اور اقتدار پرست مسلمان حکمران تھے ۔
تقسیم ہند کے بعد کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت اور بھی واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ شرک وبدعت اور لادینیت کو پھیلانے یا روکنے میں حکمرانوں کا کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے ہمارے نزدیک ہر پاکستانی کو اس سوال پر سنجیدگی سے غور کرنا چائے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ دنیاکی وہ واحد ریاست جو کم وبیش نصف صدی قبل محض کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُکی بنیاد پر معرضِ وجود میں آئی تھی اس میں آج بھی کلمہ توحید کے نفاذ کا دور دور کوئی نشان نظر نہیں آرہا ؟ ۔ اگر اس کا سبب جہالت قرار دیا جائے تو جہالت ختم کرنے کی ذمہ داری حکمرانوں پر تھی۔ اگر اس کا سبب نظام تعلیم قرار دیا جائے تو دین خانقاہی کے علمبرداروں کو راہ راست پر لانا بھی حکمرانوں کی ذمہ داری تھی۔ لیکن المیہ تو یہ ہے کہ توحید کے نفاذ کے مقدس فریضہ کی بجاآوری تو رہی دور کی بات ہمارے حکمران توخود کتاب وسنت کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتے آئے ہیں
۔
سرکاری سطح پر شرعی حدود کو ظالمانہ قرار دینا ،قصاص ،دیت اور قانونِ شہادت کو دقیانوسی کہنا ،اسلامی شعائر کامذاق اڑانا ،سودی نظام کے تحفظ کے لئے عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانا ، عائلی قوانین اور فیملی پلاننگ جیسے غیر اسلامی منصوبے زبردستی مسلط کرنا ،ثقافتی طائفوں ،قوالوں ،مغنیوں اور موسیقاروں کو پذیرائی بخشنا(ایک ضیافت میں وزیر اعظم نے پولیس بینڈ کی دلکش دھنوں سے خوش ہوکر بینڈ ماسٹر کو پچاس ہزار روپیہ انعام دیا۔ الاعتصام ۵جون ۱۹۹۲ء)
سال نو او رجشن آزادی جیسی تقاریب کے بہانے شراب وشباب کی محفلیں منعقد کرنا ہمارے عزت مآب حکمرانوں کا معمول بن چکا ہے۔ دوسری طرف خدمت اسلام کے نام پر حکمران(الا ماشاء اللّٰہ)جو کارنامے سرانجام دیتے چلے آرہے ہیں ان میں سب سے نمایا اور سرفہرست دین خانقاہی سے عقیدت کا اظہار اور اس کا تحفظ شاید ہمارے حکمرانوں کے نزدیک اسلام کا سب سے امتیازی وصف یہی ہے کہ بانی پاکستان محمد علی جناح رحمۃ

اللہ علیہ سے لے کر مرحوم محمدضیاء الحق تک اور حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمہ اللہسے لے کر حفیظ جالندھری تک تمام قومی لیڈروں کے خوبصوت سنگ مرمر کے منقش مزار تعمیر کرائے جائیں ان پر مجاور (گارڈ)متعین کیے جائیں قومی دنوں میں ان مزاروں پر حاضری دی جائے .پھولوں کی چادریں چڑھائی جائیں ۔ سلامی دی جائے فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی کے ذریعے انہیں ثواب پہنچانے کا شغل فرمایا جائے تو یہ دین اسلام کی بہت بڑی خدمت ہے ۔

یاد رہے بانی پاکستان محمد علی جناح رحمۃ اللہعلیہ کے مزار کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے باقاعدہ ایک الگ مینجمنٹ بورڈ قائم ہے جس کے ملازمین سرکاری خزانے سے تنخواہ پاتے ہیں گزشتہ برس مزار کے تقدس کے خاطر سینٹ کی اسٹینڈنگ کمیٹی نے مزار کے اردگرد ۶ فرلانگ کے علاقہ میں مزار سے بلند کسی بھی عمارت کیتعمیر پر پابندی عائد کرنے کا فیصلہ کیا ہے .(روزنامہ جنگ ۱۳اگست ۱۹۹۱ء)(یاد رہے مکہ معظمہ میں بیت اللہشریف کی عمارت کے اردگرد بیت اللہشریف سے دوگنی تگنی بلند وبالا عمارتیں موجود ہیں جو مسجد الحرام کے بالکل قریب واقع ہیں اسی طرح مدینہ منورہ میں روضہ رسولﷺکے اردگرد روضہ مبارک سے دوگنی تگنی بلند وبالا عمارتیں موجود ہیں جن میں عام لوگ رہائش پذیر ہیں .علماء کرام کے نزدیک ان رہائشی عمارتوں کی وجہ سے نہ تو بیت اللہشریف کا تقدس مجروح ہوتا ہے نہ روضہ رسولﷺ کا ۔)

۱۹۷۵ء میں شہنشاہ ایران نے سونے کا دروازہ سید علی ہجویری کے مزارکی نذر کیا جسے پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم نے اپنے ہاتھوں سے دربار میں نصب فرمایا .۱۹۸۹ء میں وفاقی گورنمنٹ نے جھنگ میں ایک مزار کی تعمیر وتزئین کے لئے ۶۸لاکھ روپیہ کا عطیہ سرکاری خزانے سے ادا کیا (صحیفہ اہل حدیث کراچی ۱۶دسمبر ۱۹۸۹ء)

۱۹۹۱ء میں سید علی ہجویری کے عرس کے افتتاح وزیر اعلیٰ پنجاب نے مزار کو ۴۰من عرق گلاب سے غسل دے کر کیا (روزنامہ جنگ ۲۳جولائی ۱۹۹۱ء)

جبکہ امسال ’’داتا صاحب‘‘کے ۹۴۸ویں عرس کے افتتاح کے لئے جناب وزیر اعظم صاحب بنفس نفیس تشریف لے گئے مزارپر پھولوں کی چادر چڑھائی ‘فاتحہ خوانی کی ‘مزار سے متصل مسجد میں نماز عشاء ادا کی اور دودھ کی سبیل کاافتتاح کیا نیز ملک میں شریعت کے نفاذ کشمیر اور فلسطین کی آزادی افغانستان میں امن واستحکام اور ملک کی یک جہتی

ترقی اور خوشحالی کے لئے دعائیں کیں .(روزنامہ جنگ ۱۹اگست ۱۹۹۲ء)
گزشتہ دنوں وزیر اعظم صاحب ازبکستان تشریف لے گئے جہاں انہوں نے چالیس لاکھ ڈالر (تقریبا ایک کروڑ روپیہ پاکستانی)امام بخاری رحمہ اللہ کے مزار کی تعمیر کے لئے بطور عطیہ عنایت فرمائے (مجلہ الدعوۃ اگست ۱۹۹۲ء)
مذکورہ بالا چند مثالوں کے بین السطور ‘اہل بصیر ت کے سمجھنے کے لئے بہت کچھ موجود ہے ایسی سرزمین جس کے فرمانروا خود ’’خدمتِ اسلام‘‘سر انجام دے رہے ہوں وہاں کے عوام کی اکثریت اگر گلی گلی ‘محلہ محلہ ‘گاؤں گاؤں ‘شب وروز مراکز شرک قائم کرنے میں مصروف عمل ہوں تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے ؟کہاجاتا ہے:
الناس علی دین ملوکھم
یعنی عوام اپنے حکمرانوں کے دین پر چلتے ہیں.
یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لاالہ الااللہ
پس چہ باید کرد؟
جیسا کہ ہم پہلے واضح کرچکے ہیں کہ انسانی معاشرے میں تمام تر شر وفساد کی اصل بنیاد شرک ہی ہے۔ شرک کا زہر جس قدر تیزی سے معاشرے میں سرایت کررہا ہے اسی تیزی سے پوری قوم ہلاکت اور بربادی کی طرف بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اس صورت حال کا تقاضایہ ہے کہ عقیدہ توحید کا شعور رکھنے والے لوگ انفرادی اور اجتماعی ‘ہر سطح پر شرک کے خلاف جہا دکا عز کریں۔ انفرادی سطح پر سب سے پہلے اپنے اپنے گھروں میں اہل وعیال پر توجہ دیں جن کے بارے میں اللہتعالیٰ کا واضح حکم بھی ہے :
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
التحریم – 6
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ‘اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی)آگ سے بچاؤ۔
اس کے بعد اپنے عزیزواقارب دوست واحباب پر توجہ دی جائے اور پھر گلی گلی ‘محلہ محلہ اوربستی بستی جاکر عقیدہ توحید کی دعوت پیش کی جائے لوگوں کو شرک کی ہلاکت خیزیوں اورتباہ کاریوں سے آگاہ کیاجائے .
اجتماعی سطح پر ملک میں اگر کوئی گروہ یا جماعت خالص توحید کی بنیاد پر غلبہ اسلام کے لئے جدوجہد کررہی ہو تو اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

کوئی فرد یا ادارہ یہ مقدس فریضہ انجام دے رہا ہو تو اس کے ساتھ تعاون کیاجائے ۔کوئی اخبار ‘جریدہ یا رسالہ اس کارِ خیر میں مصروف ہو تو اس کے ساتھ تعاون کیا جائے ۔شرک اپنے سامنے ہوتے دیکھنا اور پھر اسے روکنے یا مٹانے کے لئے جدوجہد نہ کرنا سراسر اللہتعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد مبارک ہے :

’’جب لوگ کوئی خلاف شرع کام ہوتے دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمادے ‘‘۔ (ابن ماجہ ‘ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد نبویﷺہے:

’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے رہو‘اور برائی سےروکتے رہو ورنہ اللہتعالیٰ تم پر عذاب نازل کردے گا ‘ پھر تم اس سے دعا کروگے تو وہ تمہاری دعا بھی قبول نہیں کرے گا‘‘۔ (ترمذی)

غور فرمائیے اگر عام گناہوں سے لوگوں کو نہ روکنے پر اللہتعالیٰ کاعذاب نازل ہوسکتا ہے تو پھر شرک جسے خود اللہتعالیٰ نے سب سے بڑا گناہ (ظلم)قرار دیا ہے اس کو نہ روکنے پر عذاب کیوں نازل نہ ہوگا؟رسول اکرم ﷺکا ارشاد ہے :

’’جو شخص خلاف شرع کام ہوتا دیکھے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے ہاتھ سے روکے ‘اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر دل سے ہی برا جانے ‘اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے ‘‘۔ (مسلم شریف)

پس اے اہل ایمان !اپنے آپ کو اللہتعالیٰ کے عذاب سے بچاؤ ‘اور ہر حال میں شرک کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو ‘جو جان دے سکتا ہے وہ جان سے کرے ‘جو مال سے کرسکتا ہو وہ مال سے کرے ‘جو ہاتھ سے کرسکتا ہو وہ ہاتھ سے کرے ‘جو زبان سے کرسکتا ہوں وہ زبان سے کرے ‘جو قلم سے کرسکتا ہوں وہ قلم سے کرے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّـهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ

التوبة – 41

نکلو‘خواہ ہلکے ہو یابوجھل اور جہاد کرو اللہتعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ ‘یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگرتم جانو۔

(زیرِ نظر مضمون فضیلۃ الشیخ محمد اقبال کیلانی حفظہ اللہ کی کتاب: توحید اور دینِ خانقانیت سے ماخوذ ہے۔)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

(5) ماہِ محرّم اور روزہ !

ماہِ محرّم اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے اور اس مہینہ میں یومِ عاشوراء (۱۰ محرّم) کورسولِ اکرم ﷺخود بھی روزہ رکھا کرتے اور آپ نے رمضان المبارک کے روزوں کے بعداس روزے کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔
آپ ﷺکا فرمانِ مبارک ہے:رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ تعالیٰ کے مہینہ محرّم کا ہے۔[رواہ مسلم 1982]
اسی طرح " جب رسول کریم ﷺمدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں، تو رسول کریم ﷺنے فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگے: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کو غرق ہونے سے نجات دی تھی لہذا ہم اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، تو رسول کریم ﷺنے فرمایا:" ہم تم سے زیادہ موسی علیہ السلام کے حقدار ہیں، لہذا رسول کریم ﷺنے خود بھی روزہ رکھا اور اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا"۔
اور دور جاہلیت میں قریش بھی اس دن کی تعظیم کرتے تھے،اور جس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا وہ ایك دن تھا۔کیونکہ نبی کریم ﷺمدینہ میں ربیع الاول کے مہینہ میں تشریف لائے اور اگلے سال یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا، پھر اسی برس رمضان المبارك کے روزے فرض کر دیے گئے تو عاشوراء کا روزہ منسوخ ہو گیا۔
علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ: کیا اس دن کا روزہ واجب تھا؟ یا مستحب؟

اس میں دو مشہور قول ہیں:
ان میں صحیح یہی ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے فرض کیے جانے سے پہلے یہ روزہ واجب تھا، پھر بعد میں اسے استحباب میں بدل دیا گیا، اور نبی کریم ﷺنے لوگوں کو اس کا روزہ رکھنے کا'' حکم'' نہیں دیا بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے:
'' یہ یوم عاشوراء ہے، میں روزہ سے ہوں لہذا جو کوئی روزہ رکھنا چاہے روزہ رکھے''.
اور نبی کریم ﷺنے یہ بھی فرمایا: '' یوم عاشوراء کا روزہ ایك سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور یومِ عرفہ کا روزہ دو برس کے گناہوں کا کفارہ ہے''.
اور جب نبی کریم ﷺکی زندگی کے آخری ایام تھے اور جب انہیں یہ علم ہوا کہ یہودی اس دن کو تہوار اور عید کے طور پر مناتے ہیں تو رسول کریم ﷺنے فرمایا:
'' اگر میں آئندہ برس زندہ رہا تو میں نو محرم کا بھی روزہ رکھوں گا''.
تا کہ یہودیوں کی مخالفت کرسکیں، اور اس دن اُن یہودیوں کے تہوار منانے میں اُن کی مشابہت نہ ہو سکے.
اسی لیے صحابہ کرام اور علماء صرف اکیلے یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ سمجھتے تھے، جیسا کہ کوفیوں کے ایك گروہ سے نقل کیا جاتا ہے،جبکہ کچھ علماء اس کا روزہ مستحب قرار دیتے ہیں.لیکن صحیح یہی ہے کہ: جو شخص یومِ عاشوراء کا روزہ رکھے اسے اس کے ساتھ نو محرم کا بھی روزہ رکھنا چاہیے. کیونکہ نبی کریم ﷺکا آخری امر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول کریم ﷺنے فرمایا:
'' اگر میں آئندہ برس زندہ رہا تو میں دس کے ساتھ نو کا بھی روزہ رکھوں گا''. جیسا کہ حدیث کے بعض طرق میں اسی تفسیر کے ساتھ آیا ہے، لہذا رسول کریم ﷺنے یہی مسنون کیا ہے.

(6) ماہِ محرّ م میں کی جانے والی بدعات و خرافات

کیا ان سب باتوں کا اسلامی شریعت سے کوئی تعلّق ہے ؟؟
ماہِ محرّم میں بہت سے کلمہ گو مسلمان اپنےطرزِعمل کے اعتبارسےیا تو افراط میں مبتلاء ہیں یا تفریط میں:
بعض لوگ اس ماہ میں بالعموم اور خاص طور پر یومِ عاشوراء کو آنکھوں میں سرمہ ڈالتے ہیں اورغسل کر کے مہندی وخوشبو وغیرہ لگاتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحے معانقے کرتے، اور مختلف قسم کے کھانے وشیرنی پکا کر خوشی و سرور کا اظہار وغیرہ کرتے ہیں ، بعض متاخرین اور بعد میں آنے والوں نے اس کے متعلق کچھ من گھڑت، بلاسند و ضعیف روایات بھی نقل کی ہیں مثلا یہ کہ:
جس نے یومِ عاشوراء میں سُرمہ لگایا اسے اس سال آنکھ درد نہیں ہو گی، اور جس نے یوم ِعاشوراء کو غسل کیا وہ اس برس بیمار نہیں ہو گا.
اور یومِ عاشوراء میں نماز ادا کرنے کی فضیلت میں بھی روایات بیان کرتے ہیں، اور یہ بھی کہ: آدم علیہ السلام کی توبہ یوم ِعاشوراء میں ہوئی، اور نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر یوم عاشوراء میں ہی رکی، اورسیدنا یوسف یعقوب علیہما السلام ، کے پاس اسی دن واپس کیے گئے، اور ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نجات بھی اسی دن پائی، اور اسماعیل ذبیح علیہ السلام کے فدیہ میں اسی دن مینڈھا ذبح کیا گیا، وغیرہ، وغیرہ .

اور نبی کریمﷺپر جھوٹ باندھتے ہوئے ایک من گھڑت روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ:" جس نے یوم عاشـــوراء میں اپنے گھر والوں کو وســـعت وکشادگی دی اللہ تعالی سارا سال اسے آسانی اور کشادگی دے گا".
اس کے مقابلے میں ایك دوسرا گروہ افسوس و غم کےنام پر ماتم کرنا اور آہ بکا اور کپڑے پھاڑنا ، اپنے آپ کو زخمی کرنااور نوحہ وغیرہ کا اظہار کرتا ہے۔ اہلِ بیت کی محبّت کے اظہار کے نام پر ســـبیلیں و کیمپ لگائے جاتے ہیں ، مجلسِ عزاداری منعقد کی جاتی ہیں ، نوحے و مرثیہ پڑھے جاتے ہیں ، جس میں رب تعالیٰ کی گستاخی اور شرک کا پرچار کیاجاتا، اور امّہات المؤمنین و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کنایۃً و صراحۃً تبرّاء و لعن طعن کیا جاتا اورجھوٹے و من گھڑت واقعات اور قصـــوں کے ذریعہ تاریخ کو موڑتڑوڑ کے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی حمایت اور اُن کے حق میں رائے عامّہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔اور دیگر اہل السنۃ والجماعۃ اور اُن سے جڑی وسیع فتوحاتِ اسلامیہ پر مشتمل روشن تاریخ سے متعلّق ، طرح طرح کے شبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔
اہلِ بیت کی محبّت کے جھوٹے و زبانی دعوؤں کے ســـائے میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ رسول ِ اکرم ﷺکی وفات کے بعدسے ہی خاندانِ نبوّت کے ساتھ ناانصافی ، ظلم و زیادتی کا سلسلہ شروع کردیا گیا تھااور اس مزعومہ وجھوٹی ظلم وزیادتی کی نســـبت اہلِ بیت کے علاوہ عموماًتمام مہاجرین و انصار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف اور بالخصوص شیخین پسرِ رسول سیدنا ابوبکر صدّیق وپسررسول سیدنا عمر فاروق، دامادِ رسول سیدنا عثمانِ غنی، زوجہ رسول وام المؤمنین سیدہ عائشہ صدّیقہ ، زوجہ رسول وام المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمر ،پسرِ رسول سیدنا ابو سفیان ، سالہِ رسول سیدنا معاویہ ، فقیہ صحابی سیدنا عمرو بن عاص ، و فقیہ صحابی سیدنا ابو ھریرۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف کرتے ہیں ۔اور عموماً بنو امیہ کا نام لےکر خوب اُن پر لعن و تکفیر کی جاتی اور نفرتوں و عداوتوں کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس طرح جاہل و غافل عوام کے جذبات بھڑکائے جاتے ہیں ۔
جبکہ یہاں یہ بات بھی انتہائی قابلِ توجّہ ہے کہ رســـولِ اکرم ﷺکی ازواجِ مطہّرات میں سے ایک زوجہ سیدہ اُمِّ حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہما کا تعلّق بنو أمیّہ سے ہے یعنی مؤمنوں ماؤں میں ایک ماں کا تعلّق بنو أمیّہ ســـے ہے اور آپ ﷺنے اپنی چار صـــاحبزادیوں میں ســـے تین ۳ عدد صـــاحبزادیاں قبیلہ بنوأمیّہ ســـے تعلّق رکھنے والےدو افراد اور ایک صـــاحبزادی قبیلہ بنو ہاشـــم ســـے تعلّق رکھنے والے فرد کے عقدمیں دیں

:سیدہ أمّ کلثوم وسیدہ رقیّہ کو سیدنا عثمان غنی کے عقد میں اور سیدہ زینب کو ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہم اجمعین کے عقد میں دیا اور مذکورہ دونوں افراد کا تعلّق بنو أمیّہ سے ہے جبکہ ایک صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزّہراء کو سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے عقد میں دیا جوکہ ہاشمی تھے ۔

اس کے علاوہ خاندانِ نبوّت و بنو أمیّہ کے درمیان محبّت و قرابت کا یہ سلسلہ ہر دور میں جاری و ساری رہا جسکا محض اندازہ مندرجہ ذیل چند مثالوں سے لگایا جاسکتا ہے :

نواسہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ نفیسہ بنتِ زیدکا عقد ''اموی'' خلیفہ ولید بن عبد الملک بن مروان سے ہوا ،جنکی والدہ لُبابہ بنتِ عبد اللہ ، رسولِ اکرم کے چچا سیدنا عبّاس رضی اللہ عنہ بن عبد المطّلب کی پوتی تھیں ۔ (طبقات ابن سعدج: 5 ص: 234 .. عمدة الطالب في انساب آل ابي طالب ص: 70)،

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی صاحبزادی رِملہ کا عقد پہلے ابو الہیاج سے ہوا پھر اُن کے بعد معاویہ بن مروان بن حکم ''أموی '' سے ہوا۔(الارشادللمفید، ص: 186.. نسب قریش ،ص :45 .. جمهرة انساب العرب، ص :87)،

سیدنا علی کے سگےبھائی سیدنا جعفر الطیار رضی اللہ عنہما بن ابی طالب کی پوتی رِملہ بنتِ محمّد کا عقد سلیمان بن ہشام بن عبد الملک ''أموی '' سے ہوا، پھر اُنکے بعد ابو القاسم بن ولید عتبہ بن ابی سفیان سے ہوا۔(کتاب المحبر،ص: 449)،

۴) سیدنا علی کے سگےبھائی سیدنا جعفر الطیار رضی اللہ عنہما بن ابی طالب کی پوتی أُم کلثوم بنتِ عبد اللہ کا عقد سیدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے أبان ''أموی '' سے ہوا۔(المعارف للدنيوري ص: 86)

۵) سیدنا علی کی پوتی اور نواسہ رسول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی سیدہ سکینہ کا عقد خلیفہ ثانی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے سیدنازید بن عمرو ''أموی '' سے ہوا۔(نسب قريش للزبيري: 120/4 ، لمعارف لابن قتيبہ ص: 94 ،جمهرة انساب العرب لابن حزم: 86/1 ، طبقات ابن سعد:349/6)

۶) سیدنا علی کی پوتی اور نواسہ رسول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا عقد خلیفہ ثانی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پرپوتے سیدنامحمّد بن عبد اللہ بن عمرو ''أموی '' سے ہوا۔(مقاتل

الطالبيين للاصفهاني: 202 ،ناسخ التواريخ: 6/ 534 ، نسب قريش: 4/ 114 ،المعارف: 93)،

۷) سیدنا علی کی پرپوتی اور نواسہ رسول سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہماکی پوتی سیدہ أم القاسم بنتِ حسن کا عقد خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے مروان بن أبان ''أموی '' سے ہوا۔(نسب قریش: 2/ 53 ، جمهرة انساب العرب: 1/ 85 ، المحبر للبغدادي: 438)

۸) سیدنا علی کی پرپوتی اور نواسہ رسول سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہماکی پوتی سیدہ زینب بنتِ حسن کا عقد أموی خلیفہ ولید بن عبد الملک بن مروان سے ہوا۔(نسب قریش: 52 ، جمهرة انساب العرب: 108)۔

یہ چند ایک مثالیں ہیں جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ:

خاندانِ بنو أمیۃ میں موجود صحابہ ،تابعین و تبع تابعین اور خاندانِ بنو ہاشم میں موجودصحابہ ،تابعین و تبع تابعین کےباہمی تعلّقات انتہائی محبّت ، احترام و عزّت پر قائم تھے ۔

(7) غیر اسلامی و غیر انسانی اعمال

ماتم کرنا،رونا پیٹنا،سینہ کوبی وگریبان چاک کرنا،زنجیروں و چھریوں سےاپنےآپ کوزخمی کرنا!

مصیبت و غم ، نوحہ و ماتم کے نام پر رافضی شیعہ جو ماتم کرتے ، روتے پیٹتے ، سینہ کوبی وگریبان چاک کرتے،اوراپنے آپ کو زنجیروں اورچھریاں وغیرہ مارتےہیں،اورتلواروں کےساتھ اپنے، اپنی عورتوں اور بچوں کے سرزخمی کرتےاورخون نکالتےہیں ، ان تمام قبیح و شنیع امور کا دینِ اسلام سے کوئی تعلّق نہیں ، بلکہ یہ سب امورانسانی عزت و شرافت اورصبرپر مشتمل اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں اور رسولِ اکرم ﷺنے ان تمام کاموں سے منع فرمایا بلکہ ہر اُس شخص سے براءت و بیزاری کا اظہار فرمایا جو ان کاموں کا ارتکاب کرے ۔

صحیح بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺنے فرمایا:"جس نے بھی رخسار پیٹے اور گریبان چاك کیا اور جاہلیت کی آوازیں لگائیں وہ ہم میں سے نہیں "صحیح بخاری حدیث نمبر (1294) صحیح مسلم حدیث نمبر (103) ".

اور فرمایا: " میں مصیبت میں نوحہ کرنے والی، اور بال منڈانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورت سے بری ہوں".

اور فرمایا: " اگر نوحہ کرنے والی موت سے قبل توبہ نہیں کرتی تو روزِ قیامت وہ اٹھے گی اور اس پر گندھك کی قمیص اور خارش کی درع ہو گی".

اور پھر نبی کریم ﷺنے اپنی امت کے لیے اس طرح کی کوئی چیز مشروع و جائز نہیں فرمائی اور نہ ہی اس ماتم کےقریب ہی کچھ مشروع کیا ہے کہ اگر کوئی عظیم مقام و رتبہ والا شخص فوت ہو جائے یا کوئی دوسرا شہید ہو تو اس کے لیے ماتم کیا جائے یا کوئی اور ایسی خرافات کی جائیں۔

نبی کریم ﷺکی زندگی میں کئی ایك کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمیعن کی شہادت ہوئی اور آپ ﷺان کی شہادت پر انتہائی غمزدہ بھی ہوئے مثلا سیدنا حمزہ بن عبد المطلب اور سیدنا زید بن حارثہ اور سیدنا جعفر بن ابی طالب اور سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺنے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو شیعہ رافضی کرتے ہیں، اور اگر اس کام میں خیر و بھلائی ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہم سے سبقت فرماتے۔

اور پھر سیدنا یعقوب علیہ السلام نے سینہ کوبی نہیں کی، اور نہ ہی اپنے چہرے کو زخمی کیا، اور نہ خون بہایا، اور نہ ہی اس دن جس میں یوسف

علیہ الســـلام گم ہوئے تھے تہوار کے طور پر بنایا اور نہ ہی اس روز کو ماتم کے لیے مختص کیا ، بلکہ وہ تو اپنے پیارے اور عزیز بیٹے کو یاد کرتے اور اس کی دوری ســـے پریشـــان و غمزدہ ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعائیں فرماتے ، اوریہ ایسی چیز ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر ســـکتا اور کوئی بھی روك نہیں ســـکتا، بلکہ ممانعت و برائی تو اس میں ہے جو جاہلیت کے امور بطور وراثت کے لے کر اپنائے جائیں جن سے اسلام نے منع کر دیا ہو .

امّتِ مســـلمہ کے معتبر امام و مفسّـــر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتےہیں:

چوتھی صـــدی ہجری کے آس پاس بنو بویہ کے دور حکومت میں رافضـــی شیعہ اسراف کا شکار ہوئے اور بغداد وغیرہ میں یوم عاشوراء کے موقع پر ڈھول پیٹے جاتے اور راســـتوں اور بازاروں میں ریت وغیرہ پھیلا دی جاتی اور دکانوں پر ٹاٹ لٹکا دیے جاتے، اور لوگ غم و حزن کا اظہار کرتے اور روتے، اور ان میں سے اکثر لوگ اس رات پانی نہیں پیتے تھے تا کہ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی موافقت ہو، کیونکہ وہ پیاسے شہید ہوئے تھے۔

پھرعورتیں چہرے کھول کر کے نکلتیں اور اپنے رخســـار پیٹتیں اور ســـینہ کوبی کرتی ہوئیں بازاروں ســـے ننگے پاؤں گزرتیں اور اس کے علاوہ بھی کئی ایك قبیح قسم کی بدعات اور شنیع خواہشات اور اپنی جانب ســـے ایجاد کردہ تباہ کن اعمال کرتے، اور اس ســـے وہ حکومتِ بنو امیہ کو بُرا قرار دیتے کیونکہ حسین رضی اللہ تعالی عنہ ان کے دور حکومت میں شہید ہوئے تھے۔دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (8 / 220)۔

اور ایك مقام پر لکھتے ہیں:

" ہر مسلمان کو سیدنا حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے شہید ہونے پر غمزدہ ہونا چاہیے کیونکہ سیدناحسین رضی اللہ تعالی عنہ مسلمانوں کے سردار اور علماء صحابہ کرام میں سے تھے اور پھر نبی کریم ﷺکے نواسے اور آپ کی اس صاحبزادی کی اولاد میں سے تھے جو سب صاحبزادیوں سے افضل تھیں ، اور پھر حسین رضی اللہ تعالی عنہ عابد و زاہد اور سخی و شجاعت و بہادری کا وصف رکھتے تھے۔

لیکن رافضی شیعہ جو کچھ کرتے ہیں اور جزع و فزع اور غم کا اظہار جس میں اکثر طور پر تصنع و بناوٹ اور ریاء ہوتی ہے ان کا یہ عمل اچھا نہیں، حالانکہ حســـین رضـــی اللہ تعالی عنہ کے والد علی رضـــی اللہ تعالی عنہ تو حسین سے افضل تھے انہیں شہید کیا گیا لیکن وہ اُن کے شہید کیے جانے پر ماتم نہیں کرتے جس طرح وہ حسـین رضـی اللہ تعالی عنہ کےشہید کیے جانے والے دن ماتم کرتے ہیں۔

کیونکہ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے والد علی رضی اللہ تعالی عنہ کو چالیس ہجری سترہ رمضان المبارك جمعہ کے روز اس وقت قتل کیا گیا جب وہ نماز فجر کی ادائیگی کے لیے جا رہے تھے، اور اسی طرح اہلِ سنت کے ہاں سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ علی رضی اللہ تعالی عنہ سے افضل ہیں انہیں محاصرہ کر کے ان کے گھر میں چھتیس ہجری ماہ ذوالحجہ کے ایامِ تشریق میں شہید کیا گیا، اور انہیں رگ رگ کاٹ کر ذبح کیا گیا، لیکن لوگوں نے ان کے قتل کے دن کو ماتم نہیں بنایا۔

اور اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ جو کہ عثمان اور علی رضی اللہ تعالی عنہما سے افضل ہیں انہیں نماز فجر پڑھاتے ہوئے محراب میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کیا گیا لیکن لوگوں نے ان کی موت کے دن کو ماتم کا دن نہیں بنایا۔

اور اسی طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ان سے افضل تھے اور لوگوں نے ان کی موت کے دن کو ماتم والا دن نہیں بنایا،اور پھر نبی کریم ﷺتو دنیا و آخرت میں اولادِ آدم کے سردار ہیں آپ کو بھی اسی طرح قبض کیا گیا اور فوت کیا گیا جس طرح پہلے انبیاء کو فوت کیا گیا، لیکن کسی ایك نے بھی ان کی وفات کو ماتم نہیں بنایا، کہ وہ ان رافضی جاہلوں کی طرح کریں جس طرح وہ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے شہید ہونے کے دن خرافات کرتے ہیں۔

اس طرح کی مصیبتوں کے وقت سب سے بہتر وہی عمل ہے جو حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے اپنے نانا رسول کریمﷺسے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺنے فرمایا:

" جس کسی مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچی ہو اور وہ مصیبت یاد آئے چاہے وہ پرانی ہی ہو چکی ہو تو وہ نئے سرے سے دوبارہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھے تو اللہ تعالی اسے اس مصیبت کے پہنچنے والے دن جتنا ہی اجر و ثواب عطا کرتا ہے ".

اسے امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے " انتہی۔دیکھیں: البداية والنهاية (8 / 221).

(8) عورت اور ترقی

مغرب نے قوموں کی ترقی کے لئے جس سماجی فلسفہ کو آگے بڑھایا ہے ، اس کا ایک بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ترقی کے عمل میں عورتوں کی شرکت کے بغیر خاطر خواہ نتائج کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یہ فقرہ تو تقریباً ضرب ُالمثل کی حیثیت اختیار کرچکا ہے کہ مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے مواقع ملنے چاہئیں۔ درحقیقت اس طرح کے نعرے تحریک آزادئ نسواں کے علمبرداروں کی طرف سے شروع میں اُنیسویں صدی کے آغاز میں لگائے گئے تھے جو رفتہ رفتہ بے حد مقبولیت اختیار کر گئے۔ اس زمانے میں عورتوں کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری تک محدود تھا اور عورت کا اصلی مقام اس کا گھر ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے کی خاندانی اقدار میں کنبے کی معاشی کفالت کی اصل ذمہ داری مرد پر تھی اورعورت کا بنیادی فریضہ گھریلو اُمور کی انجام دہی، بچوں کی نگہداشت اور اپنے خاوندوں کے آرام و سکون کا خیال اور فارغ وقت میں عمومی نوعیت کے کام کاج کرنے تک محدود تھا۔

تحریک ِآزادئ نسواں کے علمبرداروں نے اس صورتحال کو مرد کی ‘حاکمیت’اور عورت کی بدترین ‘غلامی’ سے تعبیر کیا اور عورتوں کے اس استحصال کے خاتمے کے لئے یہ حل پیش کیا کہ انہیں بھی گھر کے باہر کی زندگی کے عشرت انگیز دائروں میں شریک ہونے کا موقع ملنا چاہئے۔ معاشرت، تعلیم، سیاست، صنعت و حرفت، ملازمت، غرض ہر شعبے میں

عورت کی شـــرکت کو مرد کی حاکمیت او ر غلامی ســـے چھٹکارا کے لئے ذریعہ سمجھا گیا۔ ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ تحریک ِآزادی ٔ نسواں کا آغاز ہوا۔ آج صـورتحال یہ ہے کہ مغرب میں خاندانی ادارہ اور ســماجی اَقدار زوال کا شـــکار ہوگئی ہیں،مرد اور عورت کے فرائض اور دائرہ کار آپس میں خلط ملط ہوگئے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز تک تحریک ِآزادئ نسواں کے زیادہ تر مطالبات مســـاوی تعلیم کے مواقع اور عورتوں کو ووٹ کے حقوق دینے تک ہی محدود تھے۔ لیکن آج مغرب میں مســـاوی حقوق کا نعرہ ایک بہت بڑے فتنہ کا روپ دھار چکا ہے جس نے انسـانی زندگی کے تمام دائروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

امریکہ اور یورپ نے گذشتہ دو صدیوں کے درمیان جو محیرالعقول سائنسی ترقی کی ہے، اس میں عورتوں کے حصے کو اَصل تناسب سے کہیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ محدود دائروں میں عورتوں کے کردار اور حصـہ ســے انکار ممکن نہیں ہے۔ البتہ مغربی معاشـرے کی اجتماعی ترقی کامعروضـی جائزہ لیا جائے تو تحریک ِآزادی ٔ نسـواں کے علمبرداروں کے دعوے مبالغہ انگیز نظر آتے ہیں۔ مغرب کی مادّی اور ســـائنســـی ترقی کے پس پشت کار فرما دیگر عوامل مثلاً جارحانہ مسـابقت، مادّی ذرائع پر قبضہ کی ہوس، طبیعاتی قوانین کو جاننے کا جنون، مغربی اسـتعمار کو نو آبادیات پر مسلط رکھنے کا عزم، ایشیا اور افریقہ کی منڈیوں پر قبضے کی جدوجہد، مغرب کی نشـــاۃِ ثانیہ کے بعد مغربی معاشـــرے میں علوم و فنون میں آگے بڑھنے کا جذبہ، ســرمایہ دارانہ نظام میں کام کی بنیاد پر ترقی کی ضـمانت، مندی کی معیشـــت وغیرہ جیســـے عوامل نے جو کردار ادا کیا ہے ، اس کا نئے سرے سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

قومی ترقی کے لئے کیا عورتوں کا ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا ناگزیرہے؟ اس اہم سوال کا جواب ‘ہاں’ میں دینا بے حد مشکل ہے۔ اگر عورت اپنے مخصـــوص خاندانی فرائض کو نظر انداز کرکے زندگی کے ہر میدان میں شرکت کرے گی تو خاندانی ادارہ عدمِ استحکام کا شکار ہوجائے گا اور خاندانی ادارے کے عدمِ استحکام میں آنے کے منفی اَثرات زندگی کے دیگر شعبہ جات پر بھی پڑیں گے۔ مغرب میں یہ نتائج رونما ہوچکے ہیں۔!! اکیسـویں صـدی میں انسـانی تہذیب کو جن فتنوں کا سـامنا کرنا پڑے گا، ان میں تحریک ِآزادئ نسـواں ((Feminismکا فتنہ اپنے وسـیع اثرات اور تباہ کاریوں کی بنا پر سـب سـے بڑا فتنہ ہے۔ مغرب میں عورتوں کو زندگی کے مختلف شعبہ جات میں جس تناسب اور شرح سے شریک کر لیا گیا ہے، اگر یہ ســلســلہ یونہی جاری رہا تو دنیا ترقی کی موجودہ رفتار کو ہرگز برقرار

نہیں رکھ سکے گی بلکہ اگلے پچاس سالوں میں انسانی دنیا زوال اور انتشار میں مبتلا ہوجائے گی۔ جو لوگ عورت اور ترقی کو باہم لازم وملزوم سمجھتے ہیں، انہیں یہ پیش گوئی مجذوب کی بڑ، رجعت پسندی اور غیر حقیقت پسندانہ بات معلوم ہوگی، لیکن اکیسویں صدی کے آغاز پر انسانیت جس سمت میں رواں دواں ہے، بالآخر اس کی منزل یہی ہوگی۔

پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک کو اس حقیقت کا اِدراک کر لینا چاہئے کہ مغرب کی اندھی تقلید میں خاندانی اداروں کوتباہ کر لینے کے باوجود وہ اُن کی طرح مادی ترقی کی منزلیں طے نہیں کرسکتے۔ مزید برآں مغربی ممالک کی سائنسی و صنعتی ترقی کلیتاً عورتوں کی شرکت کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برطانیہ، فرانس،جرمنی، ہالینڈ، پرتگال، سپین اور دیگر یورپی ممالک اس وقت بھی سائنسی ترقی کے قابل رشک مدارج طے کرچکے تھے جب ان ممالک میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق نہیں ملا تھا۔ ۱۸۵۰ء تک صنعتی انقلاب نے پورے یورپی معاشرے میں عظیم تبدیلی برپا کر دی تھی۔ ۱۹۰۰ء تک مذکورہ بالا یورپی اقوام نے افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے بیشتر ممالک کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ جنگِ عظیم دوم سے پہلے ان ممالک میں عورتوں کا ملازمتوں میں تناسب قابل ذکر نہیں تھا۔ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جنگ عظیم دوم میں مرنے والے کروڑوں مردوں کے خلا کو پر کرنے کے لئے یورپی معاشرے میں عورتوں کے بادل نخواستہ باہر نکلنے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

ترقی اور جاپان:

آج کے دور میں جاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جاپان کی صنعتی ترقی اور انڈسٹری نے امریکہ اور یورپ کو منڈی کی معیشت میں عبرت ناک شکستیں دیں۔ ۱۹۹۰ء سے پہلے جاپان کی اشیا نے امریکہ اور یورپ کی منڈی کو اپنے شکنجہ میں کسا ہوا تھا۔ ۱۹۹۰ء سے پہلے تک جاپانی معاشرہ مغرب کی Feminism تحریک کے اثراتِ فاسدہ سے محفوظ تھا۔ حیران کن صنعتی ترقی کے باوجود جاپانی معاشرے نے اپنی قدیم روایات اور خاندانی اَقدار کو قابل رشک انداز میں برقرار رکھا۔ امریکہ اور یورپی ممالک جاپان کے 'مینجمنٹ' کے اصولوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنی نصابی کتب میں جاپان کے اُصولوں کو شامل کیا۔ امریکہ اور یورپ کے صنعت کار جب جاپانی صنعت کاروں کا مقابلہ نہ کرسکے تو بالآخر انہوں نے جاپانی معاشرے کی ثقافت اور اَقداری نظام کو بدلنے کی سازش تیار کی۔

۱۹۹۰ء کے عشرے میں مغربی میڈیا نے جاپانی ثقافت پر مغربی تہذیب کی یلغار شـــروع کی۔ امریکہ اور یورپی ممالک نے جاپان کوOpenکرنے کے لئے مسلسل جاپانی حکومتوں پر دباؤ ڈالے رکھا۔ صدر ریگن اور جارج بش نے جاپانی راہنماؤں سے ہر ملاقات میں اس شرط کو دہرایا کہ جاپان سے ہر سال ایک مخصوص تعداد میں اَفراد امریکہ اور یورپی ممالک کی سیر کریں۔ جاپانی سینماؤں اور ٹیلی ویژن پر امریکی فلمیں اور ثقافتی پروگرام شروع کرنے کا دباؤ بھی ڈالا گیا۔ جاپان کی معروف صنعتی فرموں کو مجبور کیا گیا کہ و ہ اپنے ایگزیکٹوز کو یورپ اور امریکہ کی سیر پر جانے کی ترغیب دیں۔ اس طرح کے سینئر مینیجرزکے لئے دیگر سفری الاؤنس کے ساتھ ایک نوجوان دوشیزہ کو اپنے ساتھ رکھنے کے الاؤنس بھی منظو رکرائے گئے۔ امریکی ہوٹلوں نے جاپانی سیاحوں کو رعایتی نرخ پر سہولیات اور شباب و کباب کی تعیشات مہیا کیں۔ امریکیوں نے ملازمتوں میں مساوی حقوق کی شرط بھی جاپان سے منوائی۔ جاپان میں عورتوں کو اب بھی نسبتاً غیر پیداواری سمجھا جاتا ہے۔

۱۹۹۶ء میں ہفت روزہ ‘ٹائم’ میں ٹویوٹا کمپنی کے چیئرمین کا انٹرویو راقم الحروف کی نگاہ سے گزرا تھا جس میں امریکی صحافی نے ٹویوٹا میں عورتوں کی تعداد نہایت کم ہونے کی وجہ دریافت کی تھی۔ اس کے جواب میں ٹویوٹا کے چیئرمین کا جواب نہایت دلچسپ تھا، اس نے کہا تھا:

“We have already enough decoration flowers in our company” یعنی “ہمارے ہاں پہلے ہی سجاوٹی پھول کافی ہیں۔”

ء کے بعد جاپانی معاشرے پر مغربی تہذیب اورFeminism کے اَثرات جس تناسب سے بڑھے ہیں، اُسی رفتار سے ان کی صنعتی رفتار میں کمی واقع ہوئی ہے اور آج جاپان جو ماضی قریب میں بہت بڑاصنعتی دیو سمجھا جاتا تھا، ا س کے بارے میں پیش گوئیاں کی جارہی ہیں کہ اس کی معیشت مستقبل قریب میں شدید بحران کا شکار ہوجائے گی۔ اس کی بنکوں کی صنعت آج کل بحران سے گزر رہی ہے۔ اس کی کمپیوٹر کی صنعت جس نے امریکی صنعت کاروں کے ہوش اڑادیئے تھے، آج کل سست رفتاری کا شکار ہے۔ جاپان کی مایہ ناز ثقافتی اَقدار کا جنازہ نکل رہا ہے۔ نوجوانوں میں جنسی جرائم میں اضافہ ہوگیا ہے۔ معاشرہ سخت کشمکش سے دوچار لگتا ہے۔ جاپان کی نوجوان نسل میں محنت کی بجائے فیشن پرستی، آزاد روی اور آوارگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے جاپان کے متعلق ایک تعجب انگیز خبر پڑھنے کو ملی تھی۔ وہ یہ کہ جاپانی حکومت اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے ان

عورتوں پر بھی ٹیکس لگانے کا قانون بنا رہی ہے جو اب تک گھروں میں بیٹھی ہوئی ہیں اور ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ IMFاور مغرب کے معاشی جادوگر پریشان حال جاپانیوں کو یہ پٹی پڑھا رہے ہیں کہ اگرتم اپنی معیشت کو سنبھالا دینا چاہتے ہو تو اپنی عورتوں کو گھروں سے باہر نکالو۔ بے حد تعجب ہے، جاپانی قیادت اُن کے اس فریب کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔!!

خاندانی اقدار کی تباہی

ادھر سکنڈے نیویا کے ممالک جہاں سیاست اور ملازمت میں عورتوں کا تناسب پوری دنیا کے مقابلے میں زیادہ ہے، وہاں خاندانی اَقدار کی تباہی نے انہیں پریشان کر رکھا ہے۔ وہاں عورتیں گھر کو'جہنم' سمجھتی ہیں، ماں بننے سے گریز کرتیں اور بچوں کی نگہداشت پر توجہ نہیں دیتی ہیں۔انہیں گھر سے باہر کی زندگی کا ایسا چسکا پڑا ہوا ہے کہ وہ گھریلو زندگی کو اَپنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بے نکاحی ماؤں اور حرامی بچوں کا سب سے زیادہ تناسب سکنڈے نیویا میں ہے۔ لندن سے شائع ہونے والے شہرئہ آفاق ہفت روزہ 'اکانومسٹ' نے ۲۳ جنوری ۱۹۹۹ء کی اشاعت میںA Survey of Nordic Countries کے عنوان سے سکنڈے نیویا کے پانچ ممالک ناروے، سویڈن، ڈنمارک، فن لینڈ اور آئس لینڈ کے متعلق ایک تفصیلی جائزہ شائع کیا ہے۔ یہ ممالک جو Feminismتحریک کے بہت زیادہ زیر اَثر ہیں اور جہاں عورتوں اور مردوں کی مساوات کو بے حد مضحکہ خیز طریقہ سے قائم کرنے کی صورتیں نکالی جاتی ہیں، ان کے متعلق بعض حقائق بے حد تعجب انگیز اور عبرت ناک ہیں۔مثلاً اکانومسٹ کے مذکورہ سروے میں ناروے کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہاں کی حکومت جوان لڑکیوں کو 'ماں' کی ترغیب دینے اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے مالی فوائد Incentivesبہم پہنچانے کے لئے قانون پارلیمنٹ میں پیش کرچکی ہے۔ اس قانون کا بنیادی مقصد اِن عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی بتایا گیا ہے۔ اس قانون کی مخالفت محض انتہا پسندوں کی ایک اقلیت کر رہی ہے جن کا زیادہ تر تعلق لیبر پارٹی سے ہے۔ وہ اسے صنفی مساوات کے اُصولوں کے منافی قرار دیتے ہیں۔ ناروے کے بارے میں ایک اور بات بھی تعجب سے کم نہیں کہ اس ملک کے وزیراعظمBendevicکا تعلق کرسچین ڈیموکریٹک پارٹی سے ہے، جو ماضی میں پادری رہ چکے ہیں۔ پاکستان کے آزادئنسواں کے اِن جنونی علمبرداروں کو ناروے کی مثال پر غور کرنا چاہئے جو عورتوں کو گھر

میں بٹھانے کی ہر بات کو رجعت پسند ملا کی ناروا ہدایت سمجھ کر مسترد کر دیتے ہیں۔

عالمی معیشت

زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی غیر ضروری شمولیت نے جہاں سماجی اور اخلاقی برائیوں کو جنم دیا ہے، وہاں عالمی معیشت پر بھی منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ عالمی معیشت کو دو واضح خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی مینوفیکچرنگ اور سروسز(اشیا سازی اور خدمات)۔ گذشتہ پندرہ بیس برسوں میں عالمی معیشت میں سروس سیکٹر کے تناسب میں اضافہ ہوا ہے۔ امریکہ کی ۷۰ فیصد معیشت سروس سیکٹر پرمشتمل ہے۔ سروس سیکٹر کے پھلنے پھولنے کی ایک اہم وجہ لیبر فو رس میں عورتوں کے تناسب میں اضافہ بھی ہے۔ ہوٹل، بنک، جنرل سٹور، کمپیوٹر، اور دیگر خدمات بہم پہنچانے وا لے اداروں میں عورتوں کی ملازمتوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ امریکہ اور یورپ کے ممالک میں ہر سال جو نئی ملازمتیں نکل رہی ہیں، ان میں عورتوں کی کھیپ مردوں سے زیادہ ہے۔ سروسز سیکٹر میں اضافے سے خام قومی پیداوار میں تو بظاہر اضافہ ہوا ہے لیکن بالآخر اس کے نتائج حقیقی ترقی کے لئے ضرر رَساں ثابت ہوں گے کیونکہ فقط خدمات ، اشیا سازی کے بغیر قومی ترقی میں اضافہ نہیں کرسکتیں۔!!

آزادئ نسواں اور ویلفیئرسٹیٹ

تحریکِ آزادئ نسواں اور مساوی حقوق کے فتنہ نے امریکہ، یورپ اور بالخصوص سکنڈے نیویا کے ممالک کی فلاحی ریاست کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں ان ممالک میں جس طرح ریاست کے وسیع فلا حی منصوبے سامنے آئے تھے، ان میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۹۰ء کے بعد سے یہ صورت ہوگئی ہے کہ برطانیہ، ناروے، سویڈن وغیرہ ویلفیئر پر اٹھنے والے اخراجات میں مسلسل کمی کر رہے ہیں کیونکہ ان اخراجات کی وجہ سے ان کے بجٹ خسارے میں جارہے ہیں۔ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان ممالک کے فلاحی اخراجات کا بیشتر حصہ عورتوں پر خرچ ہوتا ہے۔ سکنڈے نیویا کے ممالک میں فلاحی اخراجات کی سب سے بڑی مد بچوں کے Day Careمراکز کا قیام، اور بے نکاحی ماؤں کی مالی امداد کے متعلق ہے۔ ان ترقی یافتہ ممالک میں علاج و صحتِ عامہ کی بہتر سہولیات کی وجہ سے شہریوں کی اَوسط عمر میں اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے پنشنرزکی تعداد میں ہوش رُبا اضافہ ہوگیا ہے۔

چونکہ عورتوں کی اَوسط عمر میں اضافہ مردوں کی نسبت زیادہ ہوا ہے، اسی لئے پنشن پر اٹھنے والے اخراجات کا زیادہ حصہ بھی عورتوں پر ہی

خرچ ہوتا ہے۔ ان معاشروں میں جنسی بے راہروی کا تناسب خطرناک حد تک زیادہ ہے، جس نے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی صحت پر زیادہ منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ اسقاطِ حمل اور مانع حمل ادویات سے عورتوں کی صحت متاثر ہوئی ہے، مزید برآں زچگی کے دوران بھی ریاست فلاحی ضرورتوں کی کفالت کرتی ہے۔ لائف انشورنس کے لئے ریاست کو عورتوں پر نسبتاً زیادہ خرچ برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق سکنڈے نیویا میں عورتوں پر اُٹھنے والے مجموعی اخراجات کا حجم قومی ترقی میں ان کے شراکتی حصہ سے کہیں زیادہ ہے۔ ورکنگ ویمن اپنی آمدنی کے علاوہ مردوں کی آمدنی کا بھی خاصا حصہ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ ان کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ کسی تعمیری کام میں لگنے کی بجائے بناؤ سنگھار اور نمودونمائش پرہی خرچ ہوتا ہے۔ اکانومسٹ کے سروے کے مطابق سکنڈے نیویا میں سنہری دور کا خاتمہ ہونے کو ہے۔

علامہ اقبال نے آج سے ستر برس قبل یورپ کے متعلق کہا تھا :

یہی ہے فرنگی معاشرے کا کمال
مرد بے کار و زَن تہی آغوش

" مرد بے کار پھر رہے ہیں اور عورتوں کی گود خالی ہے کیونکہ وہ ماں بننے کیلئے آمادہ نہیں ہیں "۔

یہ صورتحال پہلے سے کہیں زیادہ واضح ہو کر ہمارے سامنے آئی ہے۔ ۱۹۹۷ء میں 'اکانومسٹ' نے 'عورت اور کام' کے عنوان سے مفصل سروے شائع کیا تھا۔ اس سروے میں امریکہ کے مختلف شہروں کے متعلق عورتوں کی ملازمت کے اَعدادوشمار دیئے گئے تھے۔ اس سروے میں یہ نتیجہ اَخذ کیا گیا تھاکہ گذشتہ تین برسوں میں جو نئی آسامیاں نکلی ہیں، ان کا تعلق سروس سیکٹر سے ہے جن میں زیادہ تر عورتوں کو ملازمتیں ملی ہیں۔ اس سروے کے مطابق ملازم عورتوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے مردوں کی بے روزگاری میں خطرناک اِضافہ ہوگیاہے۔ عورتوں کے متعلق یہ دلچسپ صورت بھی بیان کی گئی تھی کہ وہ دفتروں میں کام کے لئے صبح سویرے نکل کھڑی ہوتی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے خاوند بچوں کی دیکھ بھا ل کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اِسی سروے میں ایک تصویر شائع ہوئی تھی جس میں گھر کی دہلیز پر ایک عورت اپنا بچہ اپنے خاوند کے حوالے کر رہی ہے اور خود اس دہلیز کے باہر قدم رکھ رہی ہے۔ اس سروے میں ایک اور بات بھی قابل ذکر تھی کہ جس محلہ کی عورتیں کام کو سدھار جاتی ہیں تو پیچھے اُن کے مرد گھر پر بیٹھے مکھیاں مارتے رہتے ہیں اور اس محلہ کے بچوں میں جرائم کا تناسب بڑھ

گیا ہے۔ کیونکہ جس طرح مائیں بچوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھتی ہیں، مرد وہ توجہ نہیں دے پاتے۔

مختصراً یہ کہ اگر عورتوں کی ملازمت کے نتیجے میں مردوں میں بے روزگاری پھیلتی ہے، تو یہ کسی بھی ملک کی مجموعی ترقی پر منفی اثرات مرتب کرے گی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ملک کی آبادی سو فیصد تعلیم یافتہ تو ہوسکتی ہے لیکن سو فیصد تعلیم یافتہ لوگوں کو روزگار مہیا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر تمام تعلیم یافتہ خواتین و حضرات اپنا مقصدِ تعلیم حصولِ ملازمت بنا لیں، تو ان کی اچھی خاصی تعداد کو بے روزگار رہنا پڑے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر خواتین تعلیم کو حاصل کریں، مگر اپنے گھر کے نظم و نسق اور بچوں کی پیدائش و نگہداشت سے رُوگردانی نہ کریں، گھر سے باہر کے معاملات مردوں کے لئے چھوڑ دیں، تو اس صورت میں اس قوم کا خاندانی شیرازہ بھی قائم رہے گا اور پڑھے لکھے افراد میں ملازمت کا توازن بھی متاثر نہیں ہوگا۔ عورتوں کی ملازمتوں میں برابری پر زور دینے کی بجائے اگر مردوں کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا جائے تو یہ معاملہ پہلے سے کہیں بہتر ہوگا۔

پاکستان اور ترقی

پاکستان میں مغرب کے اتباع اور مساواتِ مرد و زن کی غلط تعبیر کے نتیجے میں قومی دولت کا کثیر سرمایہ غیر پیداواری مدات میں خرچ ہو رہا ہے۔ چند سال پہلے لاہور ہائیکورٹ نے میڈیکل کالجوں میں لڑکیوں کے لئے مخصوص کوٹہ کو مساوات کے اُصول کے منافی قرار دیتے ہوئے اسے ختم کرنے کا حکم صادر کیا۔ جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ بعض کالجوں میں طلبہ کی نسبت طالبات کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے مثلاً علامہ اقبال میڈیکل کالج میں۔ باوجودیکہ طالبات کے لئے فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی سہولت الگ سے موجود ہے۔ ہائیکورٹ کو طالبات کے لئے الگ کالج کی سہولت میں تو 'عدمِ مساوات' کی بات دکھائی نہ دی البتہ دیگر مخلوط کالجوں میں ان کی عدمِ مساوات کا خاص خیال رکھا گیا۔ پاکستان کے معروضی حالات میں طالبات کی نسبت میڈیکل کے طلبہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ میڈیکل کی طالبات کی اکثریت فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملازمت نہیں کرتی۔ اگر کوئی خاتون ڈاکٹر ملازمت اختیار بھی کر لے تو لاہور، ملتان اور راولپنڈی جیسے بڑے شہروں سے باہر تعیناتی کے لئے بھی تیار نہیں ہوتیں۔ پنجاب میں شاید ہی کوئی بنیادی ہیلتھ مرکز ہو جہاں کوئی لیڈی ڈاکٹر کام کر رہی ہو۔ لاہور میں میو ہسپتال، جناح ہسپتال اور سروسز ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹرز کی بھرمار ہے۔ جہاں ایک کی ضرورت ہے وہاں کم از کم چار

کام کر رہی ہیں۔ گویا چار کی تنخواہ لے رہی ہیں اور کام ایک کے برابر کر رہی ہیں۔ ان کی اکثریت چونکہ غیر پیداواری ہے، اسی لئے وہ قومی خزانہ پر بوجھ ہیں۔ ہماری اعلیٰ عدالتوں کو میڈیکل کالج میں لڑکیوں کے لئے 'اوپن میرٹ' کا تصور قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ملازمتوں میں ان کی تعیناتی کے متعلق مساوات کو بھی یقینی بنایا چاہئے۔بڑے شہروں سے باہر ملازمت نہ کرنے کے لئے وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اکیلی عورت ناسازگار ماحول میں بغیر کسی محرم مرد کے کس طرح کام کرے گی؟ یہ گویا بالواسطہ اعتراف ہے اس بات کا کہ عورتیں وہ سب کام نہیں کرسکتیں جو مرد سرانجام دے سکتے ہیں۔ مگر کھلے لفظوں میں کوئی بھی خاتون یہ اعتراف کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کیونکہ اسے وہ اپنی شکست سمجھتی ہیں۔

راقم الحروف نے متعدد محکمہ جات میں خواتین کو کام کرتے دیکھا ہے، ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں ہے جو پیداواری صلاحیت کے اعتبار سے مرد ملازمین کے برابر کارکردگی کا مظاہرہ کرتی ہو۔ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جس کی خانگی زندگی بری طرح متاثر نہ ہوئی ہو۔ ایک ایسے ملک میں جہاں کے نوجوان بے روزگاری کے بحران سے دو چار ہوں، وہاں ایسے شعبہ جات میں عورتوں کی تعیناتی جہاں مرد بھی کام کرسکتے ہوں، قوم کے معاشی مسائل میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ ایک لڑکے کا بے روز گار رہنا لڑکی کے بے روزگار رہنے سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ لڑکے پر مستقبل میں ایک پورے کنبہ کی کفالت کا بوجھ پڑنا ہوتا ہے۔ جبکہ خاندان کی معاشی کفالت عورت کی سرے سے ذمہ داری ہی نہیں ہے۔

عورتوں کی ملازمت کے متعلق ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ آج کل مہنگائی کے دور میں میاں بیوی دونوں کابرسر روزگار ہونا خاندان کے مجموعی وسائل میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ بعض استثنائی صورتوں میں تو شاید یہ بات درست ہو لیکن مجموعی اعتبار سے یہ مفروضہ مغالطہ آمیز ہے۔ ایک ملازم خاتون اپنی تنخواہ سے کہیں زیادہ یا کم از کم اِس کے قریب قریب اپنے لباس کی تیاری، میک اَپ، ٹرانسپورٹ، اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے آیا کے بندوبست، گھر میں نوکرانی کی تنخواہ وغیرہ پر خرچ کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ ایک سترہ گریڈ کے افسر کی ماہانہ تنخواہ چھہزار سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جبکہ مذکورہ اخراجات اس سے کہیں زیادہ ہوجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ گھر میں عدمِ سکون، بے برکتی اور بدنظمی کا سامنا الگ کرنا پڑتا ہے۔ ایک ملازم پیشہ عورت خود بھی پریشان

ہوتی ہے اور اپنے خاوند اور بچوں کو بھی پریشان کرتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ قومی ترقی میں کوئی مثبت کردار کیسے اَدا کرسکتی ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ ملازم عورتیں اپنے خاوندوں کا بہت سارا وقت برباد کر دیتی ہیں۔ وہ دعویٰ تو 'برابری' کا کریں گی، لیکن انہیں دفتر لے جانے اور لے آنے کی ذمہ داری ان کے خاوند ہی کو نبھانی پڑے گی۔ گویا اُن کی ملازمت کی وجہ سے اُن کے خاوند بھی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر پاتے۔

ترقی یافتہ معاشروں میں معاشی ترقی کی رفتار میں ٹھہراؤ یا کمی آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں کی افرادی قوت میں نوجوان طبقہ کی تعداد میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ کام کے قابل افرادی قوت میں کمی کا سبب وہاں کی عورتوں میں بچے پیدا نہ کرنے کا رحجان ہے۔ پاکستان میں ۴۵ /فیصد آبادی پندرہ سال سے کم عمر افراد پر مبنی ہے جبکہ ترقی یافتہ ملکوں میں بوڑھوں کے تناسب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اب اگر وہ نئی صنعتیں قائم کرنا چاہیں، نئے منصوبہ جات لگانا چاہیں تو ان کے پاس مطلوبہ افرادی قوت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ، کینیڈا اور دیگر ممالک ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو درآمد کرتے ہیں اگر ان ممالک سے ایشیائی اور افریقی محنت کشوں کو نکال دیا جائے تو یہ سخت معاشی بحران سے دو چار ہوجائیں گے۔ یہ ایک تناقض فکر ہے کہ ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک میں آبادی کے اضافہ کے رحجان پر سخت تشویش میں مبتلا رہتے ہیں، لیکن ان ترقی پذیر ممالک کی اضافی آبادی ہی ہے جو اُن کی معیشت کو سنبھالے ہوئے ہے۔

امریکہ میں عورت

عالمی ذرائع ابلاغ امریکی عورت کی جو تصویر آج کل پیش کررہے ہیں، چند دہائیاں قبل امریکی سماج میں عورت کا یہ روپ ہر گزنہ تھا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ میں زبردست تحریک شروع ہوئی کہ عورتوں کو کارخانوں اور دفتروں کی ملازمت سے نکال کر واپس خانہ داری کے اُمور کی طرف راغب کیا جائے۔ امریکی دانشوروں نے عورت کے لئے ممتا کے کردار کو نہایت قابل احترام بناکر پیش کیا اور کہا کہ خانگی معاملات کو ان کی پہلی ترجیح ہونا چاہئے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں امریکہ میں اُمورِ خانہ داری پر اس قدر زور دیا گیا کہ اسے بعد کے مؤرخ Ultra-domesticityیعنی 'بے تحاشا خانہ داری' کا عشرہ کہہ کر پکارنے لگے، اور یہ بات بھی حیران کن ہے کہ یہی دور امریکی معاشرے کی خوشحالی اور معاشی ترقی کے اعتبار سے 'زرّیں دور' خیال کیا جاتا ہے۔

آج امریکہ کے سلیم الطبع دانشور جو مادر پدر آزاد نسل کے رویے سے بے حد پریشان ہیں، وہ ۱۹۵۰ء کی دہائی کو امریکی معاشرے کے لئے ماڈل (نمونہ) قرار دیتے ہیں۔

ان کا فلسفہ یہی ہے کہ گھر عورت کی جنت ہے، معاشرے کا اجتماعی سکون گھریلو ماحول کو پرسکون رکھے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے عورت کا گھر پر رہنا ضروری ہے۔ اس موضوع پر راقم کی نگاہ سے متعدد کتابیں گزری ہیں، مگر ان میں سے ایک کتاب تو ایسی ہے کہ جسے پہلی دفعہ پڑھ کر حیرت و استعجاب کے ساتھ عجیب روحانی نشاط بھی محسوس ہوا۔ اس کتاب کا عنوان ہے:

" A Lesser life: The Myth of Women's Liberation"یعنی "حیاتِ کمتر: عورتوں کی آزادی کا واہمہ"

مذکورہ کتاب کی مصنفہ ایک امریکی خاتون سلویا این ہیولٹ (Sylvia Ann Hewlett)ہیں جو برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی اور امریکہ کی ہاروڈ یونیورسٹی سے اعزاز کے ساتھ تعلیم مکمل کرچکی ہیں، وہ اکنامکس میں پی ایچ ڈی ہیں اور امریکہ کی 'اکنامک پالیسی کونسل' کی ڈائریکٹر ہیں۔ نیو یارک ٹائمز میں باقاعدگی سے لکھتی ہیں اور نصف درجن کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ میرے خیال میں وہ پاکستان کی انسانی حقوق کی علمبردار کسی بھی خاتون سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ عورتوں کی ملازمت کے حوالے سے پیش آمدہ مسائل ان کی دلچسپی کا خاص محور رہے ہیں وہ عورتوں کے حقوق کی علمبردار تو ہیں مگر 'تحریکِ آزادئ نسواں' کے نظریات سے اختلاف رکھتی ہیں کیونکہ اس تحریک نے عورتوں کے مسائل حل کرنے کی بجائے ان میں اضافہ کیا ہے۔

ہیولٹ نے اپنی اس کتاب کے ایک باب کا عنوان رکھا ہے :

" Ultra-domesticity: The return to Hearth and Home"یعنی "بے تحاشا خانہ داری؛ گھر کی طرف مراجعت"

یہ تمام کا تمام باب پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں اس سے چند ایک اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ ہیولٹ صا حبہ لکھتی ہیں:

" In the United States the picture was dramatically different. In the 1950's Women with college degrees in the child-bearing group had a lower rate of employment than any other group of Women, for the plain fact was Women with college degrees were ofien married to pros- perous men. And

in America in the fifties, if the family could afford it, the wife stayed at home."

"ریاست ہائے متحدہ کا منظر ڈرامائی طور پر مختلف تھا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں کالجوں سے فارغ التحصیل وہ نوجوان خواتین جو بچے پیدا کرنے کی عمر رکھتی تھیں، ان میں ملازمت کی شرح عورتوں کے کسی بھی دوسرے گروہ سے کم تھی۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ کالجوں سے فارغ التحصیل عورتوں کی شادیاں اکثر خوشحال مردوں سے ہوجاتی تھیں۔ پچاس کے عشرے میں اگر خاندان اس بات کا متحمل ہوتا تو بیوی گھر ہی میں رہتی تھی۔" (صفحہ:۱۵۳)

مندرجہ بالا انگریزی عبارت میں" "Stayed at homeکے الفاظ کو قرآنِ مجید کے مقدس الفاظ ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ کی روشنی میں پڑھئے تو اسلام کی آفاقی صداقتوں کے تصور سے دل سرشار ہوجاتا ہے۔ ہیولٹ ۱۹۴۵ء اور اس کے بعد امریکی عورتوں کے حالات لکھتے ہوئے بیان کرتی ہیں:

"۱۹۴۵ء میں امریکی عورتیں جتنی بااختیار تھیں، اس سے پہلے اتنی بااختیار کبھی نہ تھیں مگر جنگِ عظیم دوم کے بعد آنے والے برسوں میں ایک عجیب بات سامنے آئی۔ امریکہ جو کہ آزاد اور طاقتور عورتوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، اس پر خانہ داری کے جذبات عجیب طور پر حملہ آور ہوگئے۔ پھر یوں ہواکہ لاکھوں عورتوں نے ایسا طرزِ زندگی اپنا لیا جو مکمل طور پر خاندان اور گھر پر مرکوز تھا۔ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ عورتوں سے یہ توقع کی جاتی اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے بہترین ((Primeسال اور اپنی بہترین توانائیاں گھریلو کاموں اور ممتا کا کردار نبھانے پر صرف کریں۔

ما بعد جنگ کے یہ سال عجیب رجحان کے حامل تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی ایک عجب دور تھا، اس میں یوں ہوا کہ عورتوں نے پہلے سے نسبتاً چھوٹی عمر میں شادیاں کرنا اور بچے پیدا کرنا شروع کردیے، وہ اپنی تعلیم اور ملازمت کو بھی درمیان میں چھوڑ کر ایسا کرنے لگیں۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کی دہائیوں میں امریکی عورتوں کی شادی کرنے کی اوسط عمر ۲۳ تھی، جو ۱۹۵۰ء میں کم ہوکر ۲۰ رہ گئی۔ کسی بھی دوسرے ترقی یافتہ ملک میں شادی کرنے کی صنفی طور پر اوسط عمر اس قدر کم نہ تھی۔ شرح پیدائش میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۰ء کے آخری سالوں میں امریکہ میں شرح پیدائش میں اضافہ یورپ کے مقابلے میں دگنا جبکہ افریقہ اور انڈیا کے برابرتھا۔ یہ دور جو ۱۹۶۰ء تک رہا، اس میں تیسرے بچے کی پیدائش کی شرح دوگنی ہوگئی، چوتھے بچے کی شرح میں

تین گنا اضافہ ہوگیا۔ خاندانی زندگی سے محبت کی اس دہائی میں طلاق کی شرح کسی حد تک کم ہوگئی۔" (صفحہ ۱۵۲،۱۵۳)
ہیولٹ کے درج ذیل الفاظ پڑھ کر تو شاید قارئین کو اعتبار نہ آئے۔ آخر یہ کیونکر ہوا کہ امریکی لڑکیوں نے تعلیمی اعزازات پرمنگنی کی انگوٹھیوں کو ترجیح دینا شروع کردی۔ ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے :
"مختصراً یہ کہ ملازم پیشہ امریکی عورتیں (پروفیسر،وکلا، ڈاکٹر وغیرہ) کا تناسب ۱۹۵۰ء میں جنگ سے قبل کے سالوں کی نسبت انتہائی کم تھا اور امریکی عورتوں کا ملازمت کو بطورِ پیشہ اختیار کرنے کا رجحان اپنی یورپی بہنوں کی نسبت بہت ہی کم تھا۔ حتیٰ کہ امریکہ کے اعلیٰ درجہ کے کالجوں میں سب نوجوان طالبات کی آرزو یہ تھی کہ وہ گریجویشن کرتے ہی اعلیٰ تعلیمی اعزازات کی بجائے اپنی انگلیوں میں منگنی کی ہیرے کی انگوٹھی پہن سکیں۔ امریکی عورتیں عام طور پر بچوں کی پیدائش سے پہلے جاب کرتی تھیں یاپھر اس وقت جب ان کے بچے ہائی سکول میں داخل ہوجاتے تھے، مگر وہ ملازمتوں کو شاذ و نادر ہی مستقل پیشہ بناتی تھیں۔ امریکہ میں پچاس کی دہائی میں عورتیں اپنی بہترین توانائیاں اور خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال میں خرچ کرتی تھیں۔" (صفحہ:۱۵۳)
۱۹۵۰ء کی دہائی میں امریکی معاشرہ نسوانی فطرت کی حقیقت کی بہت حد تک عکاسی کرتا تھا۔ اس معاشرے میں خاندان اپنی بچیوں کو تعلیم اس غرض سے دلاتے تھے تاکہ ان کے رشتے اچھے گھرانوں میں ہوجائیں نہ کہ انہیں اچھی ملازمت ملے۔ پاکستان میں بھی آج بہت سے خاندان ایسے ہیں کہ اگر ان کی بچیوں کے لئے اچھے رشتے میسر آجائیں تو وہ ان کی کالج یا یونیورسٹی کی تعلیم اُدھوری چھوڑ کر شادی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ بڑی عمر کی لڑکیوں کے لئے مناسب رشتوں کا حصول ایک بہت بڑا معاشرتی مسئلہ ہے۔ امریکی مصنفہ نے تعلیمی اسناد کے مقابلے میں منگنی کی ہیرے کی انگوٹھیوں کو ترجیح دینے کی بات کرکے نوجوان طالبات کے رومانوی خوابوں کی دنیا میں اُتر کر جھانکا ہے۔ وہ کیونکہ خود ایک عورت ہیں، اسی لئے خواتین کی رومانوی ترجیحات کو بخوبی سمجھتی ہیں۔
ہیولٹ کہتی ہیں کہ جنگِ عظیم کے بعد امریکی عورتیں بہترین تعلیم یافتہ تھیں اور کسی بھی ترقی یافتہ معاشرے کی عورت کے برابر تھیں۔ تو پھر وہ پوچھتی ہیں کہ انہوں نے اپنی آزادانہ خواہشات کو ترک کرکے گھریلو زندگی کو کیوں اپنایا۔ اس کا جواب وہ خود دیتی ہیں:

"اُمور خانہ داری کی طرف یہ زبردست رجحان نتیجہ تھا حکومت کی ان پالیسیوں کا جو اس نے جنگ ِعظیم کے بعد اپنائیں۔ اس میں اہم ترین پالیسی عورتوں کے روایتی کردار کی زبردست حوصلہ افزائی تھی۔ معاشی حکمت ِعملی وضع کرنے والوں کے پیش نظر یہ بات تھی کہ عورتوں کو ترغیب دی جائے کہ جنگ کے دنوں میں انہوں نے جو کام اختیار کئے تھے، اس کو چھوڑ کر گھروں کی راہ لیں تاکہ وہ مرد جو میدانِ جنگ سے واپس آئیں ان کیلئے روزگار مہیا ہوسکے۔ ۱۹۴۶ء تک ۴۰ لاکھ سے زیادہ عورتوں کو پیداواری اداروں کی ملازمت سے چھٹی کرا دی گئی۔"

ہیولٹ لکھتی ہیں: " Both persuation and coercion were used to lure Women away from their jobs."

"عورتوں کو ملازمتوں سے دور رکھنے کیلئے ترغیب اور جبر دونوں طریقے استعمال کئے گئے۔"

امریکی حکومت نے ایک نیا قانون(G-1 Bill)متعارف کرایا جس کے ذریعے عورتوں کو ملازمت چھوڑنے پر معاشی فوائد کا لالچ دیا گیا۔ ان پالیسیوں کا نتیجہ کیا نکلا:

"نتیجتاً، امریکہ میں جنگ کے بعد کا زمانہ عظیم خوشحالی کا زمانہ تھا، ۱۹۴۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں معیشت بہت متاثر کن شرح سے ترقی کررہی تھی۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۵ء کے درمیان خام قومی پیداوار دوگنا بڑھ گئی۔ ہم اپنی تاریخ کے عظیم ترین عروج کے ادوار میں سے ایک دور میں داخل ہوگئے۔" (صفحہ :۱۵۵)

مذکورہ امریکی قانون نے چھوٹی عمر میں شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے والی عورتوں کے لئے مالی منفعت کے سامان پیدا کئے ۔ (صفحہ :۱۵۷)

ہمارے وہ دانشور جو آج عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ ہرمیدان میں کام کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور اسے معاشی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، انہیں چاہئے کہ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں امریکی معاشرے اور اس کی عدیم النظیر اس ترقی کا بھی جائزہ لیں۔

ہیولٹ نے ایک مضمون" The Tender Trap"(1955)سے اقتباس نقل کیا ہے۔ اس کی یہ سطردیکھئے:

A Women is not a Women untill She has been married and had children."

"ایک عورت جب تک شادی نہ کرے اور بچے نہ پیدا کرے وہ عورت ہی نہیں ہے۔"

وہ مزید لکھتی ہیں: ‘‘پچاس کی دہائی میں امریکی میڈیا آزادئ نسواں کی علمبردار عورتوں کو سخت تنقید کا نشانہ بناتا تھا، یہ عورتیں سابقہ سالوں کی پیشہ ور لڑکیاں تھیں۔’’

امریکہ میں تحریکِ آزادئ نسواں کو آگے بڑھانے میں بیٹی فریڈن Betty Friedan کا نام بہت معروف ہے۔ ۱۹۵۷ء میں اس نے اپنی کلاس فیلوز کے حوالہ سے ایک تحقیقی سروے کیا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیا کررہی ہیں۔ ہیولٹ نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرائیڈن کے سروے کے نتائج کو صفحہ ۱۶۰پر یوں بیان کیاہے :

‘‘۱۹۵۷ء میں بیٹی فرایڈن نے اپنی کتابThe Femine Mystique کے متعلق ریسرچ کرتے ہوئے سمتھ کالج میں ۱۹۴۲ء میں پڑھنے والی اپنی کلاس فیلوز کے متعلق سروے کیا۔ وہ چاہتی تھی کہ دیکھے اس کی ہم جماعت لڑکیاں اب کیاکررہی ہیں۔اس نے دیکھا کہ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں مکمل طور پر مائیں اور بیویاں بننے میں غرق تھیں۔ ۱۸۹ عورتوں میں سے جنہوں نے سوالنامے واپس کئے، ۱۷۹ شادی شدہ تھیں، ۶ غیر شادی شدہ، ایک بیوہ اور تین طلاق یافتہ تھیں۔ صرف ۱۱ کے بچے نہ تھے۔ اوسطاً ہر عورت کے تین بچے تھے، ۵۴ عورتوں کے ۴ یا اس سے زائد بچے تھے۔ سمتھ کالج کی ان گریجویٹ لڑکیوں کی اکثریت ‘ہاؤس وائف’ (گھرہستن) تھی۔ حتیٰ کہ وہ عورتیں جن کے بچے سکول میں تھے، انہیں بھی باہر کے ماحول میں دلچسپی کم ہی تھی، انہوں نے ۱۹۵۰ء کی دہائی کی اس دانش کو مکمل طور پر اپنی سوچ کا حصہ بنا لیاتھا جس کی رو سے فیملی اور ملازمت کو ساتھ ساتھ چلانا ممکن نہیں ہے۔ ۱۸۹ میں سے صرف ۱۲/ ایسی تھیں جو ہمہ وقتی ملازمت کرتی تھیں اور صرف ایک ہی خاتون ایسی تھی جو اپنی ملازمت کو بطورِ پیشہ اپنانے میں بے حد سنجیدہ تھی۔ چند ایک ایسی بھی تھیں جو جزوقتی کام کرتی تھیں۔’’

ہیولٹ نے اپنے مضمون کا خاتمہ’’’The Saturday Evening Postکے ۱۹۶۲ء میں شائع شدہ مضمون کی ان سطور پر کیا ہے:

To make a women completely content it takes a man, but “ the chief purpose of her life is motherhood, (p.163)

‘‘ایک عورت کو مکمل طور پر سکون کے حصول کے لئے ایک مرد کی ضرورت ہے، مگر اس کی زندگی کا بنیادی مقصد ماں کا کردار (ممتا) ہے۔’’ (صفحہ:۱۶۳)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ امریکی معاشرے کی یہ تصویر 'انسانی حقوق کے اعلامئے' (۱۹۴۸ء) کے بعد کی ہے، جس کی رو سے عورت اور مرد کو مساوی قرار دیا گیاتھا، ابھی مساوی حقوق کا 'فتنہ' برپا نہیں ہوا تھا۔
امریکہ میں ۱۹۶۰ء کی دہائی میں تحریکِ آزادئ نسواں کا دوسرا دور شروع ہوا۔ جنسی انقلاب کے سیلاب نے روایتی معاشرے کی شاندار اقدار کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ خاندانی اقدار کو نشانہ بنایا گیا۔ خاندان جو پہلے عورت کے لئے جنت تھا، اب اسے عورت کے استحصال کا ذریعہ بنا کر پیش کیا گیا۔ گھریلو زندگی کے روایتی کاموں کو دقیانوسی ظاہر کیاگیا۔ عورت کو گھر سے نکل کر مرد کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ایسے افلاطون میدان میں کود پڑے جنہوں نے جعلی تحقیقات سے یہ 'ثابت' کردکھایا کہ عورت ہر اعتبار سے مرد کے نہ صرف برابر ہے، بلکہ اس سے بہتر ہے۔ مرد کو ظالم اور بھیڑیا بنا کر پیش کیا گیا۔ نسوانیت اور حیا کو عورت کے زیور کی بجائے اس کی غلامی کی زنجیریں قرا ردیا گیا۔ مرد کی غلامی سے آزادی کے لئے عورتوں کی اقتصادی آزادی کا نعرہ لگایا گیا۔
بیٹی فرائیڈن کی کتاب"Feminine Mystique" (1963)نے عورتوں کی آزادی کے نئے تصور کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ عورتوں میں بغاوت اور تصادم کے نظریات رواج پانے لگے۔ گھروں کا سکون تلپٹ ہوگیا۔ 'عورتوں کے حقوق' کے نام پر فساد انگیزی پر مبنی لٹریچر سے بازار اَٹ گئے۔ ذرائع ابلاغ نے نئے راگ الاپنا شروع کردیئے۔ عورت کی آزادی کے علمبرداروں نے عورت کو گھر سے نکال کر منڈی کی چیز بنا دیا، اس کا استحصال کیا گیا مگر وہ اسے 'آزادی' سمجھتی رہی۔ آج امریکہ میں خاندانی ادارہ تباہی کے آخری کنارے پر ہے، ان کے دانشوروں کو سمجھ نہیں آرہی کہ اس ادارے کو تباہی سے کیونکر بچایا جائے۔ مگر یہی امریکی دانشور مسلمان ممالک کے خاندانی نظام کو تباہ کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں۔ آج یہودی منصوبہ ساز مسلمان ممالک کی پسماندگی کی وجہ یہ قرار دے رہے ہیں کہ وہاں عورتوں کو ترقی کے عمل میں شریک نہیں کیاجارہا۔ این جی اوز کے ذریعے عورتوں کے حقوق کے نام پر اُنہیں خاندان کے پرسکون ماحول سے نکالنے، ان کے اندر ممتا کا احساس ختم کرنے اور انہیں'مرد' بنانے کی سازشیں عروج پر ہیں۔ ابھی چند دن پہلے روزنامہ 'جنگ' میں حسن نثار کا کالم نگاہ سے گذرا جس میں انہوں نے عرب معاشرے کی پسماندگی کے متعلق مغربی دانشوروں کی کانفرنس کی رپورٹ

نقل کی جس میں بتایا گیا کہ عرب معاشرے اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتے جب تک وہاں کی عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام نہیں کرتیں۔!

پاکستانی عورت اور ترقی کا نصب ُالعین

'حکومت اور سیاسی عمل میں مساویانہ بنیادوں پر شرکت' تحریک حقوقِ نسواں کا شروع سے مطالبہ رہا ہے۔ خواتین کے حقوق کی علمبردار مغرب زدہ تنظیموں کا خیال ہے کہ اگر قانون ساز اداروں میں خواتین کو کم از کم ۳۳ فیصد نمائندگی مل جائے تووہ نہ صرف معاشرے میں سے صنفی امتیاز کا خاتمہ کرسکتی ہیں بلکہ خواتین کے حقوق کے منافی بنائے جانے والے قوانین کے خاتمے اور ایسے نئے قوانین کے اجرا کا راستہ بھی روک سکتی ہیں۔

پاکستان میں ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں پاکستانی خواتین کو قانون ساز اداروں میں ابتدائی طور پر ۱۷ فیصد نمائندگی سے نوازا گیا۔ اس وقت سینٹ، قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں ۲۳۳ عورتیں موجود ہیں۔ ۷۴ قومی اسمبلی میں، ۷۸ سینٹ میں؛ پنجاب اسمبلی میں ۷۳، سندھ اسمبلی میں ۳۳، سرحد اسمبلی میں ۲۳جبکہ بلوچستان اسمبلی میں خواتین کی تعداد ۱۲ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواتین کو اسمبلیوں میں اس قدر زیادہ نمائندگی دینے کے باوجود عام پاکستانی عورت کی حالت میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق روزنامہ نوائے وقت میں رفیعہ پاشا اور بشریٰ محمد نے مشترکہ طورپر تحریر کردہ اپنے مضمون میں یوں تبصرہ کیا ہے :

"اتنی بڑی تعداد میں خواتین کے اسمبلیوں میں پہنچنے کے بعد توقع تھی کہ ملک کی نصف آبادی کی نمائندہ عام عورت کے حقوق کے تحفظ اور تشدد ناانصافی سے نجات دلانے کے لئے ترجیحی بنیادوں پر یہ کام شروع کریں گی اور اسمبلیوں کے اندر پارٹی سیاست سے بالاتر ہوکر خواتین کے ایشو ز پر متحد ہوکر آواز بلند کریں گی لیکن خاتون اراکین ِاسمبلی کی ۱۵ماہ کی کارکردگی بیان بازی سے آگے نہیں بڑی اور عملی سطح پر کسی جماعت کی خواتین نے کوئی کارکردگی نہیں دکھائی۔

انتخابات سے قبل خواتین کی مختلف حقوق کی تنظیموں کی طرف سے منعقد کئے گئے پروگرام میں ہر جگہ تمام سیاسی جماعتوں کی خواتین نے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ خواتین کے ایشوز پر دباؤ کو خاطر میں نہیں لائیں گی۔ تاہم اسمبلیوں میں جانے کے بعد وہ اپنے اس عزم پر قائم نہیں رہ سکیں۔ عام پاکستانی عورت جو ظلم و تشدد، استحصال وغربت، ناخواندگی، ناانصافی، فرسودہ روایات و اقدار اور امتیازی رویوں کا شکار ہے، ہر

گزرے دن کے ساتھ اس کے دکھوں اور مصائب اور مشکلات جبکہ عورتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی تقدیر بدلنے کا نعرہ لگا کر اسمبلیوں میں نمائندگی حاصل کرنے والی خواتین کی تنخواہوں اور مراعات میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔" (نوائے وقت، ۸مارچ ۲۰۰۴ء)

وہ مزید لکھتی ہیں: "مجموعی طور پر عام عورت کو ریلیف دینے کے حوالے سے خواتین پارلیمنٹرین کی کارکردگی صفر رہی ہے۔"

ان خواتین صحافیوں کی نگاہ میں خواتین پارلیمنٹرین کی طرف سے کسی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہ ہونے کی ایک و جہ یہ بھی ہے کہ اسمبلیوں کے اندر خاتون اراکین کو مرد اراکین اسمبلی کی طرف سے شدید مخالفت اور تنقید کا سامنا ہے۔ وہ خاتون اراکین کی حیثیت مقام اور مرتبے کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں اور کسی خاتون کی طرف سے کوئی تحریک پیش کرنے یا قانون کا بل پیش ہونے پر انہیں طنز و مزاح کا نشانہ بناتے ہیں۔ (ایضاً)

ہمارے خیال میں خواتین کی اسمبلیوں میں 'صنفی کارکردگی' نہ دکھانے کا سبب مردوں کی طرف سے ان کی مخالفت یا تنقید نہیں ہے۔ اگر پاکستان میں ۱۷ فیصد کی بجائے ۷۷ فیصد خواتین کو اسمبلیوں میں بٹھا دیا جائے تب بھی ان کی یہ نمائندگی پاکستانی خواتین کی اس ترقی کے ضامن نہیں بن سکتی جس کا یہ خواب دیکھتی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ تصور ہی غلط ہے کہ سیاست میں خواتین کی عملی شرکت سے ہی عورتیں ترقی کرسکتی ہیں۔ یہ مغرب کا تصور ہے جو انہوں نے پسماندہ ممالک کیلئے پیش کیا ہے، ورنہ ان کے ہاں عورتوں کی پارلیمنٹ میں جب نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی، تب بھی وہاں کی عورت ترقی یافتہ تھی۔ امریکہ، برطانیہ ، فرانس اور جرمنی سمیت ایک بھی ترقی یافتہ ملک ایسا نہیں جہاں عورتوں کو ۳۳ فیصد نمائندگی حاصل ہو۔

پاکستان کی اسمبلیوں میں لبرل اور مغرب زدہ خواتین کے ساتھ متحدہ مجلس عمل کی خواتین اراکینِ اسمبلی بھی موجود ہیں۔ اسلامی مزاج رکھنے والی ان خواتین کی موجودگی کا اور کوئی عملی فائدہ ہو یا نہ ہو، یہ ضرور ہوا ہے کہ وہ مغرب زدہ خواتین کی طرف سے حدودآرڈیننس اور دیگر اسلامی قوانین کے خلاف کی جانے والی کوششوں کی بھرپور مزاحمت کررہی ہیں۔ انہوں نے ان مٹھی بھر افرنگ زدہ عورتوں کے اس دعویٰ کو بھی باطل ثابت کیا ہے کہ وہ تمام پاکستانی خواتین کی نمائندگی کرتی ہیں۔

پاکستانی عورتوں کی ملکی ترقی میں شانہ بشانہ کردار کی بات ہو یا عورتوں کے حقوق کے تعین کامعاملہ ہو، پاکستانی مسلمانوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ان جدید چیلنجوں کا حل مغربی معاشرے کی پیروی میں

سمجھتی ہے یا ان مسائل کے حل کے لئے اُنہیں اسلام سے رہنمائی طلب کرنی چاہئے جو کہ آفاقی دین ہے اور جس کی تعلیمات ہر زمانے کے لئے ہیں۔ اسلامی فریم ورک میں رہتے ہوئے مادّی ترقی کا حصول ہی ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔

اسلامی اقدار اور ہمارے خاندانی اداروں اور روایات کی قیمت پراگر پاکستانی عورت ترقی کی منازل طے کرتی ہے تو یہ سراسر خسارہ کی بات ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد کے فرائض مختلف قرار دیئے ہیں۔ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہی ہے، البتہ بعض استثنائی صورتوں میں وہ بعض شرائط کی تکمیل کے ساتھ گھریلو زندگی کے دائرے کے باہر بھی فرائض انجام دے سکتی ہے۔ عورتوں کے حقوق کے نام پر کام کرنے والی تنظیمیں جو رول ماڈل (نمونہ) پیش کررہی ہیں، وہ سراسر مغرب کی بھونڈی نقالی پر مبنی ہے جس کا نتیجہ معاشرتی اور خاندانی نظام کی تباہی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ پاکستانی معاشرے میں عورتوں کے حقوق کا بعض صورتوں میں خیال نہیں رکھا جاتا، مگر ان حقوق کی بازیابی کا وہ تصور اور حل بے حد خطرناک ہے جو این جی اوز پیش کررہی ہیں۔ اسلام نے حیا اور عفت کو عورت کا زیور قرار دیا ہے، اس سے محروم ہوکر کوئی عورت اسلام کی نگاہ میں 'ترقی یافتہ' نہیں ہوسکتی۔ ہمیں 'ترقی' کے وہ معیارات پیش نظر رکھنے ہوں گے جو اسلام کے اخلاقی نصب العین پر پورے اُترتے ہوں۔

امریکہ اور یورپ کی تاریخ گواہ ہے کہ مادّی ترقی کے حصول کے لئے عورتوں کامردوں کے ساتھ شانہ بشانہ شریک ہونا نہ صرف ناپسندیدہ بلکہ غیر ضروری بھی ہے۔ ملکی ترقی میں عورت کا شاندار کردار یہ ہے کہ وہ خاندانی زندگی کے نظام کو اس انداز میں سنبھال لے کہ اجتماعی طور پر معاشرہ استحکام حاصل کرے۔ خاندان کی اندرونی زندگی کو اُجاڑ کر د فتروں اور فیکٹریوں کے ماحول کو رونق بخشنے سے ترقی کا توازن قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ مغربی معاشرہ آج اسی عدمِ توازن کا شکار ہے۔ عورتیں تعلیم کی روشنی سے بھی اپنی روح کو منور کریں، انہیں صحت کی سہولیات بھی ہر ممکن حد تک پہنچائی جائیں۔ ان سے ہونے والی ناانصافی کے خاتمہ کی جدوجہد بھی ضرور کی جائے، مگر ان سب باتوں کے ساتھ ان کی پہلی ترجیح خاندانی زندگی کو استحکام بخشنا ہو۔ اگر وہ تعلیم حاصل کریں، اس کامقصد کسی فیکٹری کے چیف ایگزیکٹو کی پرائیویٹ سیکرٹری بن کر عملاً اس کی تنخواہ دار داشتہ کا کردار ادا کرنا نہ ہو، نہ ہی وہ تعلیم کو محض ملازمت کے حصول کا ذریعہ سمجھیں۔ تعلیم ایک مرد کے لئے معاش

کا ذریعہ ہوسکتی ہے، مگر عورت کو اس لئے تعلیم یافتہ ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا خیال رکھ سکے، ان میں علم کی روشنی منتقل کرسکے اور اپنے گھر کی 'چراغِ خانہ' بن کر اس کی دیواروں کو علم کی روشنی سے منور کرسکے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ عورت کو گھریلو زندگی کو اپنی پہلی ترجیح سمجھنا چاہئے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ہوکر زندگی بسر کرے ۔ آج کا معاشرہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ بڑے متمدن شہروں میں پرورش پانے والی عورتوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ کوہستانی قبائل کی عورت کی طرح زندگی بسر کریں، ایک ناقابل عمل خواہش ہوگی۔ شہری زندگی میں ایسے مواقع بھی کم نہیں ہوتے جہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے پر مجبور نہیں ہوتیں۔ گھریلو زندگی سے باہر اگر چہ عورتوں کے ہی مخصوص تعلیمی، تبلیغی، رفاہی اور سماجی حلقوں میں عورت بھرپور انداز میں شریک ہوسکتی ہے لیکن ان حلقوں میں شرکت کو اسے پیشہ ورانہ مشغولیت کی صورت ہرگز نہیں دینی چاہئے تاکہ خاندانی زندگی نظر انداز نہ ہو۔

'عورت اور ترقی' کے حوالہ سے ہمارے دانشوروں کو بہت بڑا چیلنج درپیش ہے کہ وہ ملکی ترقی میں جدید پاکستانی عورت کے کردار کے حوالہ سے ایسا فریم ورک تشکیل دیں جس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اعلیٰ انسانی قدروں کا رنگ بھرا جاسکے اور جو مرد اور عورت کے مخصوص دائرہ کار کے اس تصور کی روشنی میں پیش کیا جاسکے جس میں معاشرے کی مادّی واخلاقی دونوں طرح کی ترقی کے مقاصد کا حصول ممکن ہو۔

(9) نیک بیوی کی صفات

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

1) نیک بیوی کی پہلی صفت وہ صالحہ اور قانتہ ہو۔

صالح بیوی کی صفات میں قرآن مجید کی یہ آیت (جو سورۂ نساء میں ہے) بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو مرد کی قوّامیت حاکمیت و بالا دستی بیان فرمائی جس سے از خود یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ گھر کا نظام امن وسکون کے ساتھ تب ہی چل سکتا ہے جب اس گھر میں آنے والی عورت (بیوی) خاوند کی بالا دستی کو تسلیم کرے گی، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ

النساء – 34

’’نیک عورت فرماں بردار ہوتی ہے (اپنے رب کی بھی اور اپنے خاوند کی بھی) پوشیدہ باتوں کی حفاظت کرتی ہے بہ سبب اس کے کہ اللہ نے اس کی بھی حفاظت فرمائی ہے۔‘‘

اس میں نیک عورت کی فرماں برداری اور پوشیدہ معاملات کی حفاظت اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال، اس کے گھر اور اپنی عصمت کی حفاظت جیسی صفات کو مرد کی قوامیت کا نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو عورت مرد کی اس فطری بالا دستی کو تسلیم نہیں کرے گی، وہ نیکی اور فرماں برداری کے تقاضے بھی پورے نہیں کر سکے گی جب کہ ان تقاضوں کی ادائیگی ہی پر گھر کے امن و سکون کا انحصار ہے۔

غیبی معاملات کی حفاظت کا سبب اللہ نے یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے حقوق بھی محفوظ کر دیے ہیں اور وہ اس طرح کہ مرد کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ عورت کو حق مہر دے، اس کے نان نفقہ اور رہائش کا انتظام کرے اور اس کی دیگر ضروریات پوری کرے۔
اس قسم کی صالحہ اور قانتہ عورت کے ساتھ مرد کی زندگی نہایت خوش گوار گزرتی ہے اور حالات و معاملات میں کوئی کشیدگی اور تنائو پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جو عورت ان صفات سے محروم ہوگی تو اس کے اندر ان صفات کے بر عکس نشوز پیدا ہوگا جو مرد و عورت کے تعلقات کو نا خوشگوار بنائے رکھے گا۔
2) عورت ناشزہ نہ ہو اور اس کا مطلب
نشوز کیا ہے اور اس کا کیا حل اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے؟
اسی زیر بحث آیت میں کہا گیا ہے:
وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ
النساء – 34
’’وہ عورتیں جن سے تمہیں نشوز کا خوف ہو تو تم ان کو وعظ و نصیحت کرو اور ان کو بستروں میں الگ کردو اور ان کی سرزنش کرو۔‘‘
نشوز عربی زبان میں ارتفاع (بلندی) کو کہتے ہیں۔ یہاں اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو عورت، مرد کو بالادست سمجھنے کی بجائے، اپنی بالا دستی منوانے کی کوشش کرے گی اور اس کی اطاعت کرنے کے بجائے اپنا حکم چلائے گی اور مرد کو زیر دست رکھنے کی کوشش کرے گی تو چونکہ یہ نشوز فطرت کے خلاف ہے تو اس کا نتیجہ گھر کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا۔
اللہ تعالیٰ نے مرد کو دو وجہ سے عورت پر قوّام بنایا ہے، ایک کا تعلق وھبی صفت سے ہے کہ اس کو عورت کے مقابلے میں زیادہ قوت و توانائی اور زیادہ دماغی و ذہنی صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے، دوسری کا تعلق کسبی صفت سے ہے کہ مرد محنت کرکے عورت کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے (مہر، نان نفقہ اور دیگر ضروریات مرد کے ذمے ہے) جو عورت صالحہ، قانتہ ہوتی ہے وہ اس حقیقت کو سمجھتی ہے اور مرد کی شکر گزار اور فرماں بردار بن کر رہتی ہے اور جو صالحہ قانتہ نہ ہو، وہ عدم اطاعت اور ناشکری کا راستہ اختیار کرکے فطرت سے جنگ کرتی ہے، اس کے نتیجے میں میاں بیوی کے تعلقات میں جو ناہمواری اور ناخوش گواری پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حل یہ بتلایا ہے کہ:
(1)اس کو وعظ و نصیحت کی جائے، اس کو اللہ سے ڈرایا جائے۔

(2)یہ کار گر نہ ہو تو مرد رات کو اس کے ساتھ سونا چھوڑ دے اور رات کی حد تک علیحدگی اختیار کر لے۔
(3)یہ علیحدگی بھی اس کوسمجھنے پر آمادہ نہ کرے تو اس کو ہلکی سے مار مار لے جس سے اس کے کسی عضو کو نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ اس تادیب (سرزنش) سے مقصود اس کی اصلاح ہے نہ کہ اس کو جسمانی نقصان پہنچانا۔
(4)اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر خاندان کے لوگوں کو صورت حال سے مطلع کرکے دوحَکَم(ثالث) مقرر کیے جائیں، جو دونوں کی باتیں سن کر اس کی روشنی میں ان کا فیصلہ کریں۔
اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ نیک عورت کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ ناشزہ نہ ہو یعنی وہ خاوند کی فرماں بردار ہو نہ کہ اس کو اپنا فرماں بردار بنانے والی۔ گھر میں اس کی بالا دستی کو تسلیم کرنے والی ہو نہ کہ اپنےآپ کو بالا دست سمجھنے والی، خاوند کی بن کر رہنے والی ہو نہ کہ خاوند کو اپنا بنا کر رکھنے والی اور خاوند کے حق کو سمجھنے والی اور اس کو ادا کرنے والی ہو نہ کہ اس کے برعکس صرف اپنا ہی حق جتلانے اور منوانے والی۔
فنعوذ باللہ من ھذہ المرأۃ

3) خیر اور بھلائی کے کاموں میں خاوند کی فرماں بردار

رسول اللہ ﷺسے پوچھا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا:
اَلَّتِی تَسُرُّہُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِیعُہُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُہُ فِیمَا یَکْرَہُ فِی نَفْسِہَا وَمَالِہِ
’’وہ عورت، جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کن نظر سے دیکھے، جب خاوند اس کو کسی بات کا حکم دے تو اسے بجا لائے اور عورت اپنے نفس اور خاوند کے مال میں اس کی خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اس کے خاوند کو ناپسند ہو۔‘‘[1]

4) خاوند کا استقبال مسکراہٹ اور اچھے لباس میں کرے

اس حدیث میں فرماں برداری کے علاوہ چند اور صفات کا بھی بیان ہے ۔ ان میں ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کا رویہ اور اس کی ہیئت ایسی ہو کہ خاوند اس کو دیکھ کر باغ باغ ہوجائے۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت مسکراہٹ کے ساتھ خاوند کا استقبال کرے، منہ بنایا ہوا نہ ہو، خفگی اور ناراضی کے آثار چہرے پر نہ ہوں، غصے میں بھری ہوئی نہ ہو۔

5) اپنی عصمت و آبرو کا پورا تحفظ کرے

ایک صــــفت یہ معلوم ہوئی کہ اپنی عصــــمت و آبرو کا پورا تحفظ کرے اور کسی بھی وقت اور کسی کے ساتھ بھی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس سے خاوند کو کوئی شـــکایت پیدا ہو یا اس کی مردانہ غیرت و حمیت کے خلاف ہو۔ اســـی لیے ایک حدیث میں عورت کو یہ تاکید بھی کی گئی ہےکہ وہ گھر میں ایسے کسی شخص کو آنے کی اجازت نہ دے جس کو خاوند ناپسند کرتا ہو۔

اس حدیث کے بین السـطور سـے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں خاوند کے قریبی رشـتے دار چھوٹے بڑے بھائی (عورت کے دیور ، جیٹھ) اور اسـی طرح عورت کے قریبی رشتے دار ، اس کے ماموں زاد، چچا زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد، (جن کو آج کل کزن کہا جاتا ہے) سـے بھی پردے کا اہتمام کرے، ان سـے بے تکلف نہ ہو۔ ان سـے زیادہ بے تکلفی ، قربت اور بے پردگی نہایت خطرناک ہے جس سے اس کی عصـمت کی ردائے تقدس بھی تار تار ہوسکتی ہے۔ اس لیے حدیث میں دیور، جیٹھ وغیرہ کو موت قرار دیا گیا ہے۔

6) خاوند کے مال میں بے جا تصرف نہ کرے

ایک اور صـــفت اس حدیث میں یہ بتلائی گئی ہے کہ عورت خاوند کے مال میں ایسا تصرف نہ کرے جو خاوند کو ناپسند ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ فضـول خرچی سے اور اسـی طرح غیر ضـروری چیزوں میں پیسے خرچ کرنے سے اجتناب کرے اور ہر وقت مرد کی آمدنی کو سـامنے رکھے اور اس کے مطابق ہی اپنا بجٹ بنائے اور اسـی دائرے میں رہ کر ہی سب کچھ خرچ کرے۔ حتی کہ صـدقہ و خیرات بھی اسـی دائرے میں رہ کر کرے تاکہ خاوند کو بھی اس پر اعتراض نہ ہو اور اگر کہیں صــدقہ و خیرات زیادہ کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو خاوند سے مشورہ کرے اور اس کی اجازت کے بغیر اس طرح طاقت سـے زیادہ صـدقہ و خیرات نہ کرے جس سے گھریلو بجٹ متأثر ہویا خاوند کے لیے مشکلات کا باعث ہو۔

7) بچوں پر نہایت مہربان، خاوند کے مفادات کا خیال رکھنے والی

ایک حدیث میں بہترین اور صالح ترین عوت کی یہ دو صفات بیان ہوئی ہیں:

ُحْنَاهُ عَلٰی وَلَدٍ فِی صِغَرِهٖ وَأَرْعَاهُ عَلٰی زَوْجٍ فِی ذَاتِ یَدِهٖ

’’اپنے بچوں پر جب کہ وہ کم عمر ہوتے ہیں، بڑی مہربان اور شـــفیق اور اپنے خاوندوں کے معاملات میں ان کے مفادات کا بہت خیال رکھنے والی۔‘‘

اس حدیث سـے واضـح ہوتا ہے کہ عورت کا دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے جس میں گھریلو امور سر انجام دینے کے علاوہ، مزید دو ذمے داریوں کا بوجھ بھی اس نے اٹھانا ہے۔ ایک بچوں کی حفاظت، جس میں حمل سے

لے کر رضـــاعت تک اور اس کے بعد بھی بدوِ شـــعور تک کے مراحل ہیں۔ دوسـرے خاوند کی خدمت و اطاعت۔ گویا عورت نے بہ یک وقت تین خدمات سر انجام دینی ہیں:

(1)امور خانہ داری۔

(2)بچوں کی پرورش و نگرانی۔

(3)خاوند کی خدمت اور اس کی خواہشات کی تسکین۔

یہ تینوں خدمات اتنی عظیم ہیں کہ اس کے شـب و روز کے تمام لمحات اس میں صرف ہوجاتے ہیں یوں وہ پورے طور پر مرد کی شریک زندگی بن کر مرد کو سـکون مہیا کرتی ہے جس کی وجہ سـے مرد گھریلو معاملات سـے بے فکر ہو کر یکسوئی سے کسب معاش میں مصروف رہتا ہے۔

اسی لیے شریعت اسلامیہ نے عورت کو کسب معاش کے جھمیلوں میں ڈالنا پسـند نہیں کیا ہے کیونکہ یہ دوہری ذمے داری ہوتی کہ وہ گھر کا سـارا انتظام بھی سـنبھالے اور گھر کا نظام چلانے کے لیے سـرمایایہ بھی مہیا کرے۔ یہ ظلم ہے اسلام نے عورت کو اس ظلم سے بچایا اور کسب معاش کا مکمل ذمے دار مرد کو قرار دیا ہے۔

8) خاوند کی خدمت و اطاعت کی اہمیت و تاکید

خاوند کی خدمت و اطاعت کی اسـلام میں کتنی اہمیت اور تاکید ہے، اس کااندازہ ذیل کی چند احادیث سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺنے فرمایا:

’’اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو یقینا عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔‘[3]

دوسری حدیث میں فرمایا:

’’عورت خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔‘‘[4]

9) خاوند جب بھی بیوی کو بلائے، بلا تاخیر اس کی خواہش پوری کرے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺنے فرمایا:

’’قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺکی جان ہے، عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کرتی، اگر خاوند اس سے اپنی (ہم بستری کی) خواہش کا اظہار کرے جب کہ وہ اونٹ کے کجاوے پر بیٹھی ہو (یا رکاب ہو، کہیں جانے کے لیے گاڑی وغیرہ میں بیٹھی ہو) تب بھی اسے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔‘‘[5]

10) انکار کرنے والی عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

نبی ﷺنے فرمایا:
’’جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کردے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔‘‘
ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:
’’جب عورت اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں تا آنکہ وہ لوٹ آئے ۔‘‘[6]
آسمان والا بھی ایسی عورت سے ناراض رہتا ہے۔
نبی ﷺنے فرمایا:
وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ! مَا مِنْ رَجُلٍ یَدْعُوا اِمْرَأَتَہُ إِلٰی فِرَاشِہَا، فَتَاْبٰی عَلَیْہِ إِلَّا کَانَ الَّذِی فِی السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَیْھَا، حَتّٰی یَرْضیٰ عَنْھَا
’’قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلاتا ہے اور وہ اس کے پاس آنے سے انکار کر دیتی ہے تو آسمان والا (رب) اس پر ناراض ہوتا ہے یہاں تک کہ خاوند اس سے راضی ہوجائے۔‘‘[7]
اس مضمون کی احادیث کی بنیاد پر علماء نے کہا ہے کہ کسی شرعی عذر کے بغیر عورت کا اپنے شوہر کے بستر پر جانے سے انکار کرنا حرام ہے حتی کہ حیض کے ایام میں بھی اس کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حالت حیض میں بھی جماع کے علاوہ خاوند کو عورت سے لطف اندوز ہونے کی اجازت ہے۔
جیسے خود رسول اللہ ﷺسے بھی اس حالت میں بیویوں سے بوس و کنار (مباشرت) کرنا ثابت ہے۔
11) معصیت میں خاوند کی اطاعت کی اجازت نہیں۔
البتہ خاوند اگرعورت کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرے جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے تو معصیت الٰہی والے کاموں میں خاوند کی اطاعت نہیں بلکہ انکار ضروری ہے۔جیسے خاوند عورت کو حالت حیض میں جماع پر مجبور کرے تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ انکار کر دے اور اس کو یہ ناجائز خواہش پوری نہ کرنے دے۔
یا جیسے آج کل بہت سے لوگ اپنی بیویوں کو اپنے دوستوں کے سامنے بے پردہ آنے پر یا سرے سے بے پردہ ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ خاوند کے کہنے پر ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔
نبی ﷺکا فرمان ہے:
لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ

’’جس کام میں خالق کی معصیت ہو، وہاں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔‘‘[8]

بنا بریں کســـی بھی کام یا معاملے میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی، نہ اپنی مرضی سے اور نہ خاوند یا کسی اور کے کہنے پر۔ اس قسم کے موقع پر یعنی دین پر ثابت قدمی کی وجہ ســـے جو تکلیف یا آزمائش آئے، اس کو برداشت کیا جائے، یہ دنیا کی آزمائش آخرت کے اس عذاب کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو اللہ کی نافرمانی کے نتیجے میں مل ســـکتاہے۔

عورت مرد کی قوّامیت(حاکمیت) کو برداشت کرے۔

گھر کا نظام صحیح طریقے سے چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کو حاکم اور سرابرہ بنایا ہے کیونکہ کسی ایک کی حاکمیت اور سر براہی کے بغیر کوئی بھی نظام نہیں چل سکتا (اس کی وجوہ گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔) عورت اگر چاہتی ہے کہ وہ امن و ســـکون اور آرام و راحت کی زندکی گزارے تو اس کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہ مرد کی فطری قوامیت کو تسلیم کرے۔

اس کا ایک تقاضـــا تو یہ ہے کہ مرد اپنے حاکمانہ اختیارات کو ظلم و جبر کے لیے استعمال نہ کرے بلکہ جس طرح ایک سمجھ دار حاکم وقت (خلیفہ، بادشاہ) اپنی رعایا کے ساتھ شفقت ونرمی اورعدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے، اسی طرح مرد بھی اپنی چھوٹی سی مملکت (گھر) میں نرمی، شفقت اور عدل و انصاف سے کام لے اور عورت کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچا کر اچھی حکمرانی کی مثال قائم کر کے اللہ کو خوش کرے۔

دوسرا تقاضا یہ ہے کہ عورت مرد کی حاکمانہ حیثیت کو تسلیم کرے اور خود قوّام بننے کی سعی نہ کرے، اس سے باہم تعاون کے بجائے تصادم اور ٹکرائو پیدا ہو گا جس ســـے گھرکا ســـکون برباد ہوجائے گا۔ بعض عورتیں بعض وجوہات کی وجہ ســـے ایســـا کرتی ہیں اور مرد کے مقابلے میں ہر موقعے پر اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں جس سے اکثر و بیشتر معاملات بگڑ جاتے اور گھر برباد ہوجاتے ہیں۔ مرد کتنا بھی نرم خُو، صلح جُو اور مرنجا ں مرنج قسم کا ہو لیکن عورت کی تفوّق و برتری تسلیم کرنا اس کے لیے مشکل ہے۔ بنا بریں ظاہری حالات کے اعتبار سے چاہے عورت مرد ســـے ممتاز ہو، مثلاً وہ اونچے خاندان کی ہو، اصـــحاب حیثیت گھرانوں ســـے اس کا تعلق ہو، یا حســـن و جمال میں منفرد ہو اور مرد ان چیزوں میں اس ســـے فروتر ہو۔ تب بھی عورت کی ســـرتابی اور برتری جتلانے کی روش گھر کو برباد کر ســـکتی ہے۔ بھلائی اســـی میں ہے کہ

عورت، عورت بن کر ہی رہے، مرد بننے کی کوشش نہ کرے، ماتحتی والی تواضع ہی اختیار کرے، حاکمانہ خوا ہوں سے اپنے کو بچائے۔
من تواضع للہ رفعه الله
’’جو اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔‘‘
12) کسی کے لیے بد دعا نہ کرے۔
عورت جِبّلی طور پر کمزور ہے اسی لیے اسے صنف نازک کہا جاتا ہے۔ اس فطری کمزوری کی وجہ سے عورت جلد ہی پریشان ہوجاتی ہے اور بد دعا دینے پراتر آتی ہے۔ بچوں نے پریشان کیا تو ان کو بد دعا دینی شروع کردی ، خاوند کے رویے کی وجہ سے اس کو بد دعا دے دی، حتی کہ بعض دفعہ اپنے آپ کے لیے بھی بد دعا کر دیتی ہے۔ یہ طرز عمل یکسر غلط ہے، عورت کوہر موقعے پر صبر و تحمل ، برداشت اور حوصلہ مندی سے کام لینا چاہیے اور زبان سے اپنے لیے یا بچوں کے لیے یا خاوند یا گھر کے کسی اور فرد کے لیے ایسے بد دعا کے الفاظ نہیں نکالنے چاہئیں کہ اگر وہ اللہ کے ہاں قبول ہوگئے تو عورت پچھتانے پر مجبور ہوجائے۔ اس لیے کہ اس کی بد دعا کے نتیجے میں اگر اولاد یا خاوند یا خود اسے نقصان پہنچے گا تو اس کا خمیازہ تو اس کو بھی بھگتنا پڑے گا، ظاہر بات ہے کہ یہ رویہ دانش مندی کے خلاف ہے۔
اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
لاَ تَدْعُوْا عَلٰی أَنْفُسِكُمْ ، وَلاَ تَدْعُوا عَلٰی أَوْلاَدِكُمْ وَلاَ تَدْعُوا عَلٰی أَمْوَالِكُمْ، لَاتُوَافِقُوا مِنَ اللهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ
’’تم اپنے آپ کے لیے بد دعا نہ کرو، اپنی اولاد کے لیے بد دعا نہ کرو، اپنے مالوں کے لیے بد دعا نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری بد دعا ایسی گھڑی کو پالے جس میں اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے اسے قبول فرما لیتا ہے، تو تمھاری بد دعا تمھارے لیے قبول ہوجائے ۔‘‘[9]
13) جنتی عورتوں کی صفات سے متصف
اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنتی عورتوں کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں، جن میں بہت سی تو ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے بطور انعام خصوصی، وہ صفتیں ان کے اندر ودیعت فرمائے گا جس کی تفصیل قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ وہ صفتیں دنیا میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں، بلکہ بعض تو ممکن بھی نہیں ہیں۔
تاہم بعض صفتیں ایسی ہیں کہ ہر عورت اپنے کو ان صفات سے آراستہ (متصف) کر سکتی ہیں مثلاً :

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ
الرحمٰن – 56
(شرمیلی) نیچی نگاہ والی حوریں ہیں جنہیں ان سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا۔
(1) [قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ] کا مطلب ہے اپنی نگاہوں کو پست رکھنے والی جس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنے والی نہ ہو۔ ہر مومنہ عورت کو اپنے اندر یہ خوبی پیدا کرنی چاہیے۔ اس کا مرکز توجہ، اس کی رعنائیاں اور اس کا سب کچھ صرف اور صرف خاوند کے لیے ہو، کسی اور کی طرف اس کی توجہ مبذول نہ ہو۔
(2) [لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ](جن کو کسی انسان نے چھوا نہ جن نے) یعنی جنتی عورتوں کی طرح وہ پاک دامن ہو۔ خاوند کے علاوہ کسی بھی غیر محرم نے اسے چھوا نہ ہو ۔
(3)ایک صفت جنتی عورتوں کی یہ بیان کی گئی ہے کہ [مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ]وہ خیموں میں بند(رہنے والی) ہوں گی۔ یعنی بن سنور کر بازاروں میں، کلبوں میں پھرنے والی ، دوسرے کی باہوں میں جھولنے والی نہ ہو، بلکہ گھر کی چار دیواری میں اپنے خاوند ہی کی بن کر رہنے والی ہو۔
14) قرآن کریم میں بیان کردہ مومنہ عورتوں کی صفات
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی حسب ذیل صفات بیان فرمائی ہیں:
إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا
الأحزاب – 35
’’بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں،مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بر دار مرد اور فرماں بردار عورتیں،سچے مرد اورسچی عورتیں،صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اورعاجزی کرنے والی عورتیں،صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں،روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں،اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کررکھا ہے۔‘‘

مذکورہ صفات جس طرح ایک مومن مرد کے لیے ضروری ہیں، اسی طرح مومنہ عورتوں کو بھی ان صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر مرد کے اندر یہ صفات ہوں لیکن عورت ان سے محروم ہو تو مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی عورت کو بھی ان صفات کا حامل بنائے۔ اسی طرح اگر عورت ان صفات سے متصف ہو لیکن مرد ان سے محروم ہو تو عورت کوشش کرے کہ اس کے خاوند کے اندر بھی یہ مومنانہ صفات پیدا ہوں تاکہ دونوں ایک ساتھ جنت میں جائیں۔

15) خاوند کو تسلی دینے والی

نیک عورت کی ایک صفت یہ ہے کہ خاوند کو زندگی میں کوئی ایسا مرحلہ پیش آجائے جس سے وہ گھبرا جائے اور اندیشہ ہائے دور درازمیں مبتلا ہو جائے تو عورت اس کو تسلی دے، اس کی ڈھارس بندھائے اور اس کی خوبیوں کا ذکر کر کے اس کو اللہ سے اچھی امیدیں وابستہ کرنے کی تلقین کرے۔

نبی ﷺپر غار حرا میں جب غیر متوقع طور پر پہلی مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے اور جبرئیل نے سورہ علق کی ابتدائی آیات پڑھنے کی تلقین کی تو آپ چونکہ امیّ (غیر تعلیم یافتہ) تھے تو آپ کی زبان مبارک سے وہ الفاظ ادا نہیں ہورہے تھے اور آپ جبریل کے جواب میں یہی فرماتے تھے:

مَا اَنَا بِقَارِئ

(میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) جبریل آپ کو بھیجتے اور آپ یہی فرماتے۔ جبریل نے تین مرتبہ آپ کو بھینچا جس کے بعد آپ کی زبان مبارک پر وحی کے الفاظ جاری ہوگئے۔ اس واقعے کی اصل حقیقت آپ نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیا ہے؟ اور یہ کون شخص ہے جس نے آپ کو کچھ الفاظ پڑھانے کی کوشش کی؟ جس پر آپ ایک انجانے خوف میں مبتلا ہوگئے۔ اور آپ اسی خوف و دہشت کے عالم میں گھر تشریف لائے، آپ کے جسم پر ایک کپکپی سی کیفیت طاری تھی اور آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ،

’’مجھے کمبل اڑھادو ، مجھے کمبل اڑدھا دو۔‘‘

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اندازہ لگا لیا کہ آپ کی ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے جس سے آپ پر خوف اور دہشت کی کیفیت طاری ہوگئی ہے، اس موقعے پر ایک سمجھ دار خاتون کی طرح انھوں نے نبی ﷺکی اخلاقی خوبیوں کا تذکرہ کرکے فرمایا کہ آپ کے اندر تویہ یہ خوبیاں

ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ اچھا ہی معاملہ فرمائے گا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:
كَلَّا، وَاللهِ! مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ
’’ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی حزن و غم میں مبتلا نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، تھکے ہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کو کما کر کھلاتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق (کی راہ میں آنے والے) مصائب پر مدد کرتے ہیں۔‘‘[10]
دوسری تدبیر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ اختیار فرمائی کہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ دور جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے اور عبرانی زبان جاننے کی وجہ سے انجیل کی باتوں کا علم بھی رکھتے تھے، انھوں نے یہ ماجرا سنا جو رسول اللہ ﷺپر گزرا تھا تو انھوں نے کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ اس طرح انھوں نے بھی آپ کو تسلی بلکہ خوش خبری دی کہ یہ تو وحی و رسالت کا وہ سلسلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺان کی وفات کے بعد بھی، جب کہ آپ کے حبالۂ عقد میں متعدد ازواج مطہرات تھیں، ان کو یاد کرتے اور ان کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بعض دفعہ ان کی تعریف سن کر رشک کا شکار ہوجاتیں حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھیں۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت و کردار میں یہ سبق پنہاں ہے کہ خاوند کے ساتھ عورت کا رویہ اس طرح اخلاص و ہمدردی پر مبنی ہونا چاہیے کہ عورت اگر خاوند کی زندگی میں فوت ہوجائے تو مرد کے دل میں اس کی یادوں کا چراغ عمر بھر فروزاں رہے اور اس کو کبھی فراموش نہ کر سکے۔
16) صبر و ضبط کا نمونہ
اسی طرح عورت کو صبر و ضبط کا بھی ایسا نمونہ ہونا چاہیے جس سے مرد کو بھی حوصلہ ملے اور پہنچنے والا صدمہ برداشت کرنا آسان ہوجائے۔ غم و حزن کے موقعے پر عورت بے صبری اورعدم برداشت کا مظاہرہ کرے گی تو یہ ایک تو شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے ۔ دوسرے مرد کو بھی غلط راستے پر ڈالنے کی مجرم ہوگی۔ اس کے برعکس صبر و

ضـــبط کا مظاہرہ کرنے پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کی خوش خبری ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَـــيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّـــهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَـٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

’’اور صـبر کرنے والوں کو خوشـخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصـیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں:بے شـک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شـک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔‘‘

صبر و ضبط کا ایک مثالی نمونہ

اس کا بہترین نمونہ ایک صـــحابیہ رضـــی اللہ عنہا نے پیش کیا جس میں قیامت تک آنے والی مســـلمان عورتوں کے لیے بہترین ســـبق ہے۔ وہ ہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ اُمِّ سُلَیم رضی اللہ عنہا ۔ ان کا واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آتا ہے جسـے امام نووی رحمہ اللہ نے ریاض الصالحین میں نقل کیا ہے۔ ہم اسـے ریاض الصالحین ہی کے حوالے سـے یہاں درج کرتے ہیں واقعہ تفصـیلی ہے، اس لیے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بیمار تھا، ابوطلحہ (جب کام کاج کے لیے) باہر چلے گئے تو بیٹا فوت ہوگیا۔ جب واپس آئے تو پوچھا: میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ (ان کی اہلیہ اور بچے کی ماں) ام سُـلَیم نے کہا: وہ پہلے سـے کہیں زیادہ سـکون میں ہے پس بیوی نے ان کے سـامنے رات کا کھانا رکھا جو انھوں نے تناول فرمایاپھر بیوی سـے ہم بسـتری کی۔ جب ابوطلحہ فارغ ہوگئے تو (بیوی نے بتلایا کہ بچہ تو فوت ہوگیا ہے)۔ اب اسے دفنا دو! جب انھوں نے صبح کی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺکی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سـارا ماجرا بیان کیا آپ نے پوچھا: کیا رات کو تم نے ہم بسـتری کی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ان دونوں کے لیے برکت عطا فرما۔ (چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں، مدت مقررہ کے بعد) ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ (حضـرت انس رضـی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) مجھ سـے ابوطلحہ نے کہا: ابوطلحہ حضـــرت انس کی والدہ ام سُـلَیم کے دوسرے خاوند تھے ، یعنی حضرت انس کے سوتیلے باپ تھے۔ ام سلیم کے پہلے خاوند حضرت انس کے والد، مالک بن نضر تھے جو اسلام لانے کے بجائے شـام چلے گئے تھے اور وہیں فوت ہوگئے۔ حضـــرت انس کی والدہ

نے اس کے بعد ابوطلحہ سے نکاح کر لیا۔) اس بچے کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور کچھ کھجوریں بھی ساتھ دے دیں۔ نبی ﷺنے پوچھا: کیا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، کچھ کھجوریں ہیں۔ نبی ﷺنے وہ کھجوریں لے لیں اور ان کو منہ میں چبایا، پھر وہ اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں ڈال دیں، اور اس کو (یوں) گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔[11]

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عینیہ نے کہا: انصار کے ایک آدمی نے انھیں بتایا کہ میں نے (اس) پیدا ہونے والے (بچے) عبداللہ کی اولاد سے نو لڑکے دیکھے، سب کے سب قرآن کے قاری تھے۔ [12]

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابوطلحہ کا ایک بیٹا، جو ام سلیم کے بطن سے تھا، فوت ہوگیا تو ام سلیم نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم ابوطلحہ کو ان کے بیٹے کی بابت مت بتلانا میں خود ہی ان کو بتلاؤں گی۔ چنانچہ ابوطلحہ آئے، ام سلیم نے رات کا کھانا ان کے سامنے رکھا، انھوں نے کھایا پیا، پھر پہلے سے کہیں زیادہ بن سنور کر ان کے پاس آئیں، انھوں نے ان سے ہم بستری کی، جب ام سلیم نے دیکھا کہ وہ خوب سیر ہوگئے اور ہم بستری کر لی ہے تو کہا: اے ابوطلحہ! ذرا بتلاؤ! اگر کچھ لوگ کسی گھر والوں کو کوئی چیز عاریتہ (عارضی طور پر) دیں، پھر وہ اپنی عاریت کے طور پر دی ہوئی چیز واپس مانگیں تو کیا ان کے لیے جائز ہے کہ وہ دینے سے انکار کر دیں؟ ابوطلحہ نے جواب دیا: نہیں۔ پس ام سلیم نے کہا: تم اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ سے ثواب کی امید رکھو! (یعنی تمھارا بیٹا بھی، جو اللہ ہی کا دیا ہوا تھا،اس نے اپنی امانت واپس لے لی ہے۔) یہ سن کر وہ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: (جب میں گھر آیا تو کچھ بتلائے بغیر) تو نے مجھے یوں ہی چھوڑے رکھا حتی کہ میں ہم بستری تک سے آلودہ ہوگیا اور اس کے بعد تونے مجھے میرے بیٹے (کی وفات) کی خبر دی۔ (اس کے بعد) وہ گئے اور رسول اللہ ﷺکی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ ہوا وہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺنے سن کر دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ تم دونوں کے لیے تمھاری اس رات میں برکت عطا فرمائے۔ چنانچہ ام سلیم کو حمل قرار پا گیا۔ (راوئ حدیث حضرت انس نے بیان کیا کہ) رسول اللہ ﷺایک سفر میں تھے، حضرت ام سلیم بھی (اپنے خاوند ابوطلحہ کے ہمراہ) آپ کے ساتھ تھیں اور رسول اللہ ﷺیہ کا معمول تھا کہ جب (سفر سے) مدینہ واپس تشریف لاتے تو رات کو تشریف نہ لاتے۔ جب یہ قافلہ مدینے کے قریب پہنچا تو ام سلیم کو درد زہ (زچگی کے عین وقت جو درد ہوتا ہے) شروع ہوگیا چنانچہ ابوطلحہ ان کی خدمت کے

لیے رک گئے اور رسول اللہ ﷺنے اپنا سفر جاری رکھا۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ پھر وقتی طور پر درد زہ رک گیا اور ابوطلحہ بھی مدینہ آگئے، وہاں آ کر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، پس میری والدہ ام سلیم نے مجھے کہا: اس کو اس وقت تک کوئی دودھ نہ پلائے جب تک تم صبح صبح اسے رسول اللہ ﷺکی خدمت میں پیش نہیں کر دیتے۔ پس صبح ہوتے ہی میں اسے اٹھا کر رسول اللہ ﷺکی خدمت میں لے گیا۔ آگے باقی حدیث بیان کی (جو پہلے گزر چکی ہے)۔ [13]

اس حدیث سے ہمیں معاشرتی زندگی کے لیے بہت سی ہدایات ملتی ہیں۔ مثلاً

(1)ایک صابر و شاکر عورت کا کردار کہ بچہ فوت ہوگیا لیکن کوئی جزع فزع ، واویلا، بین اور نوحہ و ماتم نہیں کیا۔ حتی کہ خاوند جب گھر آتا ہے تو پہلے ایک خدمت گزار بیوی کی طرح خاوند کی تمام ضروریات کا اہتمام کرتی ہیں اور اس کے بعد خاوند کو ایک نہایت اچھوتے انداز سے بچے کی وفات کی اطلاع دیتی ہیں۔ جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ خاوند کی خدمت اور اسے آرام و سکون پہنچانا ایک مسلمان عورت کا اولین فرض ہے۔

(2)گھر میں خاوند کے لیے سولہ سنگھار اور زیب و زینت کا اہتمام کرنا مستحسن ہے۔

(3)ولادت کے بعد بچے کو کسی نیک آدمی کے پاس لے جا کر اس سے تحنیک کروانا(گھٹی دلوانا)چاہیے۔

(4)مصیبت میں جو اللہ کے فیصلے پر راضی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے۔

5ایسا تعریض و کنایہ(توریہ) جائز ہے جس سے دوسرا شخص مغالطے میں پڑ جائے تاہم وہ جھوٹ نہ ہو۔ وغیرہ۔

17) شکر گزار عورت

مسلمان عورت کی ایک اہم صفت شکر گزاری ہے، یعنی عسر و یسر، خوش حالی اور تنگ دستی ہر حالت میں اللہ کا بھی شکر ادا کرے اور اپنے خاوند کی بھی شکر گزار ہو۔

آج کل ہماری معیشت و معاشرت میں جو تکلفات در آئے ہیں، اس نے ہر مرد و عورت کو احساس محرومی میں مبتلا کر دیا ہے جس کی وجہ سے کلمات تشکر ہماری زبان پر آتے ہی نہیں ہیں، نہ اللہ کے لیے اور نہ خاوند اور والدین کے لیے ، حالانکہ انسان پر سب سے پہلے احسانات اللہ تعالیٰ کے ہیں، پھر والدین کے اور خاوند کے اور درجہ بدرجہ دیگر قرابت داروں کے۔ اللہ کے ساتھ ساتھ ان سب کا مرہون احسان رہنا نہایت ضروری ہے،

ورنہ انسان ناشکری میں مبتلا ہوجاتا ہے اور یہ ناشکری بہت بڑا جرم ہے اور عورتوں کی اکثریت اسی ناشکری کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنے گی۔ یہ موضوع چونکہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، لیکن بد قسمتی سے جتنی زیادہ اس کی اہمیت ہے، اتنی ہی اس سے بے اعتنائی بھی عام ہے۔ اس لیے ہم اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کرنا مناسب بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔

18) اللہ کی اور خاوند کی ناشکری، ایک بڑا جرم اور اس کا نبوی حل

عَنْ عَبْدِاللہ بْنِ عَبَّاسٍ (قَالَ فِی حَدِیثِ خُسُوفِ الشَّمْسِ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللہ ﷺ، قَالَ رَسُولُ اللہ ﷺ) وَرَأَیْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ کَالْیَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ، وَرَأَیْتُ أَکْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ، قَالُوا: لِمَ یَارَسُولَ اللہ! قَالَ بِکُفْرِهِنَّ، قِیلَ یَکْفُرْنَ بِاللہِ ؟ قَالَ یَکْفُرْنَ الْعَشِیرَ وَیَکْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْکَ شَیْئًا قَالَتْ: مَا رَأَیْتُ مِنْکَ خَیْرًا قَطّ

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺکے عہد مبارک میں سورج گرہن کا واقعہ بیان فرمایا، اس میں ہے کہ نبی ﷺنے لوگوں کوخوف کی نماز پڑھائی، اس نماز میں آپ کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کروایا گیا، نماز کے بعد آپ نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔ اس میں آپ نے فرمایا: ’’میں نے جہنم کو بھی دیکھا، اور اس جیسا (ہولناک) منظر، جو میں نے آج دیکھا، کبھی نہیں دیکھا۔ اور میں نے جہنم میں اکثریت عورتوں کی دیکھی۔ صحابہ نے پوچھا، اللہ کے رسولﷺ! اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ان کا ناشکری کرنا۔ پوچھا گیا، کیا اللہ کی ناشکری کرنا؟ آپ نے فرمایا: (نہیں) وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور اس کے احسان کو تسلیم نہیں کرتیں۔ اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ زندگی بھر احسان کرتے رہو، پھر وہ تم سے کوئی ایسی بات دیکھ لے (جو اس کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہو) تو وہ کہے گی، میں نے تو تیرے ہاں کبھی سکھ دیکھا ہی نہیں۔‘‘[14]

اس حدیث میں عورتوں کی ایک بہت بڑی کمزوری کا بیان ہے اور وہ ہے خاوند کی ناشکری۔ عورت مرد کی رفیقِ زندگی اور شریکِ سفر ہے۔ زندگی میں نشیب وفراز اور حالات میں مدّو جزر آتے رہتے ہیں۔ انصاف اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ کبھی مرد مشکلات میں پھنس جائے اور اس پر تنگ دستی کا دور آجائے، تو ایسے حالات میں بھی عورت مرد کا اسی طرح ساتھ دے جیسے خوش حالی کے دور میں وہ دیتی رہی تھی اور حرف شکایت زبان پر لا کر مرد کی دل شکنی یا اس کی مشکلات میں اضافہ نہ کرے۔

جو عورتیں اس کے برعکس رویہ اختیار کرتی ہیں اور تنگی میں بھی ان کی توجہ اپنے لباس، اپنے زیورات اور اپنی آسائشوں اور سہولتوں ہی پر رہتی ہے اور ان میں کمی آنے پر مردوں کو کو ستی اور شکوہ شکایتوں سے مردوں کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ یہ نا انصافی ہے اور خاوندوں کی ناشکری ہے، جو اللہ کو ناپسند ہے اور یہ صفت اسے اتنی ناپسند ہے کہ اس کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ ایسی عورتوں کو جہنم میں ڈال دے گا۔

بنا بریں ضرروری ہے کہ نیک خواتین، جنت میں جانے کی خواہش مند خواتین، اس حدیث رسول کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں اور کسی موقعے پر بھی خاوند کی ناشکری کریں اور نہ اللہ کی ناشکری کریں، کہ یہ دونوں ناشکریاں جہنم میں لے جانے کا باعث بن سکتی ہیں۔ بلکہ بہتر ہے کہ محرومی اور تنگ دستی کے موقعے پر نبی ﷺکی یہ حدیث سامنے رکھی جائے جس میں نبی ﷺنے فرمایا ہے۔

أُنْظُرُوا إِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَّا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ

’’ان کو دیکھو جو تم سے کمتر ہیں، ان کو مت دیکھو جو تم سے برتر ہیں۔ اس طرح تم ان نعمتوں کی جو اللہ نے تمھیں عطا کیں ہیں ناقدری نہیں کرو گے۔‘‘[15]

کمتر اور برتر دنیا کی حیثیت سے۔ یعنی دنیوی مال و اسباب یا ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سےجو تم سے برتر ہے، اسے مت دیکھو، اس طرح تمھیں جو بے شمار نعمتیں حاصل ہیں، ان کی کوئی قدر تمھاری نظر میں نہیں رہے گی اور یوں تم اللہ کی ناشکری کرو گے۔ اس کے برعکس جب تم اپنے سے کم تر یا اپنے سے بد شکل لوگوں کو دیکھو گے، تو تمھارے دل میں اللہ کی نعمتوں کا احساس پیدا ہوگا اور تم اللہ کا شکر کرو گے۔ اس مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلٰی مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلٰی مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ

’’جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور پیدائش (حسن و جمال) میں اس سے زیادہ حیثیت رکھنے والا ہو، تو وہ ایسے شخص کو بھی دیکھے جو (مذکورہ حیثیتوں کے اعتبار سے) اس سے کمتر ہو۔‘‘[16]

ایک اور حدیث میں نقطۂ نظر کے مذکورہ دونوں پہلوئوں کے نتائج کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔

حضـــرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضـــی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺنے فرمایا:
خَصْـلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيهِ كَتَبَهُ اللهُ شَـاكِرًا صَـابِرًا وَمَنْ لَّمْ تَكُونَا فِيهِ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ شَـاكِرًا وَلَا صَـابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدٰى بِهِ. وَمَنْ نَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ دُونَهُ فَحَمِدَاللهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ بِهِ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا وَ صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلٰى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا
’’دو خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ ہوں گی، اللہ تعالیٰ اسے شاکر و صابر لکھ دیتا ہے اور جس میں وہ نہیں ہوں گی، اسـے اللہ شـاکر و صـابر نہیں لکھتا۔ جوشخص اپنے دین کے معاملے میں ایسے شخص پر نظر رکھتا ہے جو اس سـے بڑھ کر ہے، پھر اس کی اقتداء کرتا ہے۔ اور دنیا کے معاملے میں اس شـخص کو دیکھتا ہے جو اس سـے کمتر حیثیت کا حامل ہے، پھر اس بات پر اللہ کی حمد کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو اس پر فضـیلت عطا کی ہے۔ (ان دو خصلتوں کے حامل شـخص کو) اللہ تعالیٰ شـاکر اور صـابر لکھ دیتا ہے۔ اور جو شخص اپنے دین کے معاملے میں اپنے سے کمتر (دیندار) کو دیکھتا ہے اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے برتر (مال دار) کو دیکھتا ہے اور پھر جو اسـے (دنیا کے مال و اسباب سـے) میسر نہیں ہے اس پر افسوس کا اظہار کرتا ہے، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نہ شاکر لکھتا ہے اور نہ صابر۔‘‘[17]
اس حدیث میں مذکورہ دو خصـلتوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کا نتیجہ بتلایا گیا ہے جس میں پہلی دو خصـــلتیں ہوں گی، وہ یقینا ایک تو دین و شـــریعت کی پابندی کا بھی زیادہ اہتمام کرے گا، کیونکہ اس کی نظر اپنے سے زیادہ متقی و پارسا شخص پر ہوگی اور وہ اسی کو نمونے کے طور پر اپنے سامنے رکھ کر اس کی اقتداء کرے گا۔ دوسرے، وہ شخص اللہ کا شکر بھی خوب ادا کرے گا کیونکہ وہ ہر وقت ان کو دیکھے گا جو اس سے بھی زیادہ محروم قسـم کے لوگ ہیں، تو قدرتی طور پر ہر وقت اس کی زبان کلمات حمد سـے تر اور اس کا دل اعتراف نعمت سـے معمور رہے گا۔ اس کے برعکس جس شخص کے اندر یہ دو خصلتیں نہیں ہوں گی، وہ ایک تو دین و شـریعت کی پابندی کا بھی زیادہ اہتمام نہیں کرے گا، کیونکہ اس کے سامنے وہ نمونے ہوں گے جو دین کے زیادہ پابند نہیں ہونگے۔ دوسـرے، یہ شخص ہر وقت اپنی محرومی ہی کا گلہ اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری ہی کرے گا، کیونکہ اس کے آئیڈیل وہ لوگ ہوں گے جو محض دنیا دار اور ہر طرح کے وسائل سے بہرہ ور ہوں گے۔

[1] سنن النسائي، حديث: 3233
[2] صحيح البخاري، حديث: 5365
[3] جامع الترمذي، جديث: 1159
[4] صحيح مسلم، حديث: 1026
[5] سنن ابن ماجہ، حديث: 1853
[6] صحيح البخاري، حديث: 5194،5193
[7] صحيح مسلم، حديث: 1436
[8] جامع الترمذي،كتاب فضـال الجهاد باب ماجاء لاطاعۃ فی معصـيۃ الخالق،معجم الكبير طبرانی170/18،حديث نمبر :381
[9] صحيح مسلم، حديث: 3009
[10] صحيح البخاري، حديث: 2
[11] صـحيح بخـاری ،كتـاب العقيقـہ،بـاب تسـميۃ المولود۔حـديـث نمبر:5470،صـحيح مسـلم،كتـاب الآداب،بـاب الاسـتهبـاب تنيـک المولود:حديث:2144
[12] صـحيح بخاری كتاب الجنائز،باب من لم يظہرحزنہ عندا لمصـيبۃ،حديث نمبر1301
[13] رياض الصـالحين، باب الصـبر، بحوالہ صـحيح البخاري، حديث: 5470,1301، و صحيح مسلم، حديث: 2144۔
[14] صحيح البخاري، كتاب النكاح باب كفران العشير وهوالزوج،وهوالخليط من لمعاشرة حديث نمبر:5197
[15] صحيح مسلم:كتاب الزهد والرقائق،حديث: 2963
[16] صـحيح البخاري:كتاب الرقائق ۔باب لينظر الی من هوا:حديث: 6490،و صحيح مسلم: كتاب الزهد والرقائق ،حديث: 2963[17] تاب صفۃ القيامۃ،باب النظر الیٰ من هوافوقہ فی الدين

(10) قربانی کے مسائل و شرائط

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قربانی کے مسائل
10 ذی الحجہ کی صبح سے لے کر13 ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک چار دن قربانی کرنا جائز ہے۔
عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ کُلُّ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ ذَبْحٌ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺسے روایت کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے تمام دن قربانی کے دن ہیں۔" اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔
جانور ذبح کرنے کے آداب:
عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللہِ ص بِحَدِّ الشِّفَارِ وَاَنْ تُوَارٰی عَنِ الْبَہَائِمِ وَقَالَ ((اِذَا ذَبَحَ اَحَدُکُمْ فَلْیُجْہِزْ)) رَوَاہُ ابْنِ مَاجَۃَ
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺنے (جانور ذبح کرنے سے قبل) چھری تیز کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ چھری کو جانور سے چھپایا جائے اور جب ذبح کرنا ہو تو جلدی جلدی ذبح کیا جائے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔
قربانی کے وقت جانور کا منہ قبلہ کی طرف کرنا مستحب ہے۔
قربانی سے قبل بِسْمِ اللہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ کہنا مسنون ہے۔
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللہِ رضی اللہ عنہما قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ ا ذَبَحَ یَوْمُ الْعِیْدِ کَبْشَیْنِ ثُمَّ قَالَ حِیْنَ وَجَّھْھُمَا اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ بِسْمِ اللہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّاُمَّتِہ۔
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺنے عید کے روز دو مینڈھے ذبح کئے۔ دونوں کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کر کے یہ آیت پڑھی میں نے اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کوپیدا کیا اور میں ہر گز مشرکوں سے نہیں ہوں۔ (سورہ انعام' آیت نمبر 78)بے شک میری نماز اور میری قربانی میرا جینا اور مرنا صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔ (سورہ انعام' آیت نمبر163,162) (مذکورہ آیت تلاوت کرنے کے بعد آپ ﷺنے یہ کلمات ارشاد فرمائے) یا اللہ! یہ جانور تو نے ہی دیا تھا اور تیرے

ہی نام پر میں نے اسے قربان کیا ہے۔ محمد ﷺاور ان کی امت کی طرف سے۔ اسے ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

وضاحت :

ایک صحیح حدیث میں یہ الفظ بھی ہیں (اللہ کے نام سے ذبح کر تا ہوں' یا اللہ اسے آل محمد اور امت محمد ﷺکی طرف سے قبول فرما۔ (ابو داؤد' کتاب الاضاحی باب مایستحب من الضحایا) لہٰذا قربانی کرتے وقت اِللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّاکے الفاظ کہنا بھی مسنون ہیں۔

- دوسرے سے قربانی کروانی جائز ہے لیکن خود کرنا افضل ہے۔

استطاعت کے مطابق ایک سے زیادہ قربانی دینا بھی مسنون ہے۔

اپنے جانور کی قربانی سے گوشت خود کھانا مسنون ہے۔

قربانی کا سارا گوشت خود استعمال کرنا ضروری نہیں۔

عَنْ جَابِرٍرضی اللہ عنہ فِیْ قِصَّۃِ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ قَالَ...ثُمَّ انْصَرِفَ اِلَی الْمَنْحَرَ فَنَحَرَ ثَلَاثًا وَّسِتِّیْنَ بِیَدِہٖ ثُمَّ اَعْطٰی عَلِیًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَکَہٗ فِیْ ھَدْیَۃٖ ثُمَّ اَمَرَ مِنْ کُلِّ بَدَنَۃٍ بِبَضْعَۃٍ فَجُعِلَتْ فِیْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَکَلاَ مِنْ لَحْمِھَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِھَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کی حدیث میں روایت ہے کہ (رمی کے بعد) نبی اکرم ﷺ قربان گاہ تشریف لائے اور تریسٹھ (63) اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح کئے۔ باقی اونٹ (37) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دئیے جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی قربانی میں شریک کیا پھر آپ ﷺ نے ہر اونٹ سے گوشت کا ٹکڑا لینے کا حکم دیا جسے ہنڈیا میں ڈال کر پکایا گیا۔ رسول اللہﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

قربانی کے لئے صحت مند اور عمدہ جانور خریدنا چاہئے۔

خصی جانور کی قربانی جائز ہے۔رسول اکرم ﷺ نے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔(صحیح ابن ماجہ)

قربانی کی بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا سنت سے ثابت نہیں۔

قربانی کے لیے 6 شروط کا ہونا ضروری ہے :

پہلی شرط :

وہ قربانی بھیمۃ الانعام میں سے ہو جوکہ اونٹ ، گائے ، بھیڑ بکری ہیں ۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے :

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّـهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ

الحج – 34

اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔
اور بھیمۃ الانعام سے مراد اونٹ گائے بھیڑ بکری ہیں عرب کے ہاں بھی یہی معروف ہے اورحسن ، قتادہ وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے ۔
دوسری شرط :
قربانی کا جانور شرعی محدود عمرکا ہونا ضروری ہے ، وہ اس طرح کہ بھیڑ کی نسل میں جذعہ یا پھر اس کے علاوہ میں سے ثنیہ ہونا ضروری ہے ۔
کیونکہ نبی ﷺکا فرمان ہے :
مسنہ (یعنی دودانت والا) کے علاوہ کوئی اورذبح نہ کرو لیکن اگر تمہیں مسنہ نہ ملے توبھیڑ کا جذعہ ذبح کرلو) صحیح مسلم ۔
مسنہ ثنیہ اوراس سے اوپروالی عمر کا ہوتا ہے اورجذعہ اس سے کم عمر کا ۔
لہٰذا اونٹ پورے پانچ برس کا ہو تووہ ثنیہ کہلائے گا ۔
گائے کی عمر دوبرس ہوتووہ ثنیہ کہلائے گی ۔
بکری جب ایک برس کی ہوتووہ ثنیہ کہلائے گی ۔
اورجذعہایک سال کے جانور کوکہتے ہیں ، لہٰذا اونٹ گائے اوربکری میں ثنیہ سے کم عمرکے جانور کی قربانی نہیں ہوگی ، اوراسی طرح بھیڑ میں سے جذعہ سے کم عمرکے جانور کی قربانی صحیح نہیں ہوگی۔
تیسری شرط :
قربانی کا جانورچار عیوب سے پاک ہونا چاہیے :
1. آنکھ میں واضح اورظاہر عیب : یعنی جس کی آنکھ بہہ چکی ہو یا پھر بٹن کی طرح باہر نکلی ہوئي ہو ، یا پھر آنکھ مکمل اورساری سفید ہوجواس کے بھینگے پن پرواضح دلالت کرتا ہے ۔
2. واضح بیمار جانور : اس سے مراد وہ بیماریاں ہیں جوجانوروں پرظاہرہوتی ہیں مثلا وہ بخار جس کی بنا پرجانور چرنا ہی ختم کردیتا ہے اوراس کے چرنے کی چاہت ہی ختم ہوجاتی ہے ، اوراسی طرح واضح اورظاہرخارش جواس کے گوشت کوخراب کردینے والی ہو ، یااس کی صحت پراثرانداز ہورہی ہو ، اورگہرا زخم جواس کی صحت پراثرانداز ہوتا ہو وغیرہ دوسری بیماریاں ۔
3. واضح طورپرپایا جانے والا لنگڑا پن : وہ لنگڑا پن جواسے سیدھا اورصحیح چلنے سے روکے اورمشکل سے دوچار کرے ۔

4. گودے کوزائل کرنے والی کمزوری : کیونکہ نبیﷺسے جب یہ پوچھا گیا کہ قربانی کا جانور کن عیوب سے صاف ہونا چاہیے تونبیﷺنے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرکےفرمایا چارعیوب سے :
وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن واضح ہو ، اورآنکھ کے عیب والا جانورجس کی آنکھ کا عیب واضح ہو ، اوربیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو، اوروہ کمزور وضعیف جانور جس کا گودا ہی نہ ہو) .اسے امام مالک رحمہ اللہ تعالی نے موطا میں براء بن عازب رضي الله تعالی عنہ سے روایت کیا ہے .
اورسنن میں براء بن عازب رضي الله تعالی عنہ ہی سے ایک روایت مروی ہے جس میں ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبیﷺہمارے اندر کھڑے ہوئے اورفرمانے لگے :
(چارقسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں) اوراسی طرح حدیث ذکر کی ہے .
علامہ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل میں اسے صحیح قرار دیا ہے ، دیکھیں حدیث نمبر (1148) .
لھٰذا یہ چارعیب ایسے ہیں جن کے پائے جانے کی بنا پرقربانی نہیں ہوتی ، اوران چارعیوب کے ساتھ اس طرح کے اوربھی عیوب ملحق ہوتے ہیں یا وہ عیوب جواس سے بھی شدید ہوں توان کے پائے جانے سے بھی قربانی نہیں ہوتی ، ہم انہیں ذیل میں ذکر کرتے ہیں :
1. اندھا پن وہ جانور جس کی آنکھوں سے نظرہی نہ آتا ہو .
2. وہ جانورجسنے اپنی طاقت سےزیادہ چر لیا ہو اس کی قربانی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک وہ صحج نہیں ہوجاتا اوراس سے خطرہ نہیں ٹل جاتا .
3. وہ جانور جسےجننے میں کوئی مشکل درپیش ہو جب تک اس سے خطرہ زائل نہ ہوجائے .
4. زخم وغیرہ لگا ہوا جانور جس سے اس کی موت واقع ہونے کا خدشہ ہوگلا گھٹ کر یا بلندی سے نیچے گر کریا اسی طرح کسی اوروجہ سے اس وقت تک ایسے جانورکی قربانی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس سے خطرہ زائل نہیں ہوجاتا .
5. کسی آفت کی وجہ سے چلنے کی سکت نہ رکھنے والا جانور .
6. اگلی یا پچھلی ٹانگوں میں سے کوئی ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہو .
جب ان چھ عیوب کوحدیث میں بیان چارعیوب کے ساتھ ملایا جائے توان کی تعداد دس ہوجائے گی .

چوتھی شرط :
وہ جانور قربانی کرنے والی کی ملکیت ہو یا پھر شریعت یا مالک کی جانب سے اجازت ملی ہو ۔
لہٰذا جوجانورملکیت میں نہ ہو اس کی قربانی صحیح نہیں ، مثلا غصب یا چوری کردہ جانور اور اسی طرح باطل اورغلط دعوے سے لیا گیا جانور ، کیونکہ اللہ تعالی کی معصیت ونافرمانی کے ساتھ اس کا تقرب حاصل نہیں ہوسکتا ۔
اورجب عادتا قربانی ہوتی ہواورنہ کرنے سے یتیم کودل آزاری ہوتی ہو تویتیم کےلیے اس کے مال سے والی کی جانب سے قربانی کرنا صحیح ہے ۔
اوراسی طرح موکل کی جانب سے وکیل اپنے موکل کی اجازت اوراس کے مال سے قربانی کرنی صحیح ہوگی۔
قربانی کوشرعی محدود شرعی وقت کے اندر اندرذبح کیا جائے ، اوریہ وقت دس ذی الحجہ کونماز عید کے بعد سے شروع ہوکرایام تشریق کے آخری دن سورج غروب ہونے تک باقی رہتا ہے ، ایام تشریق کا آخری دن ذی الحجہ کی تیرہ تاریخ بنتا ہے ، تواس طرح ذبح کرنے کے چار دن ہیں ۔
عید کے دن نماز عید کے بعد ، اوراس کے بعد تین دن یعنی گیارہ ، بارہ اورتیرہ ذی الحجہ کے ایام ،لہٰذا جس نے بھی نماز عید سے قبل ہی قربانی ذبح کرلی یا پھر تیرہ ذی الحجہ کوغروب شمس کے بعد کوئی شخص قربانی کرتا ہے تواس کی یہ قربانی صحیح نہیں ہوگی۔
اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے براء بن عازب رضي اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے :
وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمﷺنے فرمایا :
(جس نے نماز (عید) سے قبل ذبح کرلیا وہ صرف گوشت ہے جووہ اپنے اہل عیال کوپیش کررہا ہے اوراس کا قربانی سے کوئي تعلق نہیں) ۔
اورجندب بن سفیان البجلی رضي اللہ تعالی عنہ بیان کرتےہیں کہ میں نبیﷺساتھ حاضرتھا توانہوں نے فرمایا :
(جس نے نماز عید سےقبل ذبح کرلیا وہ اس کے بدلے میں دوسرا جانور ذبح کرے) ۔
اورنبیشہ ھذیلی رضي اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمﷺنے فرمایا :
(ایام تشریق کھانے پینے اوراللہ تعالی کے ذکرواذکار کے ایام ہیں) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے ۔

لیکن اگراسے ایام تشریق سے قربانی کوتاخیرکرنے کا کوئي عذر پیش آجائے مثلا اس کی قربانی کا جانور اس سے بھاگ گیا اوراس میں اس کی کوئی کوتاہی نہیں تھی اوروہ جانورایام تشریق کے بعد واپس ملے ، یااس نے کسی کوقربانی ذبح کرنے کا وکیل بنایا تووکیل اسے ذبح کرنا ہی بھول گیا اوروقت گزر گیا ، تواس عذر کی بنا پروقت گزرنے کے بعد ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ، اورنماز کے وقت میں سوئے ہوئے یابھول جانےوالے شخص پرقیاس کرتے ہوئے کہ وہ جب سوکراٹھے یا جب اسے یاد آئے تونماز ادا کرے گا ۔

اوروقت محددہ کے اندر دن یا رات میں کسی بھی وقت قربانی ذبح کی جاسکتی ہے ، قربانی دن کے وقت ذبح کرنا اولی اوربہتر ہے ، اورعید والے دن نماز عید کے خطبہ کے بعد ذبح کرنا افضل اوراولیٰ ہے ، اوراسی طرح اس کے بعدوالے دن میں یعنی جتنی جلدی ذبح کی جائے بہتراور افضل ہوگی، کیونکہ اس میں خیروبھلائی کرنے میں سبقت ہے ۔ انتھی۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

(11) اللہ کی پکڑمسلمانوں پر کب آتی ہے؟

اللہ تعالی کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ رحمت کا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ بندے گناہ درگناہ کرتے رہیں وہ تب بھی انہیں ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ اللہ تعالی چاہے تو بندوں کے گناہ پر فورا سزا دے دے مگر اسکا ڈھیل دینا بھی اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالی فرماتاہے:
وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا
الکہف :58
’’ تیرا پروردگار بہت ہی بخشش والا اور مہربانی والا ہے وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں پکڑے تو بیشک انھیں جلدی عذاب کردے، بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی ہرگز جگہ نہیں پائیں گے‘‘
یعنی اللہ تعالی عذاب دے نے میں جلدی نہیں کرتابلکہ اپنی رحمت کے معاملے کو جاری رکھتے ہوئے ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا :
وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا
فاطر45
’’اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب سخت گیری فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے سو جب ان کی میعاد آپہنچے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا‘‘
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے پاس عرش پر ایک کتاب لکھی اور اس میں یہ بات بھی لکھی:
ان رحمتی سبقت غضبی
صحیح البخاری:7422
’’بے شک میری رحمت میرے غصے پر سبقت لے گئی۔‘‘ یعنی اللہ کی رحمت اس کے غصے اور عذاب پر غالب ہے۔ اسی بات کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ
الرعد 11

’’ بے شـــک اللہ تعالی نہیں بدلتا اس (نعمت) کو جوکســـی قوم کے پاس ہے یہاں تک وہ خود بدل لیں اس کو جو ان کے دلوں میں ہے‘‘۔
یعنی ان کے دلوں میں جو ایمان اور فطرت کی نعمت ہے جب تک وہ اسے نہیں بدلتے ‘ اللہ تعالی انہیں عذاب میں گرفتار نہیں کرتا۔ یہ تمام نصـــوص اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی کا اپنے بندوں کے ساتھ سب سے پہلا جو معاملہ ہے وہ رحمت کا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالی اپنے بندوں پر اتنا رحمان و رحیم ہے تو پھر اس کا عذاب کیوں آتا ہے؟رحمت کے باجود ہم کچھ لو گوں کو عذاب میں مبتلا دیکھتے ہیں؟ اللہ کی پکڑ کب آتی ہے ؟
ارشادباری تعالی ہے:
فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ
الرخرف 55
’’ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا‘‘
غور و فکر کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کو غصہ کب آتا ہے؟ رحمت کر نے کے بجائے ‘ وہ غصب سے دو چار کیوں کرتا ہے؟قرآن و حدیث کے مطالعہ کے بعد چند ایسی صورتیں سامنے آتی ہینجن کی وجہ سے اللہ تعالی کی پکڑ آتی ہے۔ ذیل میں ہم چند صورتیں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔
1شرک:
اللہ تعالی کے غصہ اور اس کی پکڑ کا ایک بنیادی سبب ’’شرک ‘‘ ہے۔جب بندہ اللہ کے ساتھ مخلوق میں سے کسی کو شریک ٹہراتا ہے تو اللہ کو اس پر بہت غصہ اور غیرت آتی ہے۔
سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: ’’ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو میں اپنی تلوار کو ادھر ادھر موڑے بغیر سیدھی تلوار کے ساتھ اسے کو مار دونگا۔ سعد رضی اللہ عنہ کی اس بات کا نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا : ’’ تم سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت پر تعجب کرتے ہو ؟ اللہ کی قسم میں اسے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالی مجھ سے زیادہ غیور ہے۔’’اسی لیے اللہ تعالی نے ظاہری اور باطنی تمام منکرات کو حرام قرار دیا ہے۔‘‘
صحیح مسلم 1499
یعنی جس طرح ایک شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر شخص کی شراکت پر غصہ آتا ہے اسی طرح اللہ تعالی کو اپنی الوہیت میں کسی غیر

کی شراکت پر بہت غصہ آتا ہے۔ شرک کی نجاست کی بنا پر اللہ تعالی اس آدمی کی تمام نیکیاں ختم کر کے اسے دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کریگا۔ اللہ تعالی نے اسی بارے میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے صاف الفاظ میں ارشاد فرمادیا:

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

الزمر 65

’’ یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا ‘‘

شرک ایسا جرم ہے جس پر اللہ تعالی کو بہت غصہ آتا ہے۔ جو قوم اجتماعی طور پر اس کا ارتکاب کر تی ہے ، اللہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ایسی قوم پر اللہ کی پکڑ آتی ہے اور وہ تباہ و برباد کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ، فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ

الاحقاف 28,27

’’اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیناور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کرلیں ،پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھوگئے، بلکہ دراصل یہ محض جھوٹ اور بالکل بہتان تھا۔‘‘

درج بالا نصوص سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ معبودان باطلہ کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان پر اللہ کی پکڑ آتی ہے۔ ایسے لوگوں پر دنیا میں بھی مختلف صورتوں مین اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھی انھیں ہولناک عذاب کا سامنا کر نا پڑے گا۔

2 اللہ تعالی پر جھوٹ باندھنا:

دین اسلام میں جھوٹ کی بہت زیادہ مزمت بیان کی گئی ہے۔ اور جھوٹ کی جو وعیدیں بیان کی گئی ہیں وہ بھی بہت سخت قسم کی ہیں۔ مسلمان اگر آپس میں جھوٹ بولیں تو اسکی وعید الگ ہے۔ اگر کسی صحابی پر جھوٹ بولیں تو وعید الگ ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کریں تو وعید الگ ہے۔ اور اگر اللہ تعالی پر جھوٹ باندھے اور اسکی طرف منسوب

کریں تو اسکی سزا الگ ہے۔ اور جو اقوام اللہ تعالی پر جھوٹ باندھے وہ قومیں پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کریں۔ کسی وقت بھی اللہ کا عذاب ان کے پاس آسکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے پر تو کثرت سے جھوٹ بولاہی جاتا ہے ۔ اور رسول اکرم ﷺ کی طرف بھی کثرت سے جھوٹی احادیث منسوب کی جا تی ہیں۔ مگر کچھ بد بخت ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالی پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ ان کو یہ کام کر تے ہوئے ذرا بھی شرم و حیا نہیں آتی۔ جو بات انھیں اچھی لگتی ہے وہ اسے اللہ تعالی کی طرف منسوب کرکے لوگوں کو بیان کر نا شروع کر دے تے ہیں۔ خصوصا سوشل میڈیا پر اس قسم کا جھوٹ بہت زیادہ بولا جاتا ہے۔ اپنی طرف سے ایک پوسٹ تیار کر کے نیچے قرآن کی کسی سورت کا یا کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ دے دیا جاتا ہے۔ اولا تو کوئی بھی پڑھنے والا حوالہ چیک ہی نہیں کر تا۔اور اگر حوالہ تلاش کر نے لگے تو وہ حوالہ بھی غلط ہوتا ہے۔ حقیقت میں اس بات کا نہ قرآن سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی حدیث سے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں جو دلیل اور حوالے کا کونسیٹ ہے وہ بالکل ختم ہوگیا ہے۔بس مولوی صاحب نے جو بات بول دی ہے اور لکھ نے والے نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ سب ٹھیک ہے کوئی اسے حوالہ معلوم نہیں کرنا۔ اوراگر کوئی غلطی سے پوچھ بھی لے تو بزرگوں کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ فلاں نے یوں کیا فلاں نے یوں کھا فلاں بزرگ کے تجربے اور مشاہدے میں یہ بات آئی ہے فلاں کی یہ کرامات میں سے ہے اورفلاں کے یہ معجزات میں سے ہے۔ اس جاہل مولوی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ معجزات کا تعلق یہ نبیوناور رسولوں کے ساتھ ہے۔ بزرگوں پر بات ختم ہو جاتی ہے مولوی صاحب اسے آگے نہیں جاتے۔ جب لوگ دین بزرگوں کے اقوال و ارا کوبنالیں اللہ تعالی پر اس قسم کا جھوٹ باندھنا شروع کر دیں تو ان پر اللہ کو بہت غصہ آتا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کے حوالے سے اسی بات کو بیان کیا ہے۔مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو شاعر اور کاہن کہا ۔ اور یہ الزام لگایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اللہ تعالی نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا :

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقة: 44 – 46)

’’اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا تو ہم یقینا پکڑ لیتے ان کو داہنے ہاتھ سے ،پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے ‘‘

یہ اللہ تعالی کی دھمکی کسی عام شخصیت کو نہیں ہے بلکہ سید الابنیا دونونجہانوں کے سردار رسول اللہ ﷺ کو مل رہی ہے۔ اگر دنیا کا کوئی عام انسان اللہ پر جھوٹ باندھے اورمنسوب کرے اس کا کیا حال ہوگا؟ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ ایسا جرم ہے کہ اسکا ارتکاب کرنے والوں پر اللہ کا عذاب انکے سروں پر منڈلاتا رہتا ہے۔کبھی نہ کبھی اللہ کی پکڑآسکتی ہے انھیں کسی نہ کسی صورت اللہ کے عذاب کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا۔

3 فحاشی و عریانی:

ہر معاشرہ پاکیزہ بنیادوں پر قائم ہو ، یہ اسلام کی اولین ترجیح ہے۔ جس معاشرے میں فحاشی و عریانی پھیل جائے وہ معاشرہ نیست ونابود کر دیا جاتا ہے۔اسلام اپنے ماننے والوں کو پاکیزہ ماحول فراہم کرتا ہے مگر بعض اسلام دشمن عناصر اسلامی معاشرے میں فحاشی پھیلا نے کے درپے رہتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بھی فحاشی انتہا درجے کو پہنچ گئی ہے۔ ہمارے ہاں فحاشی پھیلانے میں الیکٹرانک میڈیا کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا کا بھی بڑا اہم کردار ہے۔اسلامی معاشرے میں فحاشی پھیلانا بھی ایسا فعل ہے جس پر اللہ تعالی کی پکڑ آتی ہے۔فحاشی پھیلانے والے افراد دنیا ہی میں اللہ کے عذاب سے دوچار ہو جاتے ہیں ۔ ایسے افراد کو تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۭ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

(النور19)

’’ جو لوگ مسلمانوں میں بےحیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے‘‘

رسول اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے: ’’ جب کسی بھی قوم میں فحاشی علانیہ طور پر ہونےلگتی ہیں تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گزرے ہوئے بزرگوں میں نہیں ہوتی تھیں۔‘‘

(سنن ابی دائوود 40)

جس معاشرے میں فحاشی پھیل جاتی ہے وہاں اللہ کی پکڑ کی ایک صورت طاعون جیسی بیماریاں ہیں۔ان نئی نئی بیماریوں کے بارے میں جو رائے قائم کر لی گئی ہے کہ ملاوٹ زدہ خوراک کے استعمال کی وجہ سے بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ اس اندیشے کو رد نہیں کیا جاسکتا ، تاہم اصل

سبب کچھ اور ہے ۔اسی سبب کی نشان دہی رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

4 ناپ تول میں کمی:

اللہ تعالی کی پکڑ اور عذاب کو دعوت دینے والے امور میں سے ایک امر ناپ تول میں کمی کرنا بھی ہے۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اللہ تعالی اس قوم کو مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کسی سے کوئی چیز لیتے وقت پوری پوری لینا اور دیتے وقت کم کرکے دینا ، یہ قبیح فعل شعیب علیہ السلام کی قوم بھی میں پایا جاتا تھا۔شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آئے۔ان کی اس سرکشی کی بنا پر اللہ تعالی نے ان پر دردناک عذاب نازل کیا۔ایک ہفتہ سخت گرمی پڑنے کے بعد ان پر بادلوں کا سایا کایا گیا۔جب لوگ بادلوں کو دیکھ کر ان کے سائے میں جمع ہوئے تو ان پر پانی کے بجائے آگ کے شعلوں کی بارش برسائی گئی۔یہ ان کے اس فعل کی سزا تھی جس سے وہ باز نہیں آتے تھے۔قرآن کریم نے اسے مختلف جگہ پر بیان کیا ہے۔دیکھیے: (الاعراف85،الشعراء 189)

یہ فعل قبیح مدینہ کے لوگوں میں بھی پایا جاتا تھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے توسب نے اس فعل قبیح سے توبہ کرلی۔ اور اس کے متعلق سورۃ المطففین نازل ہوئی۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ، الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَي النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ، وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ(سورۃ المطففین: 1،2،3)

’’بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں،جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں‘‘

یعنی لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ناپ تول مینڈنڈی مار کر کمی کرنا، بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے جس کا نتیجہ دنیا و آخرت کی تباہی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس کو قحط سالی ، روزگار میں تنگی اور باد شاہ کے ظلم کے ذریعے سے سزا دی جاتی ہے۔‘‘ (سنن ابن ماجۃ 4019)

5زکاۃ کی عدم ادائیگی:

اللہ تعالی کے دیے مال میں سے زکاۃ ادا کر نا اہل ایمان پر فرض ہے۔ جو لوگ سال گزر نے کے باوجود اپنے مال میں زکاۃ ادا نہیں کر تے قیامت کے دن تو انھیں عذاب ہو گا ہی البتہ دنیا میں بھی وہ اللہ کے عذاب سے دوچار

ہوں گے۔دنیا میں عذاب کی صورت یہ ہے کہ آسمان سے بارش روک دی جائے گی۔رسول اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے۔ ’’جو لوگ اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کر تے ان پر آسمان سے بارش روک دی جاتی ہے۔ اگر زمین پر چرند پرند نہ ہوتے تو ان کو کبھی بارش نہ دی جاتی۔‘‘ (سنن ابن ماجہ :4019)

یعنی اپنے مال کی زکاۃ ادا نہ کرنا ایسا جرم ہے جس پر ا للہ کی پکڑ آسکتی ہے۔

خلاصہ کلام: میں نے پانچ اسباب بیان کیے ہیں جو اللہ کے عذاب کو دعوت دے نے والے ہیں۔ ان میں سے پہلا سبب ’’شرک‘‘ ہے ۔ اب آپ غور کریں کیا ہمارا ملک شرک سے پاک ہے؟ میں کسی صوبہ کی بات نہیں کرتا کسی ڈویژن کی بات نہیں کرتا کسی ضلع کی بات نہیں کر تاکسی تحصیل کی بات نہیں کرتا آپ کوئی کالونی کوئی محلہ کوئی سیکٹر اور کوئی گلی دیکھا دیں جہاں پر اللہ کے مقابلہ میں کوئی معبود اور مشکل کشا نہ بنا رکھا ہو۔ دوسرا سبب ’’اللہ پر جھوٹ باندھنا‘‘ ہے۔ یہ جرم بھی ہمارے اندر کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ہمارا الیکٹرانک میڈیا اور خصوصا سوشل میڈیااس گناہ کبیر سے بھرا پڑا ہے۔ ہر تیسری پوسٹ ایسی ہوتی ہے جو جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ تیسرا سبب ’’ فحاشی و عریانی‘‘ہے ۔ہمارے ملک کا کوئی ایساکونا نہیں، جہاں پرفحاشی و عریانی نہیں پائی جاتی۔ ہر شہر میں تو زنا کے اڈے کھولے ہوئیں ہیں۔ چھوتھا سبب ’’ ناپ تول میں کمی کرنا ‘‘ہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹے ٹھیلے والے سے لیکربڑے سے بڑے جنرل اسٹور تک کوئی ایسا ہے جو اس فعل قبیح سے پاک ہو۔ الاما شاء اللہ۔ پانچواں سبب ’’زکاۃ ادا نہ کرنا ‘‘ ہے۔ ہمارے ملک کا کونسا ایسا تاجر ، سرمایادار، اور مال دار ہے جو صحیح معنوں میں اللہ تعالی کا حق (زکاۃ) ادا کرتا ہے۔ جب اس طرح کے گناہ ہمارے اندر پائے جائیں گے توپھر اللہ تعالی کے عذاب تو آئیں گے۔ کبھی زلزلہ کی صورت میں آئیگا کبھی قحط سالی کی صورت میں آئے گا کبھی بارش نہ آنے کی صورت میں آئے گا کبھی بارش زیادہ آنے کی صورت میں آئیگا کبھی سیلاب کی صورت مینآئے گا ،یہ سب اللہ تعالی کے عذاب کی صورتیں ہیں۔

محترم قارئیں کرام : جن گناہوں پر اللہ کی پکڑ آتی ہے ان میں سے صرف پانچ گنا ہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور گناہ بھی ہیں جن پر دنیا ہی میں اللہ کی پکڑ کا ذکر ہے۔بحیثیت مسلمان ہمیں ان تمام گناہوں سے بچ کر زندگی گزارنی چاہیے تاکہ دنیا میں بھی اللہ تعالی کے عذاب سے محفوظ

رہیں اور کل قیامت کے دن بھی سرخروہو سکیں.اللہ تعالی ہمیں ان گناہوں سے بچ نے کی توفیق عطافرمائے، آمین.

(12) دینی و دنیاوی تعلیمی اداروں کی تقسیم کیوں؟

الشیخ حافظ محمد یونس اثری حفظہ اللہ

دین اسلام دینِ مساوات ہے۔ جس میں کسی دنیاوی بنیاد پر کسی شخص کو فوقیت نہیں دی گئی ،بلکہ سب انسان ہونے کے ناطے برابر ہیں، اور اس برابری کو قرآن مجید و احادیث نبویہ میں بارہاں بیان کیا گیا ہے۔جیسا کہ سورۃ الحجرات میں ہے :

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

الحجرات – 10

’’مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔‘‘

آپ ﷺنے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:’’ کسی کالے کو گورے پر ،گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں۔‘‘ ایک حدیث میں فرمایا :

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم

’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری شکل و صورت اور مال و دولت کی جانب نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ ‘‘1

نبی ﷺ کے پاس ایک مسئلہ چوری کے حوالے سے آیا اور چوری کرنے والی عورت کا تعلق ایک اونچے گھرانے ،بنو مخزوم قبیلےسے تھا ۔ اس لئے آ پ ﷺ کے سامنے سفارش کی گئی کہ اسے معاف کردیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا:’’ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔‘‘2 آپ ﷺ کے اس فرمان میں یہ سبق موجود ہے کہ نفاذ حدود میں تقسیم و تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ دین اس قدر مساوات کے اصولوں پر قائم ہےکہ اس میں کسی بھی قسم کی طبقاتی تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں، خواہ وہ لسانی ہو یا کسی اور بنیاد پر۔اسلام کے قوانین ، اصول و ضوابط تمام افراد کے لئے ہیں۔ اور اسی طرح تعلیم کا معاملہ ہے۔ کہ قرآن مجید خود تعلیم کے حصول کی دعوت دیتا ہے، مگر اس کے حصول میں کوئی تقسیم اس طور پر نہیں کرتا کہ کسی خاص طبقہ ،علاقہ ، قوم ، ذات تک اسے محدود کردیا جائے ۔بلکہ اس کی تعلیمات میں بھی عموم ہے یعنی اس کی تعلیمات سب کے لئے ہیں اور ان تعلیمات کے حصول میں بھی عموم ہے جو چاہے سیکھے ،جہاں چاہے سیکھے، اس حوالے سے کسی قسم کی تقسیم و تفریق کا دین اسلام میں تصور تک نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں آج تعلیم کے حوالے سے دو طرز منظر عام پر آچکے ہیں۔

(1) دنیاوی تعلیم(یہ الگ بات ہے کہ امیر و غریب اور سرکاری، غیر سرکاری اور دیگر تقسیمات میں اس نظامِ تعلیم کو بھی بانٹ دیا گیاہے۔)
(2) دینی تعلیم (امیر و غریب کی تقسیم میں تو اسے بانٹا نہیں گیا۔البتہ عقائد و نظریات میں اختلاف کی بنیاد پر وجود میں آنے والے مختلف مکاتب فکر کی حیثیت سے اس میں بھی تقسیم ضرور موجود ہے۔)
آج لوگ میڈیا پر مختلف قسم کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہیں۔ کبھی نظامِ تعلیم کے حوالے سے خامیوں پر بات کی جاتی ہے،تو کبھی اس حوالے سے ہر شخص اپنی فکر کے مطابق تجاویز دیتا ہے،کبھی کوئی اس کا ذمہ دار حکومت کوٹھہراتا ہے۔تو کبھی کوئی وسائل کے رونے روتا ہے۔ اور کبھی مجموعی طور پر دینی اور دنیاوی تعلیم میں فرق کی آواز لگائی جاتی ہے۔ اور ان کے درمیان تقابل کیا جاتا ہے۔اور کوئی کھلے لفظوں میں ،کوئی غیر محسوس انداز میں دینی مدارس پر انگلیاں اٹھاتا ہے۔ مشورے و تجاویز دینے والے لوگ یہ راگ بھی الاپتے ہیں کہ یہ دنیاوی تعلیم کو دینی مدارس میں بھی ہونا چاہئے۔ یہ الگ بات ہے اس کےدوسرے رخ پر روشنی ڈالنے سے اجتناب کیا جاتا ہے،کہ اس دینی تعلیم کو کما حقہ ہر لیول ((Levelکی دنیاوی تعلیم کے ساتھ لازم ہونا چاہئے۔ بہرحال اس تمام تر گہما گہمی اور گرما گرمی میں ایک موضوع کہیں نظر نہیں آتا اور وہ یہ ہےکہ بحیثیت مسلم ہم ذرا اس موضوع کو اس نظر سے دیکھیں کہ کیا اوائل اسلام کے دور میں اس طرز کی تقسیم موجود تھی کہ ایک طرف دنیاوی یونیورسٹیاں قائم کردی جائیں اور دوسری طرف دینی مدارس؟؟اور یونیورسٹی میں وہ جائے جو یورپ سے متاثر ہے اور مدرسہ میں وہ جائے جو دین سے متاثر ہے۔ کیا اس طرح کی کوئی تقسیم موجود تھی ؟؟زیر نظر تحریر میں ان شاء اللہ ہم اسی تقسیم کی حقیقت پر روشنی ڈالیں گے۔
یہ بات واضح ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ان کالجز اور یونیورسٹیز کی تعلیمات کےمقصد کو اگر دو لفظونمیں بیان کیا جائے،تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اُن علوم و فنون کا علم جس کے ذریعے سے ہم دنیاوی طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہوناور امرِ واقع یہ ہےکہ آج یونیورسٹی کا طالب علم اسی واحد مقصد کے حصول کے لئے حد درجہ مستغرق ہے اور اس نشے میں ازسر ہی دینی تعلیم سےدوری اختیار کئے ہوئے ہے۔ اور اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ آج کا یہ یونیورسٹی کا طالب علم صرف نام کا ہی مسلمان رہ گیا اور دینی مبادیات سے بھی مکمل طور پر ناآشنا ہے۔
ہمارا یہ سوال کہ کیا اوائل زمانہ میں دینی و دنیاوی تعلیمی اداروں کی تقسیم تھی؟ جواب اس کا یہ ہےکہ اس قسم کی کوئی تقسیم نہیں تھی۔ اور نہ

ہی یہ تقسیم کسی طور صحیح ہے۔ دورِ اوائل میں مسلمان جہاں دینیات سے مکمل شـــغف رکھتے تھے، وہیں وہ دنیاوی علوم و فنون میں ، بدرجہ اتم مہارت رکھتے تھے،خواہ دنیاوی علوم و فنون سے متعلقہ کوئی بھی عنصر ہو، کسی عنصر کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان اس سے نا آشنا تھے، اور یہاں یہ بات بھی واضح کی جاتی ہے کہ دین اسلام دنیاوی علوم و فنون کو سیکھنے ،ان میں مہارت حاصل کرنے سے قطعاً نہیں روکتا، البتہ یہ ضرور ہے کہ جس علم و فن کی جو حیثیت ہے ، اسلام اس سے زیادہ اس کو حیثیت نہیں دیتا۔ مسلمانوں کا ان علوم و فنون میں بھرپور حصہ لینا، اور شریعت کا اس سے نہ روکنا اس بات کی دلیل ہے کہ دنیاوی تعلیم کو دین سے ماوراء نہیں سمجھا جا سکتا ۔مسلمانوں کا اس حوالےسے کس طرح سے حصہ رہا ہے؟ یہ درج ذیل نکات سے ثابت کئے دیتے ہیں۔

(1)مسلمانوں کی ایجادات:

ہمارے مؤقف کی تائید میں سب سے واضح مثال مسلمانوں کی ایجادات کی ہے۔ مسلمانوں کی ایجادات میں سےصرف ایک مثال جوکہ قرآن مجید سے ثابت ہونے کی وجہ سے سب سے بڑی مثال ہے اور وہ نوح علیہ السلام کی ہے جوکہ نبی بھی تھے اور نبی کی ذمہ داری دینی تربیت اور علم کو عام کرنا ہوتی ہے۔ اورنبی ہونے کے ساتھ ہی وہ ایک ایسی چیز کے مؤجد ہیں کہ ان سے پہلے اس قسم کی ایجاد کا وجود تک نہیں تھا۔اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سےاتنی بڑی کشتی بنائی تھی کہ جو نوح علیہ السلام کی قوم کے کئی افرادبلکہ مختلف مخلوقات کے جوڑے اسی کشتی میں تھے اور یہ کشتی ان سب کے لئے کافی و وافی تھی ۔تصور تو درکنار ، لوگ مذاق اڑاتے تھے، بلکہ قوم نوح کے لوگ مذاق اڑاتے ہوئے کشتی میں پاخانہ کرجاتے، مگر سیدنا نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کی اور اتنی بڑی تھی کہ مختلف مخلوقات کے جوڑے اس میں آگئے۔اور مذاق اڑانے والے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے اور سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والے اس عذاب سے محفوظ ہوگئے۔

یہاں قابل غو ر بات یہی ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام ایک نبی بھی ہیں اور ایک فن کے ماہر بھی ہیں،سائنسدان بھی ہیں۔اور یہ تو ایک ایسی ایجاد کا تذکرہ ہےجو قرآن مجید سے ثابت ہے،ورنہ مسلمانوں کی ایجادات پر مشتمل کتب منظر عام پر آچکی ہیں ۔ جس سے واضح ہوجاتا ہےکہ مسلمانوں کا اس حوالے سے بڑا حصہ رہا ہے۔ اور دین اسلام نے قطعاً اس تقسیم کی روش اختیار نہیں کی۔اور مختلف علوم و فنون کے حوالے سے مسلمانوں

نے جو مہارت حاصل کی اور اس حوالے سے دلچسپی رکھی اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔

(2)مروجہ زبان کوسیکھنا:

آج ترقی پسند لوگ مروجہ زبان انگریزی کو سیکھنے کے بڑے دلدادہ ہیں ، اور انگریزی سیکھنے سکھانے کو اس طرح سے پیش کیا جاتا ہےکہ اس زبان کو مدارس میں نہ پڑھانے کی وجہ سے مدارس پر خوب تنقید کی جاتی ہے، عرض یہ ہےکہ وقت کی مروج زبان کو اس لئے سیکھنا کہ اس کے ذریعے سے دینی و دنیوی فوائد حاصل کئے جاسکیں ،شریعت اسے اچھی نظر ہی سے دیکھتی ہے، اور خود نبی ﷺ کے دور سے اس کی اصل موجود ہے،جیسا کہ نبی ﷺ نے زید بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کی ترغیب دلائی اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جوکہ کاتب وحی بھی ہیں اور اس دور کی معروف زبان کو بھی آدھے مہینے میں سیکھ لیتے ہیں۔3

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو وقت کی مشہور زبان سیکھنے کی ترغیب دلائی تاکہ ان اقوام سے روابط اور ان تک دین اسلام بآسانی پہنچایا جاسکے نیز دیگر فوائد کو بھی حاصل کیا جاسکے۔

بعض دیگر صحابہ بھی مختلف زبانوں کو جانتے تھے اور انہوں نے مختلف زبانوں میں دین اسلام کی تبلیغ کا کام بھی کیا۔ خود نبی ﷺ نے بعض الفاظ کی اصل بتائی کہ یہ فلاں زبان کالفظ ہے۔

نبی ﷺ اور صحابہ کا دیگر زبانوں سے بھی واقفیت رکھنا یہ واضح کردیتا ہےکہ اسی بنیاد پر موجودہ دور میں مدرسے اور دنیاوی علوم کی یونیورسٹی کی تقسیم صحیح نہیں،یعنی دنیاوی علوم کی یونیورسٹی میں اس طرح کی زبانوں کو سیکھا جائے اور مدارس میں دین۔

(3)کتابت:

کئی ایک کاتبینِ وحی کتابت کے فن سے واقف تھےیہی وجہ ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی احادیث کو لکھا۔ مثلاً عبداللہ بن عمرو بن عاص ،امیر معاویہ ،علی رضی اللہ عنہم ،اور سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے احادیث زبانی یاد کیں لیکن ان کے شاگرد ہمام بن منبہ نے اسے لکھا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی کتابت کےماہر تھے۔

صحابہ کرام کا لکھنا اور نبی ﷺ کا لکھوانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ لکھنے لکھانے کا کام صحابہ جانتے تھے جو انہوں نے کسی عصری ادارے میں جاکر نہیں سیکھا تھا، اور نہ ہی اس وقت اس فن کے سیکھنے کی موجودہ مروجہ تقسیم موجود تھی۔ جس سے یہ بھی واضح ہے کہ اس

فن کو دنیاوی قرار دے کر مذہب سے بالاتر قرار نہیں دیا گیا بلکہ دین کی سب سے بڑی خدمت میں اسی فن کے ذریعے سے سہارا لیاگیا ۔

(4)ریاضیات :

جہاں تک ریاضی کی بات کی جائے تو ریاضی کی اصل بھی اسلام میں موجودہے، یہی وجہ ہے کہ صدقۃ الفطر، زکوۃ ،عشر ،رکاز اور علم وراثت کے مستقل نصاب یہ سب کے سب اس فن کے متقاضی ہیں، تویہ کیسے ہوسکتا ہے ،اسلام ان کا حکم تو دے مگر اس کے کامل طور پر ادائیگی کے لئے حساب کتاب ((calculationکی ترغیب نہ دلائے، یہی وجہ ہے کہ ایک جنگ کے موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے4 کے مقابلے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو نبی ﷺ نے قبول کیا کہ ان قیدیوں سے فدیہ لے کر اور ان کے پڑھے لکھے لوگ، ہمارے ان پڑھ افراد کو پڑھا ئیں اور پھر انہیں آزاد کردیا جائے۔

بہرحال اس واقعے سے آپ ﷺ کا اس حوالے سے خصوصی شغف رکھنا ثابت ہوا،اور ساتھ یہ بھی واضح ہواکہ اس کے سیکھنے، سکھانے کے لئے کوئی جگہوں کی تقسیم نہیں کی گئی کہ یہاں دینی علم اوروہاں دنیاوی علم ہو۔

(5)وکالت :

آج حالت یہ ہے کہ وکالت کے حوالے سے مختلف کالجز اوریونیورسٹیاں قائم ہیں ،اور ان یونیورسٹیز میں جو قوانین پڑھائے جارہے ہیں ،اغیار سے ماخوذ ہیں،اس علم کو بھی مدرسے سے علیحدہ سمجھا جاتا ہے، جس کامطلب بظاہر یہ ہے کہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ،جبکہ وکالت اور قضاء کے جو قوانین اور ضابطے اسلام نے مقرر کئے ہیں کسی اور نظام میں یہ امتیاز نظر نہیں آتا، جس کی تفصیل کو کسی اور موقع کے حوالے کئے دیتے ہیں ،یہاں ہم اس جانب توجہ دلارہے ہیں کہ اسلامی ملک میں یہ فیکلٹی((Facultyتو مدرسے کے حصے میں آنی چاہئے،جہاں بالتفصیل اسلامی نقطۂ نظر سے قضاء پر بات ہوتی ہے، مگر کوئی مدرسہ سے فارغ التحصیل طالب علم اس حیثیت کو پالے یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا، بلکہ اسے علیحدہ سے یہ پروفیشنل ڈگری حاصل کرنی پڑے گی ، اور مدرسے کو یہ حیثیت دے دی جائے ، یہ ہمارے معاشرے میں نہیں ہوسکتا۔

میرا اس ذہن کے لوگوں سے سوال ہے کہ تاریخِ اسلام پر نظر ڈالئے کہ کہیں یہ بات موجود ہے کہ فلاں قاضی (جج) فلاں عصری یونیورسٹی سے سرٹیفائیڈ ہے؟کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا ،ملے گا تو یہی فلاں قاضی صحابی، فلاں تابعی، اور فلاں قاضی فلاں امام کے شاگرد تھے۔ بلکہ یوں

کہنا چاہئے کہ قضاء کے لئے اسلام کے شرائط کچھ اورہیں، جس میں اول یہی ہے کہ دین داری اور دینی علوم میں مہارت۔لیکن ہمارے اس اسلامی ملک میں قضاء کے لئے نہ ہی دین ضروری ہے، اور نہ ہی دین داری بلکہ ضروری ہے تو بس قانون ((Lawکی کسی پروفیشنل یونیورسٹی کی ڈگری۔ اور ظاہر سی بات ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان وکلاء نے جن قوانین کی بالادستی کی بات کرنی ہے، ان تمام پر اسلام کی مہر ثبت نہیں ہے۔ جب اسلام اور وکالت و قضاء دو علیحدہ چیزیں نہیں تو عملی طور پر ان دونوں کو علیحدہ کیوں سمجھا جا رہاہے؟ وکیل و جج کے لئے بجائے اس کے کہ کسی مدرسے سے سرٹیفائیڈہونا ضروری قرار دیا جاتا ،الٹا مدرسہ میں پڑھائے جانے والے اسلامی قوانین کے ماہر عالم کو حقارت سے دیکھا جاتا ہےجو اسلامی نقطۂ نظر سے یہ صلاحیت ((Abilityرکھتا ہے کہ اسے قاضی ((Judgeہونا چاہئے تھا، یہ تقسیم اور پھر ایسی تقسیم جوکہ ظلم پر مبنی ہے، جس میں اسلامی علوم کے ماہر عالم دین کو مکمل طور پر اپنے شایان شان اعزاز سے محروم کردیا جاتاہے۔لہٰذا اسے اسلامی علوم کی ایک شاخ سمجھنا چاہئے،اور اسلامی ملک ہونے کی حیثیت سے اس میں اسلامی قوانین کا ہی نفاذ ہونا چاہئے،جوکہ موجودہ صورت حال جو تحصیلِ ڈگری کی ہی بنادی گئی ہے، اس صورت حال میں اسلامی قوانین کےنفاذ کا راستہ یوں سمجھ لیں کہ اصل جڑ سے ہی مسدود ہے۔آئیے ہم دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ قضاء و قانون دراصل اسلامی علوم کی ہی ایک شاخ ہے۔

ہر نبی اپنے دور کا قاضی بھی تھا:

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّـهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّـهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ

ص – 26

(ہم نے ان سے کہا) اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کرنا اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا ور نہ یہ بات تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روز حساب کو بھول گئے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے وظائف میں سے ایک ذمہ داری اسی قضاء کو بیان کیا ، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّـهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا

النساء – 105

’’ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ بصیرت اللہ نے آپ کو عطا کی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور آپ کو بددیانت لوگوں کی حمایت میں جھگڑا نہ کرنا چاہیے۔‘‘

ایک مقام پر فرمایا:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ

المائدۃ – 48

’’اور ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس کی جامع و نگران بھی ہے۔ لہٰذا آپ ان کے فیصلے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق ہی کیجئے اور جبکہ آپ کے پاس حق آچکا ہے تو ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیے ۔ ‘‘

عمومی طور پر اپنےبندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا

النساء – 58

’’(مسلمانو!) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو لوگ امانتوں کے حقدار ہیں انہیں یہ امانتیں ادا کردو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو ۔ اللہ تعالیٰ یقینا تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے اور وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔‘‘

اب تو نبی ﷺ کے فیصلوں پر مشتمل مستقل کتاب ’’اقضیۃ رسول اللہ ﷺ‘‘ منظر عام پر آچکی ہے۔ بلکہ خلفاء راشدین کے فیصلوں پر مشتمل کتاب بھی منظر عام پر آچکی ہے۔

اسی طرح مسلمان قاضیوں کے تذکروں پر مشتمل کتب بھی لائبریریوں کی زینت ہیں،جیسا کہ اخبار القضاۃ، کتاب الولادۃ وکتاب القضاۃ الکندی(المتوفی: بعد 355ھ)،تاریخ قضاۃ الأندلس (المرقبۃ العلیا فیمن یستحق القضاء والفتیا)اس کے مؤلف، أبو الحسن علی بن عبد اللہ بن محمد بن محمد ابن الحسن الجذامی النباہی المالقی الأندلسی (المتوفی: نحو 792ھ)، رفع الاصر عن قضاۃ مصر،اس کے مؤلف، أبو الفضل أحمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی: 852ھ)وغیرہ قضاۃ کے حوالے سے لکھی گئی کتب ہیں۔

بہرحال آج اس علم قضاء کو بھی دنیاوی علوم کی یونیورسٹیز کی رونق بنادیا گیا حالانکہ شروع ہی سے اہل اسلام اس سے وابستہ ہیں اور دین

اســـلام کا حصـــہ ہے۔ اور مدارس میں بھی کتب الحدیث اور کتب الفقہ کے ضمن میں اس موضوع کو بالتفصیل پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔

(6)سائنسی علوم اور اسلام :

سائنسی علوم اور اسلام کا باہم بڑا گہرا تعلق ہے، اور اسلام سائنسی علوم کو بھی بیان کرتا ہے، قرآن مجید ،احادیث میں ســائنســی علوم ســے متعلق نصوص موجود ہیں اور سلف صالحین کا بھی ان علوم کے ساتھ شغف رکھنا ثابت ہے۔ لہذا ہم ان علوم کے بارے میں بھی یہی کہیں گے کہ ســلف کو ان علوم سے وابستگی کے لئے علیحدہ سے یونیورسٹیاں قائم نہیں کرنا پڑیں کیونکہ انہوں نے قطعاً کلی طور پر اسے اسلام سے علیحدہ نہ جانا تھا۔قرآن اور ســائنســی علوم کا باہم براہ راســت جو تعلق ہے اس کے اثبات کے لئے ذیل میں چند ایک نصوص پیش کئے دیتے ہیں۔

(1)نباتیات:

نباتیات ،بائیولوجی کی ایک شــاخ ہے جس کا تعلق پودوں ،ان کی ســاخت و حیات سے ہے۔ قرآن مجید میں بھی نباتات کو بیان کیا گیا ہے،مثلاًسورۂ طہٰ: 53 ، سورۃ الرعد: 4 ، سورۃ الانعام: 96

(2) حیوانیات :

بائیولوجی کی ایک شاخ زولوجی ہے جس میں جانوروں کی زندگی اور نظام پر بات کی جاتی ہے، سائنس کی یہ شاخ بھی قرآن میں اس احسن انداز میں موجود ہےکہ قرآنی حیوانیات پر مشتمل مستقل کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ قرآن مجید حیوانـات کی مختلف اقســـام کو بھی بیـان کرتـا ہے اور ان کے مختلف قســم کے نظاموں کو بھی بیان کرتا ہے ۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ آج کی ســائنس کی اســاس بھی قرآنی نظریات پر ہے۔ اور یہ بات تســلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہاتھی،اونٹ، گھوڑے،خچر، گدھے، کتے، چیونٹی، کا تذکرہ موجود ہے،اور ان میں ســے بعض جانوروں کے اوصــاف بھی موجود ہیں۔ اور قرآن مجید کے ســاتھ احادیث کو ملایا جائے، تو اس حوالے ســے ایک وافر مواد منظر عام پر آســکتا ہے ،جس میں مختلف جانوروں کے حوالے ســے کســی حد تک تفاصـیل کو شـرعی نصـوص کی روشـنی میں جمع کیا جاسـکتا ہے۔ قرآن و سـنت میں جانوروں کے حوالے ســے جو مواد موجود ہے اس میں سے اشارہ کے طور پر چند ایک امثلہ ذکر کئے دیتے ہیں۔

کتے کا زبان نکال کر ہانپنے کاذکر5

کتاقےکرکےچاٹتاہے۔6

کتے کی نجاست : اسلام نےجن جانوروں کو نجس قرار دیا ہے، ان میں سے ایک جانور کتا بھی ہے، اس لئے کہ شریعت کے مطابق اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے توسات مرتبہ دھونے کا حکم ہے۔7
اونٹ کی تخلیق کاذکر 8
چوپائے جانوروں کا ذکر 9
قرآن نے خنزیر کو حرام قرار دیا۔ 10اور آج کی سائنس بھی یہی بتلاتی ہے کہ اس کا گوشت کس حد تک مضر ہے؟؟
مردار جانور اور اسلام
اسلام میں مردار جانور کھانا حرام ہے۔11 اور آج کی سائنس ثابت کرتی ہے کہ مردار جانور کا کھانا کس حد تک مضر ہے؟12
قرآن مجید نے چیونٹیوں کی بلوں اور باہم گروہ بندی کا ذکرکیا ہے۔13
بلی کا گھروں میں گھومنا اسلام نے بتایا،اور اس کے جوٹھے کو پاک قرار دیا۔14پرندوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں کیا گیاہے:15
مکڑی کے جالے اور اس کی کمزوری کو بیان کیا گیا ہے۔16
بہرحال ان تمام ادلہ سے حیاتیات کے حوالےسے قرآن مجید کی پیش کردہ معلومات کا اندازہ ہوتا ہے،جو موجودہ سائنس کے لئے ایک اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔
(3)علم الجنین
اس حوالے سے قرآن مجید جو نظریہ تخلیق کے مراحل بیان کرتا ہے۔ جسے سورۃ الحج: 5،المومنون: 14 میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس موضوع پر مشہور مناظرہ ڈاکٹر ذاکر نائک اور ڈاکٹر ولیم کیمبل کے درمیان ہوا تھا جس میں قرآنی نظریہ جنین کے بارے میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ وہ ماڈرن سائنس کے بالکل موافق ہے جبکہ بائیبل کا نظریہ اس حوالے سے کئی ایک خامیاں رکھتا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک اور ڈاکٹر ولیم کیمبل کے درمیان قرآن اور بائیبل میں سائنسی خامیوں پر بحث ہوئی، بحمداللہ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید میں کوئی سائنسی طور پر خامی نہیں ہے۔ ڈاکٹر ولیم کیمبل لاجواب ہوگیا تھا اور بائیبل میں موجود سائنسی خامیوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔
اسی طرح سائنس کی دیگرشاخوں میں سے بھی ہر ایک کا اثبات ملتا ہےاور اہل علم نے ان پر بحث کی ہے،مثلاً سمندر میں میٹھے اور کھارے پانی کا ذکر: (الرحمٰن: 19)فلکیات: سورج اور چاند کی منازل ،موسموں کا

ذکر وغیرہ، ان تمام کو یہاں جمع نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ہمارا یہ موضوع ہے۔ جو امثلہ پیش کی گئی ہیں ،ان سے ہمارا مقصود واضح ہے۔
بہرحال ان تمام تر تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام کا ایک ایک حکم ہر لحاظ سے حکمت پر مبنی ہے،حتیٰ کہ سائنس بھی اسلامی احکامات کی فرع ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ تو اسلام کا سائنسی احکامات بیان کرنااور سائنس کی تمام شاخوں کی اصل قرآن و سنت میں موجود ہونا، یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ دین اسلام میں یہ تفریق نہیں، پھر اپنے اپنے دور میں مسلمان مؤجدین، سائنسدانوں، ریاضی دانوں کا ان فنون میں مہارت رکھنا بھی واضح کردیتا ہےکہ موجودہ علوم میں دین اور سائنس کے درمیان حائل دیوار کوئی حیثیت نہیں رکھتی ، لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ اوائل اسلام سے ایک عرصہ تک یہ تفریق ہر گز نہ تھی کہ ان دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مقام ہوں اور نصاب سے لے کر طرز تعلیم اور معیار تک علیحدہ ہو،ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ آج بھی کئی ممالک اس قسم کی تقسیم سے پاک ہیں۔

(7)مسلمان سائنسدان

اسلامی نصوص میں ان سب کی اصل ہونے کے بعد یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان ان علوم سے وابستہ رہے ہیں اور ایک وافر حصہ ان علوم میں مسلمانوں کا رہا ہے،جیسا کہ کتبِ سائنس وغیرہ میں مسلمان سائنسدانوں کا تذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر:

مسلمان بائیولوجسٹ :

جابر بن حیان نے ''النباتات'' اور ''الحیوان''، نامی کتابیں بالترتیب پودوں اور جانوروں پر لکھیں۔

عبدالمالک اصمعی: نے ''الخیل'' ، الابل، الوحوش، الشاۃ، اور خلق الانسان'' اور انسانوں کی ساخت اور ان کے جسمانی افعال بیان کرنے کے لئے لکھیں
.

ابو عثمان عمر الجاحظ نے ''الحیوان'' نامی کتاب لکھی جس میں جانوروں کی 350انواع کی خصوصیات خصوصاً چونٹیوں کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

ابو القاسم الزہراوی : مشہور حکیم اور سرجن تھے اور گردے اور مثانے کی پتھری نکالنے کے لئے مشہور تھے ۔

الفارابی: یہ بھی مشہور حکیم اور سرجن تھے ، اور اپنے زمانے کی مشہورکتابوں '' کتاب النباتات '' اور ''کتاب الحیوانات '' کے مصنف تھے۔

بوعلی سینا: انہوں نے القانون اور فی الطب الشفاء جیسی کتابیں لکھیں جن میں پودوں، جانوروں اور غیر جانداراشیاء سے متعلق تحریر لکھی۔
ابن الہیثم : عرب ریاضی دان اور ماہر فلکیات تھے۔ انہوں نے ''کتاب المناظر'' اور ''میزان الحکمۃ''جیسی کتابیں تحریر کیں۔ انہوں نے بصری عمل کی تشریح کی اور یونانیوں کے بصری نظرئیے میں تصحیح (correction) بھی کی۔
کمال الدین الدمیری نے چودھویں صدی عیسوی میں ایک کتاب ''حیات الحیوان'' ترتیب دی جس میں 1000اقسام کے جانوروں کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔
علی بن عیسیٰ امراض چشم کے ماہر تھے،انہوں نے آنکھ کی ساخت، 130ا فعال اور امراض پر کام کیا۔
مسلمان کیمیا دان:
سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو کی کتاب کے مطابق کیمیا کی تاریخ میں مسلمان کیمیادانوں کا حصہ چھٹی صدی ہجری سے شروع ہوجاتا ہے۔
جابر بن حیان جوکہ بائیولوجی میں اپنا کردار ادا کرچکے ہیں۔ انہیں عام طور پر فادر آف کیمسٹری کہا جاتا ہے۔کیمیا کے حوالے سے مختلف قسم کے تجربوں کے طریقے ایجاد کئے۔
کچھ دیگر مسلمان سائنسدانوں کے نام :
البطانی جوکہ عرب ریاضی دان تھے۔
ابن زہر جوکہ عرب طبعیات کے ماہرتھے۔ثابت ابن قراء جوکہ عرب ریاضی دان تھے۔اور ماہر طبیعیات ، ماہر فلکیات،اور اسٹیٹس کے بھی فاؤنڈر ہیں۔
جابر بن حیان: پہلے عرب کیمیا دان ہیں۔
اسی طرح ابن رشد،محمد ابن موسیٰ الخوارزمی،عمر خیام اور ابن اسحاق الکندی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔17
بہرحال اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ علوم و فنون اور اسلام دو چیزوں کانام نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلاف میں سے انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و دیگر سلف صالحین ان علوم سے وابستہ رہے ہیں اور ان ادوار میں دین و دنیا کو اس طرح سے قطعاً دو نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا، بلکہ ایک ہی چھت تلے ایک ہی قسم کامعلم ومدرس دونوں قسم کے علوم پر کامل دسترس رکھتا تھا۔ ہمارے ان سات نکات سے واضح ہوگیا کہ اوائل زمانہ میں مروجہ تقسیم نہ تھی، بلکہ مسلمان دینیات پر کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ ان علوم و فنون میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ جس سے یہ

واضح ہے کہ اس طرح کی کوئی تقسیم نہ تھی، بلکہ برصغیر میں ایک عرصے تک اسکول کے لئے مدرسہ کا لفظ استعمال کیا جاتا رہا ہے، جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ اس سے پہلے تک مروجہ تقسیم موجود نہ تھی، بہرحال رفتہ جیسے جیسے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی یورپ سے روابط بڑھانے اور میڈ ان یورپ ((Made In Europeوالی ترقی کو ترجیح دینا شروع کی بس یہیں سے خطِ امتیاز شروع ہوا، جس نے مسلمانوں کو دو قسم کی سوچوں میں بانٹ دیا ، ایک وہ جو جدیدیت کی ترویج چاہتے تھے، اور میڈ ان یورپ ترقی سے متاثر تھے، اور دوسرے وہ جنہوں نے اس مخدوع قسم کی ترقی پر دینی تعلیمات کو اختیار کیا اور اس کے حصول میں کمر بستہ ہوگئے ،رفتہ رفتہ دونوں قسم کی تعلیمات کے علیحدہ علیحدہ مراکز قائم ہوگئے،اب یہ صورت کیا روپ اختیار کرچکی ہے سب کے سامنے ہے،اسکول ہر طرح کی مذہبی پابندیوں سے آزاد اور مدارس پھر مزید مکاتب فکر کی تقسیمات میں بٹ گئے۔ اوراسکولوں کو مکمل طور پر چلانے کے لئے محکمہ تعلیم موجود اور دوسری طرف مدارس کے معاملات وزارت مذہبی امور کے سپرد کردئیے گئے، یعنی حکومتی سطح پر مدارس کا کوئی پرسان حال نہیں ،اس کےمقابل میں سعودیہ کی مثال لے لیں۔ ایک عرب ویب سائٹ کے مطابق 2010/10/28کی رپورٹ یہ ہے کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق سعودی عرب میں مجموعی طور پر 24 ہزار 450 حفظ قرآن کے نجی مدارس موجود ہیں جن میں لاکھوں بچے حفظ قران کریم کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ان مدارس میں قراء اساتذہ کی تعداد 20 ہزار 919 ہے۔ بچوں کی بڑھتی تعداد کے تناسب سے مدرسین کی یہ تعداد ناکافی سمجھی جا رہی ہے۔

دوسری جانب حفظ قرآن کریم کے کل 23 ہزار 364 حکومتی مدارس کام کر رہے ہیں۔ ان سرکاری اور نجی مدارس میں طلبہ وطالبات کو قرآن کریم حفظ کرایا جاتا ہے۔18

اس رپورٹ میں سعودی حکومت کے ایک قابلِ تحسین عمل کا ذکر ہے کہ وہ مدارس کو بھی سرکاری سطح پر چلا رہے ہیں۔

دینی و دنیاوی تعلیم میں موجودہ تقسیم کےنقصانات :

موجودہ صورت حال کو صرف بنظر طائر ہی دیکھیں تو کئی ایک نقصانات کی وجہ مذکورہ تفریق و تقسیم ہی معلوم ہوتی ہے،جیساکہ چند ایک نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

علماء کا دائرہ کار محدود ہوگیا اور وہ مساجد و مدارس تک محدود ہوکر رہ گئے جبکہ ان کے شایان شان یہ تھا کہ وہ ہر حرفت و صنعت اور شعبہ ہائے زندگی کے رؤوساء میں ہوتے۔
اسی طرح اس تقسیم نے نئی نسل کو اسلام سے دور کردیا ، اس لئے کہ عصری کالجز اور یونیورسٹیز اسلامی تعلیم کو کما حقہ نئی نسل تک پہنچانے میں اب تک عاجز و ناکام ہیں۔ اور نہ ہی وہ اسے اپنا کام سمجھتے ہیں۔
کالجز اور یونیورسٹیز تعلیم و شعور کے مراکز ہونے کے باوجود کئی ایک برائیوں ، فتنوں اور جرائم کی آماجگاہ بن گئے، اخبارات جس کے شاہد ہیں۔
ان کالجز اور یونیورسٹیوں میں ایسے عناصر کو تقویت ملی ، جو اسلام کے مقابلے میں ایک علیحدہ سوچ اور نظریہ رکھتے ہیں۔
اور یہی ایک سبب نئی نسل کی اخلاقی تخریب کا بھی ہے۔
کالجز اور یونرسٹیوں کے طلباء کے آئیڈیلز مسلم ہیروز کے بجائے فلم اسٹار ،سنگرز، یورپ کے پاپولر افراد بن گئے۔
ملالہ کا واقعہ کیا رخ اختیار کئے ہوئےہے؟ اور اس حوالے سے ملکِ پاکستان کیا نقصان اٹھا چکا ہے اور مزید خدشات ہیں، اگر مذکورہ تقسیم نہ ہوتی،تو شاید یہ واقعہ(جوکہ بعض خبروں کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا لگتا ہےکہ یہ دراصل ایک طے شدہ ڈرامہ تھا) قطعاً اس طرح کا ڈرامہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوتا۔
دور حاضر میں آئیڈیل اسلامی تعلیمی نظام کیسے ممکن ہے؟
دور حاضر میں معاملہ یہ ہے کہ موجودہ تقسیم کو ختم کرنا اب ایک خواب ہی ہے،البتہ اب بھی ایسے اقدامات کئے جاسکتے ہیں کہ جن کے ذیعے سے یہ تقسیم ازسر ختم ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر:
اسکولز کو مذہب سے بالاتر نہ سمجھا جائے۔بلکہ ان میں قرآن مجیداور دیگرمبادیات و ضروریاتِ دین کی مکمل تعلیم دی جائے۔
اور کسی بھی عصری تعلیمی ادارے کے ایڈمنسٹریشن وغیرہ کی اہلیت کے لئے باعمل مسلمان اور اسلامی تعلیمات سے آشنائی کی شرط سب سے اول نمبر پر ہو۔
اسکول میں موجودلازمی مضمون اسلامیات نہ ہونے کے برابر ہے،یہی وجہ ہے کہ اسلامی علوم کو حاصل کرنے کے لئے مدارس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔
اسکول دراصل غیر اردو لفظ ہے اور اردو میں اسی معنی میں برصغیر میں مدرسہ کا لفظ استعمال کیاجاتا رہا ہے۔ لہذا لوگوں کو یہ شعور دلایا جائے کہ

عرف میں جو اصطلاح اختیار کرچکے ہیں وہ تفریق کسی طور پر صحیح نہیں۔
اسکولز کے ٹیچرز مسلمان ،باشرع اور تعلیماتِ اسلامیہ سے بہراور ہوں تاکہ وہ باقی معاملات میں شریعت سے دور ی اختیار نہ کریں جو نئی نسل میں بگاڑ کا سبب بنے،دور حاضر میں اسکول کے ٹیچرز کے حوالے سے اس طرح کی کوئی شرط نظر نہیں آتی، جس کی وجہ سے نئی نسل بڑی تیزی سے اسلام سے دور ہوتی جارہی ہے۔
تمام اسکولوں کا معیار یکساں اور اسلامی خطوط پر مبنی ہو۔
اقلیتوں کے لئے اسلامیات سے استثناء کسی طور صحیح نہیں بلکہ ایک اسلامی ملک مینرہنے کا پاس کرتے ہوئے ،اورپھر اس ملک کے قانون کو اختیار کرتے ہوئے،اسی ملک سے تعلیم حاصل کرنے کا لحاظ کرتے ہوئے ان اقلیتوں پر یہ لازم قرار دیا جائے کہ وہ اسلامیات کو بھی دوسرے مضامین کی طرح پڑھیں۔ جس کافائدہ یہ ہوگا کہ جب ان کے سامنے اسلام کا تعارف اور علم آئے گا تو وہ اسلام کو قبول کریں گے۔ اگر استثناء ہی دے دی جائے تو اسلامی دعوت کو ان تک کیسے پہنچایا جائے گا۔ بلکہ اسلام اور مزید یہ کہ ایسی اقلیتوں کے لئے اسلام کے تعارف اور دیگر ادیان سے تقابل پر مبنی مستقل اور لازمی مضمون ((Subjectہونا چاہئے۔
اب دیکھا جارہا ہے کہ بعض اسکول اسلامی نصاب بناتے ہیں اور اسی کو سامنے رکھتے ہوئے اسکول سسٹم چلتا ہے،اگر ہماری مذکورہ بالا اصلاحات کو قبول کیا جائے،تو اس قسم کی نصاب سازی کی ضرورت نہیں رہے گی، بلکہ مدارس کے بھی علیحدہ قیام کی ضرورت نہ رہے گی کیونکہ پھر ہر مدرسہ اسکول ہوگا اور ہر اسکول مدرسہ ہوگا۔ البتہ موجودہ صورتحال میں جو لوگ اسلامی خطوط پر اسکول کی تعلیم کو فروغ دینےکی کوششیں کررہے ہیں اور اس طرز پر اسکول قائم کئے جارہے ہیں ان کا یہ کام قابلِ تحسین ہے۔
بہرحال دعا ہے کہ ایسا دن آئے اور تعلیمی میدان میں یہ تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں کہ ہر اسکول اسلام کا قلعہ ہو اور وہاں بیک وقت اسلام اور جدید علوم و فنون پڑھائے جائیں۔ اور اسکول پھر کالج اور پھر یونیورسٹی سے پڑھ کر آنے والا طالبعلم صرف انجینئر، ڈاکٹریا محض کسی اور دنیاوی علم و فن سے آشنا نہ ہو بلکہ وہ ایک ڈاکٹر ،انجینئر وغیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ قاری ،حافظ ،مفتی ، فارغ التحصیل عالم بھی ہو۔ اور اگر ایسی فضاء بن جاتی ہے تو یقیناً یہ فضاء بڑی آئیڈیل اور لائق تحسین ہوگی۔ ایسی صورت میں بھی ہم یہ ضرور کہیں گے کہ کم از کم مدارس کے ساتھ ایسی

زیادتی نہ کی جائے کہ اس کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو، بلکہ اس کا بھی ایک ایسا بورڈ ہو جسے مکاتب فکر کے ہاتھ میں نہ دیا جائے بلکہ گورنمنٹ ہی کے ہاتھ میں دیا جائے، اور گورنمنٹ تمام تر مفادات سے بالا تر ہوکر صرف ایک ہی اساسی ضابطہ بنائے جوکہ قرآن و سنت ہے،کہ یہ بورڈ قرآن و سنت کی اتباع((Followکرے گا۔ اور کسی مکتبہ فکر کو نہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں ہی ایسے مراجع ہیں کہ جس کا کو ئی مکتبہ فکر انکار نہیں کرسکتا۔ اور پھر جس طرح سیکنڈری، انٹرمیڈیٹ پوزیشنوں اور اچھے نمبروں والے طلباء ممبر شپ اور بھاری انعامات کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو ان مدارس کےلئے بھی ایسا سلسلہ کیا جائے اور جس طرح اسکولوں کے لئے باقاعدہ ایک بجٹ میں سے ایک مخصوص حصہ ہوتا ہے، ان مدارس کے لئے بھی مخصوص حصہ ہونا چاہئے،بلکہ اگر یہ تقسیم بر قرار ہی رکھنی ہے تو مدارس کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے وہ تمام جدید سہولیات بھی فراہم کی جائیں جو اسکولوں کو میسر ہیں۔دینی مدارس میں عصری علوم کی تعلیم کا راگ الاپنے والے اگر دین اور ان طلباء کے ساتھ مخلص ہیں تو پھر انہیں اسی جڑ کی نشاندہی اور اس کے خاتمے کی بات کرنی چاہئے۔

آخر میں دعا ہے کہ اس ملک میں ایسا نظامِ تعلیم آئے جو ساری دنیا کے لئے آئیڈیل بن جائے۔

و صلی اللہ علی نبینا و علی آلہ و صحبہ وسلم

1صحیح مسلم: 2564

2صحیح بخاری: 4304

3جامع ترمذی: 2715

4وہ رائے یہ تھی کہ ہر کافر کو اس کا قریبی رشتہ دار مسلمان قتل کرے،تاکہ یہ جان لیں کہ اسلام کی ہمارے دلوں میں کیا حیثیت ہے۔

5الاعراف: 176

6بخاری:2589،مسلم :1622،ابوداؤد :3539،ترمذی : 2132، نسائی:3703 ، ابن ماجہ :2377 مسند احمد :2/493

7صحیح بخاری : 172، کتاب الوضوء ، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان

8الغاشیہ :17

9ھود: 6، نور: 45

10البقرة: 173، المائدة: 3، النحل : 115
11البقرة: 173، المائدة: 3، النحل : 115
12تفصیل کے لئے دیکھئے : اسلام اور سائنس ڈاکٹرذاکر نائک کے خطاب پر مشمل کتابچہ
13النمل: 18
14سنن ابی داؤد:رقم الحدیث:75، کتاب الطھارۃ ، باب سؤر الھرۃ علامہ البانی رحمہ اللہ نےاسے حسن صحیح قرار دیا،نیز امام ترمذی ، امام بخاری ،امام دارقطنی ، امام عقیلی ، امام ابن خزیمہ ، امام ابن حبان ، امام بیھقی ، امام حاکم ،امام ذہبی اور امام نووی رحمہم اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔
15النحل: 79
16العنکبوت: 41
17 www.famousscientists.org/famous-muslim-arab-persian-scientists-and-their-inventions
18 www.alarabiya.net/articles/2010/10/28/123962.html

(13) عشقیہ تحریر یں---- پاؤں کی زنجیر یں !

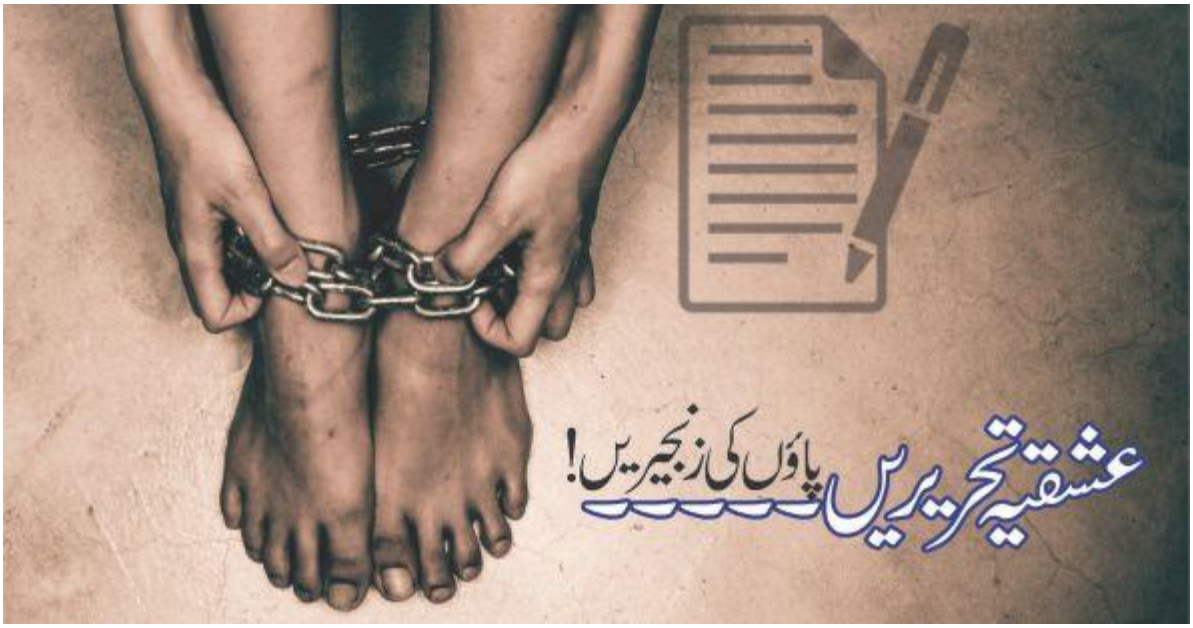

جان سے پیارے محبوب
سلام محبت!

آپ کے جانے کے بعد نہ جانے مجھے کیا ہو جاتا ہے ؟پتا نہیں آپ نے مجھے کیا کر دیا ہے کہ ہر وقت آپ ہی کے خیالوں میں کھوئی رہتی ہوں۔ ہر وقت آپ کے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔ ہواؤں میں اڑتی رہتی ہوں۔ جب آپ ہمارے گھر سے چلے جاتے ہیں تو آپ کے جلد واپس آنے کا انتظار کرتی ہوں۔ آپ شام سے پہلے یعنی سورج ڈھلنے سے پہلے ہی آ جا یا کریں۔ آپ سے بات ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن آپ کے موجود رہنے اور آس پاس ہونے سے دل کو سکون ملتا ہے۔ اتنی ملاقاتوں کے بعد بھی آپ کے دو بارہ جلد ملنے کا اشتیاق پہلے سے بڑھ جاتا ہے' اور آپ کے ساتھ مستقبل کے متعلق بنائے گئے سہانےمنصو بےپورے ہو نے کی شدت سے منتظر رہتی ہوں' کہ جب ہم ایک جان ہو کر ایک علیحدہ گھر میں اپنی جنت بنائیں گے۔ میرے متعلق آپ نے اپنے جن بے قابو ہو نے والے جذبات کے متعلق لکھا ہے' میرے جذبات اس سے قدرے زیادہ شدت وا لے ہیں لیکن میں کھلے عام اظہار نہیں کر سکتی' اس لئے کہ صنف نازک ہوں اور مرد کی نسبت اپنے جذبات کی شدت پر زیادہ کنٹرول اور ضبط رکھتی ہوں۔فی الحال کھل کر اظہار نہیں کر سکتی۔ اگلی آدھی ملاقات تک کے لئے اللہ حافظ

آپ کی جان
M-T

....الامان و الحفیظ .....اللہ کی پناہ!یہ خط ایک مذہبی بیک گراؤنڈ رکھنے والی لڑ کی کا اپنے محبوب کے نام ہے۔ مجھے ملنے والی معلومات کے مطابق یہ لڑکی بالکل سادہ طبیعت اور کورے اور شفاف دماغ کی مالکہ تھی لیکن جب سے سکول کی تعلیم جاری رکھنے کے لیے اکیڈمی گئی ہے اور چند ہندوستانی فلمیں دیکھی ہیں' اس کے اندر نہ جا نے کیوں غیر محسوس سی عجیب و غریب تبدیلیاں رونما ہوتی چلی گئیں۔ اس کے لکھے گئے خطوط ومکالمات میں سے یہ ایک نارمل اور مہذب خط ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کورے کاغذ کی طرح صاف شفاف دل و دماغ رکھنے والی لڑکی اس طرح بے باک و بے حیاء ہو جاتی ہے کہ اسے اخلاقیات' شرم و حیا ء اور اسلامی اقدار کی پامالی ذرہ بھر نظر نہیں آتی۔ جہاں خوف خدا' صحیح اسلامی تربیت اور اچھےہم نشینوں کی عدم دستیابی کے فقدان کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے' وہاں بڑے محرکات میں سے مخلوط تعلیمی اداروں کا ماحول' پرنٹ میڈیا' رسائل و جرائد اور اخبارات کی غلط رہنمائی بھی ہے.... لیکن ان سب سے بڑھ کر الیکٹرانک میڈیا پوری قوم میں تباہی کا زہر پھیلا رہا ہے۔ خاندان اور والدین نے جس بچی کی تربیت 16سال کی لگا تار کوشش اور محنت سے کی ہو تی ہے، ٹی وی کا ڈرامہ اورفلم اس کے اثرات صرف ایک گھنٹہ میں ختم کر دیتے ہیں۔

اس کا عملی مشاہدہ مجھے فیصل آباد میں ہوا' جہاں ایک عالم دین کی بیوہ اپنے بیٹے سے ایک عرصہ تک صرف اس لئےناراض رہی کہ وہ گھر میں ٹیلی ویژن کیوں لایا؟ اس نے گھر میں سب سے گفتگو بند کر دی اور کھا نا کھا نا بھی چھوڑ دیا۔ ایک دن ایک اصلاحی موضوع پر بنا یا گیا ڈرامہ نشر ہونے والا تھا کہ اس کے بیٹے نے زبردستی اسے ٹی وی کے سامنے لا کر بٹھا دیا اور کہا کہ اماں جان ! ایک دفعہ جو ہم دکھانے لگے ہیں یہ دیکھ لو' پھر جو آپ فیصلہ کریں گی ہم ویسا ہی کریں گے۔ بوڑھی اماں نے وہ خاندانی کہانی پر مشتمل ڈرامہ دیکھا تو انہیں اچھا لگا، اور پھر کیا ہوا.... ؟تجسس پیدا ہوا.... اب کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد حال یہ ہے کہ بچے ٹی وی کے سامنے بیٹھیں یا نہ بیٹھیں اماں جی سب سے پہلے وہاں موجود ہوتی ہیں ....استغفراللہ۔

بالکل اسی طرح آج کل لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کو ہندوصلیبی تہذیب و ثقافت کے تیز اب میں گھلایا جا رہا ہے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ ایسی غیر شرعی اور غیر اخلاقی عشقیہ داستانوں اور کہانیوں وغیرہ کی حوصلہ شکنی کر نے اور ان کی عبرت ناکی اور انجام بد ظاہر کر نے کی بجائے' ایسے لوگوں کو ہیرو بنا کر پیش کرتے ہیں' لوگ جن سے متاثر ہو کر اپنی زندگی کی راہ عمل متعین کر تے ہیں۔ جب سے ٹی وی کی نشریات شروع ہوئی ہیں آج تک کوئی بتاسکتا ہے کہ کوئی ایسا ڈرامہ پیش کیا گیا ہو کہ جس میں لو سٹوری نہیں تھی' یہاں تک کہ تاریخ پر بنائے گئے ڈراموں میں مجاہدین کے ساتھ بھی یہ چیز منسوب کی گئی۔۔۔ یقیناً انہی فلموں ڈراموں سے تربیت پانے والی دوشیزائیں خط لکھتے وقت یہ بات ذہن میں نہیں لاتیں کہ یہ خطوط کل ان کے گلے کا پھندا بھی بن سکتے ہیں۔ وہ ان تصاویر و خطوط کے ذریعہ بلیک میل اور بد نام کی جا سکتی ہیں۔ یہ عشقیہ تحریریں ان کے پاؤں کی زنجیریں بن سکتی ہیں۔ ان کو ایسی سولی پر لٹکا سکتی ہیں کہ جو نہ ان کو مر نے دے اور نہ زندہ رہنے دے۔

ایسی تحریریں اوباش لڑ کے اکثر اپنے دوستوں میں مزے سے پڑھ کر سناتے ہیں کہ دیکھو میں نے پانچواں شکار کر لیا ہے۔ اگر ایسی تحریریں منظر عام پر آ جائیں تو لوگ عبرت پکڑ نے کی بجائے ان کو چٹخارے لے لے کر پڑھتے اور ایسے بیہودہ تبصرے کر تے ہیں کہ متاثرہ خاندان کا دل چاہتاہے زمین پھٹ جائے یا آسمان سروں پر آگرے اور ہم اس میں دب کر دنیا کی نظروں سے اوجھل ہوجائیں۔ کچھ لڑکیاں ایسی تحریروں کا عبرتناک انجام جانتی بھی ہو تی ہیں لیکن لکھتے وقت وہ اس شیطانی دھوکے میں رہتی ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو گا۔

اب میں اندرون شہر میں ہونے والے ایک دوسرے واقعہ کا تذکرہ کردوں' شاید! آپ سمجھ جائیں ....چند ماہ قبل کی بات ہے کہ محلے میں جھنڈیاں،قمقمے، شامیانے اور دیگر ڈیکوریشن کا سامان سج چکا ہے۔ گھر کے ایک کمرے میں سمٹی سمٹائی' شرماتی ہوئی دلہن شرم سے نظریں جھکائے بیٹھی ہے۔ سہیلیاں ڈھولک بجا رہی ہیں۔ دوسرے دن بارات آنی ہے۔ ہر کوئی مناسب اوربہترین سا تھی ملنے پر مبارکباد دے رہا ہے۔ سب لوگ تیاریوں میں مصروف ہیں کہ اچانک اگلے دن آنے والے دلہا کا والد پریشانی کے عالم میں گھر میں داخل ہو تا ہے۔ سب لوگ یکدم حیران و

پریشان اور ششدر و متعجب ہیں کہ بزرگ بے وقت کیوں آ گئے ہیں‘ با رات سے ایک دن پہلے ہی!!.... ضرور کوئی گڑ بڑ ہے۔ سب اس کو تکریم دیتے ہیں‘ عزت دیتے ہیں‘بیٹھک میں بٹھا کر مٹھائی اور چائے پیش کرتے ہیں لیکن وہ نہیں لیتا اورپریشانی و فکر مندی سے کوئی بات کر نے کے لئے قوت جمع کر رہا ہے.... لیکن مُٹھّیاں بھینچتے ہوئے..... ہونٹ کاٹتے ہوئے.... پہلو بدلتے ہوئے ....وہ یکدم بولتا ہے کہ.... باقی لوگ کمرہ سے باہر چلے جائیں‘ میں لڑکی کی والدہ اور ماموں سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ سب کے جانے کے بعد وہ غصے سے چیختا ہے کہ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں ...ہم کل بارات لے کر نہیں آئیں گے . . . .. ہماری طرف سے صاف جواب ہے‘ ہم شادی نہیں کر یں گے... اپنی بیٹی کے لیے وہی لڑکا ڈھونڈ یں جس کے ساتھ اس کا معاشقہ تھا ....بچی کی ماں یہ الفاظ سن کر چکرائی ،گرتے گرتے سنبھلی اور ہاتھ جوڑ کر التجا کرنے لگی کہ ہمارا قصور کیا ہے جو آپ ہمیں رسوا کرنے پہ تلے ہوئے ہیں ؟ ....لڑ کے کاوالد کہنے لگا: رسوا ہم نہیں بلکہ ہم دونوں خاندانوں کو تمہاری لڑکی کر رہی ہے‘ یہ لو دیکھ لو اپنی آنکھوں سے.... یہ کہتے ہی اس نے چند خطوط ان کے سامنے پھینک دیے... اٹھا کر پڑھا گیا تو یہ ان کی لاڈلی کے اپنے محبوب کے نام محبت بھرے‘ ملاقاتوں کے تذکروں سے بھرے اور اکٹھے جینے مر نے کےپر وگر اموں پرمشتمل خطوط تھے....

والدہ نے اپنا دوپٹا اتار کر پاؤں میں رکھتے ہوئے آنسوؤں بھری التجا آمیز نگاہوں سے تکتے ہوئے کہا:بھائی جان ! ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں‘ اسے معاف کر دیں‘ اس سے بھول ہو گئی‘ اپنے گھر جائے گی تو آپ کو کسی بھی قسم کی شکایت کا موقعہ نہ ملے گا.... لڑ کے کا والد غصے اور نفرت سے اٹھا اور یہ کہتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گیاکہ اسے اپنے پاس رکھیں یا اس کے عاشق کے حوالے کر دیں‘ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم چچوڑی ہوئی ہڈی کو اپنے دستر خوان تک پہنچنے نہیں دیتے‘ اگر انجانے میں پہنچ جائے تو اسے باہر پھینک دیتے ہیں۔

لڑکی کا ماموں سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے ....ماں چکرا کر گر تی ہے.... اس کا سر پھٹ جا تا سے اور خون بہنے لگتا ہے ....والد کو باہر سے اصل معاملہ کی اطلاع ملتی ہے .....وہ بھاگم بھاگ لڑکے کے والد کو روکتا ہے اور اپنی پگڑی اس کے پاؤں میں رکھ کر التجا کرتا ہے کہ ہماری عزت و آبرو کا پاس رکھیں.... لیکن کامیاب نہیں ہو تا ....ڈھولک پیٹنےوالی سہیلیاں بھی اٹھ

کر ایک ایک کر کے نکل جاتی ہیں ...اور یوں ســـارے محلے میں خبر پھیل جاتی ہے....اب ســـارا گھر قبرســـتان کی تصـــویر بنا ہے ....ہر کوئی رو رہا ہے.... کوئی گھر ســـے باہر ' نہیں نکل رہا کہ کســـی کو کیا جواب دیں گے؟ ....تھوڑی دیربعدوالد کو دل کا دورہ پڑنے کی خبر آ تی ہے ... آج بھی وہ لڑکی ٹی بی کے مریض کی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی کسی جیون ساتھی کا انتظار کر رہی ہے لیکن کوئی اس کا ہاتھ تھامنے والا نہیں۔ اب ســـنا ہے کہ اس کے گھر والوں نے مکان بیچ کر نقل مکانی کر کے کســـی نا معلوم جگہ جاڈیرا لگا یا ہے اور ایسے ہی زندگی کی سانسیں پوری ہو رہی ہیں۔

یوں ایک تو لڑکی والوں کا خاندان برباد ہو جاتا ہے بلکہ اس کے اس عمل سے اس کی باقی بہنوں اور بھائیوں کے لیے بھی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی ان کا رشتہ لینے نہیں آتا کہ شاید یہ بھی ایسی ہی ہوں۔ کئی سمجھدار والدین اپنی بیٹی کو یہ باور کروانے کے بعد کہ یہ بیج تم نے بو یا ہے اب اس کی فصل بھی تم ہی کاٹو' بدنامی سے بچنے کے لیے اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال کر اس کی پسند کی جگہ اس کا رشتہ کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں!... شـــریعت ســـے بغاوت کر کے، قرآن کے حکم کی مخالفت کر کے... ایسی لڑکیاں کبھی سکھ کا سانس نہیں لے سکتیں۔اگر خو ش قسمتی سے ان کا گھر بس بھی جائے' آنگن میں خوشیاں بسیر ا کر بھی لیں تو ان کا پرانا محبوب ہمیشہ یہ سوچ کر اس کے پیچھے لگا رہتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی لیکن ظالم سماج نے اس کو مجبور کر کے اور جگہ شادی کر کے مجھ سے جدا کر دیا۔ وہ لڑکی کے والدین اور سسرالیوں کے خلاف ایسے جذبات کا شیطانی اظہار کر تے انتقاماً گنگناتے پھر تے ہیں:

زندہ رہیں گے پیار کے دشمن چاہے جہاں بھی جاؤ
اپنی بولی یہ نہ سمجھیں کیسے انہیں سمجھاؤ

جو کرنا ہے جلدی کر و اے ظلم کے پہرے دارو!
اپنے زہریلے تیروں کو میرے سینے میں مارو

وہ کســـی نہ کســـی طرح اس ســـے ملنے اور اس کو اپنا نے کی ہر ممکن کوشـــش کرتـا ہے.... جو آخر تبـاہی کـا بـاعـث بن جـاتـا ہے اور اس کاہنســتابســتاگھرانہ جہنم زار بن جاتا ہے... اس صـورت حال کے بعد وہ مر

نے کی خواہش اور تمنا کرتی ہے تو اس کو موت نہیں آتی ....جینے کی کوشش کر تی ہے تو دنیا اسے جینے نہیں دیتی.... اپنے غموں، دکھوں اور تکلیفوں کو بانٹنے کے لیے کسی کے پاس جا تی ہے تو وہ اس سے دور بھاگتا ہے.... نفرت کرتا ہے... تھوکتا ہے.... ملتا ہے تو بھی حقارت سے پیش آتا ہے.... لوگ اپنی خواتین، بچوں اور خاص طور پر اپنی بچیوں کو اس کے سائے سے بھی دور رکھتے ہیں... اگر اس کی اولاد ہو تو وہ بڑی ہو کر نہ صرف اس کی باغی ہو تی ہے بلکہ اس سے نفرت کرتی ہے اور بعض اوقات تو اس کو طعنوںکے تیرمارتی ہے جس سے تنگ آ کر یہ بوڑھی عورت زبان حال سے پکار اٹھتی ہے:

ایسے جینے سے بہتر تھا مر جاتی میں
ایسا جینا تو مجھ کو گوارا نہیں

اور پھر اسی کشمکش میں زندگی گزر جا تی ہے.... سکون کی متلاشی.... دکھوں کی ماری... زمانے بھر کی ستائی... یہ جان.... لحد میں سو جا تی ہے۔ دنیا کہتی ہے کہ اب مر نے کے بعد اس کو سکون نصیب ہوا ہے ....ورنہ دنیا والوں نے تو بڑھاپے تک اس کا جینا محال کیے رکھا.... لیکن... کسے معلوم کہ اب بھی وہ سکون میں ہے یا کہ اپنے کیے کی.... اللہ کے فرا مین سے بغاوت کی ....سزا بھگت رہی ہے... سکون کب ملے گا اسے !!؟....کب ملے گا؟..... شا ید... روز قیامت.... یا شاید کبھی نہیں !!....

(14) اسلام اور آدابِ معاشرت

فضیلۃ الشیخ سید ابو بکر غزنوی رحمہ اللہ

دین محض نماز روزے کا نام نہیں۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ جو زیادہ تسبیح پھیرتا ہے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، وہ زیادہ دیندار ہے۔ بعض لوگ اللہ کے حقوق کے علاوہ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی خیال رکھتے ہیں، لیکن ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، جنہیں یہ فہم حاصل ہو کہ آدابِ معاشرت ((Mannersکو دین میں ایک مقام حاصل ہے۔ آدھا دین تو تہذیب و شائستگی سے عبارت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علمنی ربی فاحسن تعلیمی و ادبنی ربی فاحسن تادیبی

القوائد العلیلۃ فی مسلسلات ابن عقیلۃ، ؟؟؟؟

ترجمہ: ’’میرے رب نے علم عطا کیا اور بہت اچھا علم عطا کیا، میرے رب نے مجھے تہذیب سکھائی اور بہت اچھی تہذیب سکھائی۔‘‘

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے علاوہ تہذیب و شائستگی کا ذکر جدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہذیب و شائستگی کو اسلام میں ایک مستقل مقام حاصل ہے۔

عزیزو! یہ بات یاد رکھیے کہ محض کتابیں رَٹنے سے آپ کرمِ کتابی تو بن سکتے ہیں لیکن آپ کی

شخصیت ادھوری اور آپ کا دین بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔ بقولِ مولانا آزاد رحمہ اللہ ’’ادھوری سچائیاں ہمیشہ خطرناک ہوتی ہیں۔‘‘ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا، جس میں مدعی کے پاس دو گواہ تھے، ایک گواہ کے بارے میں تو انہیں علم تھا کہ وہ قابلِ اعتماد ہے، لیکن دوسرے گواہ کی ثقاہت کا انہیں معلوم نہیں تھا۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا: تم میں سے کوئی شخص گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص قابلِ اعتماد ہے؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ثقہ آدمی ہے۔سیدناعمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ’’تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ قابلِ اعتماد ہے‘‘ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هل جاورته ام صحبت معه فی السفر الذی یسفر عن الحقیقة ام عقدت معه عقداً

’’کیا تو اس کے پڑوس میں رہا ہے؟ یا اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ جو انسان کی قلعی کھول دیتا ہے یا اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کیا ہے؟‘‘ اس نے کہا’’ ان میں سے تو کوئی بات نہیں‘‘

سیدنا عمررضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لعلک رایتہ خارجاً من المسجد بعد الصلوٰۃ فانت لاتعرفہ
’’شاید تم نے اسے نماز کے بعد مسجد سے باہر آتے دیکھا ہے۔ تم تو اسے نہیں جانتے ہو‘‘۔
کتاب اللہ اور احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں آدابِ معاشرت کی تمام تفصیلات شرح و بسط سے موجود ہیں۔ آئیے ہم اس کا ایک مختصر جائزہ لیں۔

مسکرانا نیکی ہے
ارشادِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:
تبسمک فی وجہ اخیک صدقۃ
ترمذی:کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی صنائع المعروف
’’اپنے بھائی سے ملتے ہوئے مسکرانا بھی نیکی ہے۔‘‘
اسلام دینِ فطرت ہے۔ وہ اسے ایک غیر فطری اور غیر طبعی بات قرار دیتا ہے کہ اس زندہ اور حسین کائنات میں جہاں چہچہاتے ہوئے پرندے، لہلہاتے ہوئے پودے، سرسبز و شاداب وادیاں اور اُبلتے ہوئے چشمے ہیں، ہم ایک روکھا، پھیکا اور بجھا ہوا چہرہ لےکر پھریں۔ عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:
مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ
كِتَابُ الْمَنَاقِبِ،بَاب فِي بَشَاشَةِ النَّبِيِّ ﷺ،حدیث:3641
’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکراتا ہوا چہرہ نہیں دیکھا۔‘‘

شکریہ ادا کرنا
یہ جو ہم لوگ بات بات پر شکریہ ادا کرنے کے عادی ہیں، تو یہ خالص اسلامی بات ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللهَ
كِتَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ،بَاب مَا جَاءَ فِي الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ،حدیث: 1954
یعنی جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔
اسلام نے آدابِ معاشرت کے جو خطوط متعین کیے ہیں، ان کا مقصد دوسروں کو راحت پہنچانا ہے۔ اور معاشرے میں خوشگواری پیدا کرنا ہے۔ اسی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَفْشُوا السَّلامُ
مسلم: کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ، ترمذی: کتاب الأطعمۃ، باب ماجاء فی فضل اطعام ...
سلام پھیلاؤ
ایک دوسرے کو سلام کرنے میں بخل نہ کرو۔ قرآن مجید میں ہے
﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾
[النساء : 86]
''جب تمہیں سلام کیا جائے، تو تم اس سے زیادہ گرم جوشی تپاک سے جواب دو یا کم از کم اتنا تو ضرور لوٹادو''۔(النساء86)
میں نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بعض اساتذہ کو دیکھا ہے کہ اگر کوئی طالب علم انہیں سلام کرے تو فیلٹ کے ساتھ گردن کو ذرا سا جھٹکا دیتے ہیں اور ہونٹوں کو جنبش دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کا یہ عمل غیر اسلامی ہے اور ہرگز لائقِ تحسین نہیں۔ یہ سب ((Complexesکی باتیں ہیں۔ میں نے ایک بار امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی کتاب مفردات میں سلام کا معنیٰ دیکھا اس میں لکھا ہے:
السلام التعری من الآفات الظاھرۃ والباطنۃ
یعنی'' ظاہری اور باطنی آفتوں سے محفوظ رہنا۔''
پس جب ہم کسی کو السلام علیکم کہتے ہیں، تو اسکا معنیٰ ہوتا ہےکہ جسمانی، ذہنی او روحانی طور پر عافیت میں رہو۔ میں جذبات سے ہٹ کر خالص لغوی اور معنوی اعتبار سے کہتا ہوں کہ دنیا کی کسی قوم کے آداب بجالانے کا طریقہ مسلمانوں کے سلام کا لگّا نہیں کھاتا۔ جوالسلام علیکم کے مفہوم میں وسعت اور جامعیت ہے وہ ((Good Morningیا (Good Eveningمیں کہاں؟

مصافحہ
اسلام نے محبت کے اظہار کے لئے سلام کے علاوہ مصافحہ رکھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا
ابوداود:کتاب الأدب، باب فی المصافحۃ، ترمذی: کتاب الاستئذان باب ماجاء فی المصافحۃ
''اگر دو مسلمان آپس میں ملتے ہوئے اخوتِ دینی کی بنا پر مصافحہ کریں تو وہ جدا ہونے سے پہلے بخش دیے جاتے ہیں۔''

معانقہ

جب کوئی شخص مدّت کے بعد ملے یا لمبے سفر سے لوٹے، تو اس کے ساتھ اظہارِ محبت کے لئے معانقہ یعنی آپس میں گلے ملنا ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف فرماتھے، انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کرتا اتارا ہوا تھا، آپ اسی حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو گلے لگالیا اور انہیں چوما۔ اسی طرح سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے اور آپ سے ملے تو حدیث میں آتا ہے-:

فالتزمه و قبّل بين عينيه

ابو داود:كتاب الأدب، باب فی قبلة ما بين العينين،

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے چمٹ گئے اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا‘‘

(شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے)

اسلام میں پرائیویسی کا تصور:

اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم کسی کے کمرے میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

[النور : 27]

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ ان کی رضا حاصل نہ کرو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو ۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے توقع ہے کہ تم اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) گے۔‘‘

انسان کبھی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پسند نہیں کرتا کہ دوسروں کی نگاہ اس پر پڑے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے صرف اجازت لینے ہی کی تلقین نہیں کی بلکہ اس بات پر بھی زور دیا کہ کسی کے ہاں جاؤ، تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوا کرو۔ دروازے سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہونا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر کھڑے ہونے کے آداب بھی صحت متعین فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے مستقل باب باندھا:

بابٌ كيف يقوم عند الباب

یعنی انسان دروازے پر کس طرح کھڑا ہو؟
ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک میں سے اندر جھانکا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنگھے سے اپنا سر مبارک کھجارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو یہ کنگھا تمہاری آنکھ میں چبھودیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
انما جعل الإستئذان من اجل البصر
بخاری:کتاب الاستئذان باب الاستئذان من اجل البصر
''اجازت مانگنے کا حکم تو اسی لئے دیا ہے کہ اندر نگاہ نہ پڑے''
یعنی جب تم اندر دیکھ رہے ہو تو اس سے میری پرائیویسی میں تم نے خلل ڈال دیا ہے، اب اجازت مانگنے کا کیا حاصل؟ پرائیویسی کا جو مفہوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا تھا، اس دور کی متمدّن قومیں اس میں رَتی بھر اضافہ نہیں کرسکیں۔ ابوداؤد میں ہے:
كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بَابَ قَوْمٍ، لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهِ، وَلَكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ
ابوداؤد: کتاب الأدب،باب کم مرۃ سلم الرجل فی الاستئذان
''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے دروازےپر آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے۔ ''
قرآن مجید میں ہے:
﴿إِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ﴾
[النور : 28]
ترجمہ:'' اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے ''
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی جنجال میں پھنسا ہوتا ہے یا بہت مضمحل ہوتا ہے یا اس پر کوئی ایسی افتاد پڑی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے سامنے آنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ جھوٹےبہانے کے بجائے معذرت کرنی چاہئے اور یہ حکم دیا کہ آنے والے کو بھی معذرت قبول کرنی چاہئے۔ اس آیت پر عمل کرنے والے لوگ عنقا ہوئے۔ آج کل کسی بڑے سے بڑے متشرع آدمی کو کہیے کہ دوسرے وقت ملنے آئیے، تو دیکھیے کیسے بھنّاتا ہے۔قرآن مجید نے ہمیں تلقین کی کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں کسی کے ہاں جانا مناسب نہیں حتیٰ کہ بچوں اور

غلاموں کو بھی، جو ہر وقت گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اجازت لینی چاہئے۔
﴿ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ﴾
[النور : 58]
ترجمہ:'' لازم ہے کہ وہ (دن میں) تین وقتوں میں اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوا کریں ۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب تم کپڑے اتارتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین اوقات تمہارے لئے پردہ کے وقت ہیں ۔''

مکان کے باہر کھڑے ہوکر آوازیں دینا:
آپ کسی سے ملنے جائیے، تو اسے باہر کھڑے ہوکر زور زور سے آوازیں دینا اسلامی نقطہ نگاہ سے ناشائستگی ہے۔ قرآن کہتا ہے:
﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾
[الحجرات : 04]
ترجمہ:(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم !) جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہم احادیث اور مستند تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ ناخنوں سے آہستگی کے ساتھ کھٹکھٹاتے تھے۔ [1]

آدابِ مجلس
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدابِ مجلس کا بھی تعین اور توضیح فرمادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مجلس میں جاؤ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بیٹھنے کی کوشش نہ کرو، محدثین نے مستقل باب باندھا:
باب: یجلس الرجل حیث انتھیٰ
'' آدمی کو وہیں بیٹھ جانا چاہئے جس جگہ مجلس ختم ہوتی ہو۔''
یہ جو آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ محفل سے کوئی عارضی طور پر اٹھ جائے، تو واپس آکر وہی اس جگہ بیٹھنے کا حقدار ہوتا ہے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ یہ بات آج کل کی تہذیب کی پیداوار ہے۔
یہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:
اذا قام الرجل من مجلسہ ثم رجع ھو احق بہ

ابوداؤد:کتاب الأدب، باب اذا قام الرجل من مجلس ثم رجع
’’جب کوئی آدمی مجلس سے اٹھ جائے، پھر لوٹے تو وہی اُس کا زیادہ حقدار ہے۔‘‘
اسلام نے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرنے کو بھی مذموم قرار دیا ہے۔
سورۂ مجادلہ میں ہے:
﴿إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾
[المجادلہ : 10]
ترجمہ:’’بلاشبہ سرگوشی کرنا شیطان کا کام ہے تاکہ ان لوگوں کو غمزدہ بنادے جو ایمان لائے ہیں، حالانکہ اللہ کے اذن کے بغیر وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور ایمان والوں کو تو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔‘‘
جب دو آدمی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرتے ہیں تو دوسروں کو خیال آتا ہے کہ شاید ہماری ہی نسبت کچھ کہہ رہے ہیں، کم از کم یہ گمان تو ہوتا ہی ہے کہ انہوں نے ہمیں اس قابل نہ سمجھا کہ ہمیں اس راز میں شریک کریں، چونکہ اہل مجلس کو اس سے خفت ہوتی ہے، اس لئے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔
آج کل کی مہذب اور متمدن قوموں کے افراد گفتگو دھیمی آواز میں کرتے ہیں اور چیخ چیخ کر بات کرنے کو ناشائستگی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ دھیمی آواز میں بات چیت کرنا نئی تہذیب کی پیداوار ہے۔ قرآن مجید نے اندازِ گفتگو کا سلیقہ بھی ہمیں سکھایا ہے:
﴿وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾
[لقمان : 19]
اور اپنی آواز پست کرو ۔ بلاشبہ سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔
مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھنے کے آداب بھی قرآن مجید نے سکھائے۔
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾
[الحجرات : 02]
ترجمہ: ’’اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی اس کے سامنے اس طرح اونچی آواز سے بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو ۔‘‘
اور یہ بھی فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللهِ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾

[الحجرات : 03]

ترجمہ: ’’جو لوگ اللہ کے رسول کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔‘‘

یہ سمجھنا صریحاً خام کاری ہے کہ قرآن مجید نے مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جن آداب کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی ہے، ان کا تعلق صرف مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے تھا۔ کیا مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُٹھ جانے کے بعد یہ آیتیں معطل ہوگئی ہیں اور ان کی کوئی افادیت باقی نہیں رہی...؟

بزرگوں کی مجلس میں بیٹھنے کے آداب ہمیں مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سیکھنا ہیں اور بزرگوں کو اہلِ محفل سے برتاؤ کا ڈھنگ بھی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سیکھنا چاہیے۔ ہم شمائلِ ترمذی میں پڑھتے ہیں:

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہم نشینوں میں سے ہر ایک کو اس کے حصے سے نوازتے ہیں یعنی ہر ایک کی طرف جدا جدا التفات فرماتے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک ہمنشیں یہ سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عزیز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ رُو اور نرم خو تھے۔ سخت مزاج اور درشت گو نہ تھے، چلّا کر نہیں بولتے تھے، نہ کسی کے عیب نکالتےتھے ، کسی کی تعریف میں مبالغہ نہیں کرتے تھے۔ کسی کی کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوتی، تو اس سے تغافل فرماتے یعنی اس پر گرفت نہ فرماتے اور صراحتاً اس سے مایوسی بھی نہ فرماتے بلکہ خاموش ہوجاتے۔‘‘

بے جا مداخلت نہ کیجئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آدابِ معاشرت کا ایک زریں اصول ہے:

من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ

ترمذی:کتاب الزھد2419، ابن ماجہ کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ

آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ غیر متعلق بات میں دخل نہ دے۔

دوسروں کے معاملات میں بے جا دخل دینے کی بیماری عورتوں میں نسبتاً زیادہ ہے۔ دوسروں کے ذاتی اور گھریلو معاملات کرید کرید کر پوچھنے میں انہیں لذت آتی ہے۔ چھپی ہوئی باتوں کی ٹوہ لگاتی ہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ چھوٹتے ہی پوچھتے ہیں کہ تمہاری آمدنی کتنی ہے؟

بعض لوگ فریقین کی خواہش اور اور آمادگی کے بغیر خود بخود ہی ثالث بن بیٹھتے ہیں۔ یہ سب باتیں بے جا دخل اندازی میں داخل ہیں اور اسلام انہیں مذموم قرار دیتا ہے۔
قرآن حکیم ہمیں حکم دیتا ہے کہ:
﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾
[البقرة : 83]
لوگوں سے بھلی اور خوشگوار بات کہو،
اور مومنوں کا یہ وصف بھی بیان کرتا ہے :
﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾
[المومنون : 03]
اور جو بیہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں۔

بات ٹھہر ٹھہر کر کیجئے !
میرے ایک عزیز کہنے لگے کہ جدید رجحان تو یہ ہے کہ بات کرتے وقت ہر لفظ بلکہ ہر حرف کا تلفظ صاف، واضح((Clearlyاور جدا جدا ((Distinctlyکیا جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ رجحان کیوں کر ہوا؟ اس کی تلقین تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہم حدیث میں پڑھتے ہیں کہ:
كان كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم كلاما فصلا يفهمه كل من سمعه
ابوداؤد:كتاب الأدب، باب الهدى فى الكلام
’’رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے تو ہر لفظ جدا جدا بولتے۔ تمام لوگ جو اسے سنتے وہ سمجھ جاتے۔‘‘
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پہلو میں بیٹھ کر سیدناابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بڑی تیزی کے ساتھ حدیث بیان کرنا شروع کی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ٹوکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس تیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس طرح ٹھہرٹھہر کر بات کرتے کہ اگو کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

کھانے پینے کے آداب
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
’’اگر آپ اکٹھے بیٹھ کر کھائیں، تو کسی شخص کو نہ چاہئے کہ وہ دو دو چھوہارے اکٹھے کھائے جب تک اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے‘‘

مجھے جلسوں اور کانفرنسوں میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے، یہ دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے کہ چند علماء اس تہذیب اور شائستگی سے یکسر تہی دامن ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھائی تھی، بڑے بڑے مولویوں کو دیکھا ہے کہ دسترخوان پر بیٹھے ہوں اور ملازم ڈونگے میں سالن لائے تو تمام سالن اپنی قاب میں نہایت چابکدستی سے اُلٹ دیتے ہیں، دن دہاڑے سب ساتھیوں کے سامنے، علی الرغم اور سمجھتے ہیں کہ دین سے آداب کا کوئی تعلق نہیں ہے اور دین محض تسبیح آرائی ہی کا نام ہے، وہ نہیں سمجھتے کہ ان آداب کو نظرانداز کرنا صریحاً بے دینی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل مما یلیک

بخاری:کتاب الأطعمۃ، باب الأکل مما یلیہ، صحیح مسلم، کتاب الأشربۃ، باب آداب الطعام والشراب

یعنی، کھانےمیں سے وہ کھاؤ جو تمہارے قریب ہے۔

بعض لوگ دوسروں کے سامنے ہاتھ بڑھا کر جھپٹ لیتے ہیں۔ یہ نفس پر حرص و طمع کے غلبے کی دلیل ہے۔ بعض جاہل صوفیوں کو دیکھا کہ دسترخوان پر چند لقمے کھاکر پیچھے ہٹ بیٹھتے ہیں اور انہیں یہ زعم ہوتا ہے کہ یہ پارسائی کا تقاضا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ جب دسترخوان بچھا دیا جائے تو کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ دسترخوان اٹھانے سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہو اور نہ کسی کو اپنا ہاتھ کھینچنا چاہئے اگرچہ وہ سیر ہوگیا ہو۔‘‘

اور اس کی علت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی کہ

فان الرجل بخجل جلیسہ

ابن ماجہ:کتاب الأطعمۃ، باب النھی ان یقام عن الطعام حتیٰ یرفع وان یکف یدہ...

یعنی’’ اس بات سے اس کےہمنشین کو خجالت ہوگی۔‘‘

اسے خیال ہوگا کہ شاید میں بسیار خوری کا ارتکاب کر رہا ہوں، وہ بھی اپنا ہاتھ سکیڑ لےگا اور ہوسکتا ہے کہ اسے کھانے کی حاجت ابھی باقی ہو۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ لقمے جو سیر ہونے کے بعد ساتھیونکے پاس خاطر سے کھاتے ہیں، ان میں سے ہر ہر لقمے پر بھی اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے۔

بعض مہمان دھرنا مارکر بیٹھے رہتے ہیں اور اتنا لمبا قیام کرتے ہیں کہ صاحبِ خانہ ملول ہونے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غیر اسلامی حرکت قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الضیافة ثلاثة ایام
بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، مسلم ، کتاب الحدود، باب الضیافۃ و نحوھا
’’مہمان نوازی کا حق تین روز ہے۔‘‘
ولا یحل لہ ان یثوی عندہ حتیٰ یحرجہ
بخاری: کتاب الأطعمۃ، باب اکرام الضیف و خدمتہ ایاہ ...
’’اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں اتنا قیام کرے کہ وہ تنگ آجائے‘‘.
آپ نے غور کیا کہ محفل میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرنا اسلام نے اس لئے مذموم قرار دیا کہ اس سے مسلمان بھائیوں کو رنجش ہوتی ہے اور کھانےسے ہاتھ کھینچنے کو اس لئے ناجائز قرار دیا کہ اس سے ساتھیوں کو خجالت ہوتی ہے اور لمبے قیام کو اس لئے ممنوع قرار دیا کہ صاحبِ خانہ کا دل تنگ نہ آجائے۔ ان آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ اسلام نے آدابِ معاشرت کے خطوط اسی اصول کی روشنی میں متعین کیے ہیں کہ کسی شخص کی کوئی حرکت دوسرے شخص کے لئے اذیت، رنجش، خفت، گرانی، انقباض، تکدّر، خجالت، تشویر، توحُّش یا کسی اور ناگواری کا باعث نہ ہو۔
یہ متعدد ہم معنیٰ الفاظ تو ہیں مگر ان میں سے ہر لفظ جدا مفہوم ادا کرنے کیلئے تحریر کئے گئے ہیں،آپ نے دیکھا کہ تہذیب و شائستگی کی کیسی لطافتیں اور باریکیاں اسلام نے ہمیں سمجھائی ہیں۔
ے ہزار نکتۂ باریک ترزِ مُو ایں جاست
یہی معنیٰ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا:
المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ
بخاری:کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون۔ مسلم: کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الاسلام
’’صحیح معنوں میں مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔‘‘
اگر آپ ان ناگواریوں سے کسی ناگواری کا باعث ہوتے ہیں تو مسلمان آپ سے محفوظ و سلامت نہیں ہیں۔ سنن نسائی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ شبِ برأت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر سے اٹھے، تو اس خیال سے کہ میری نیند میں خلل نہ پڑے، آہستہ سے اٹھے، نعل مبارک آہستہ پہنا کہ اس کی آواز نہ ہو، کواڑ آہستہ سے کھولا، باہر آہستہ سے تشریف لے گئے اور کواڑ آہستہ سے بند کیا۔ [2]

سونےوالے کی کس قدر رعایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی کہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے، جس سے سونے والا دفعتاً جاگ اٹھے اور پریشان ہو، دیکھئے یہ تہذیب و ثقافت کی کیسی تابناک روایات ہیں جو ہمارے حصے میں آئی ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً سیدنا انس سے مرفوعاً اور جناب سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیادت کے لئے جائیے تو بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھیے، تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر جائیے۔ ‘‘

آپ غور کیجئے کہ اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس بات کی کہ کوئی کسی کی گرانی کا سبب نہ بنے، مریض کے پاس زیادہ دیر بیٹھنے کی اس لئے ممانعت فرمادی کہ جب تک مریض کے پاس بیٹھے رہیں گے، اسےآپ کی طرف متوجہ رہنا پڑےگااور آپ سے بات چیت کرنی پڑےگی۔ زیادہ گفتگو سے بیمارمضمحل ہوتا ہے۔ بعض عیادت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں مریض کروٹ بدلنے اور پاؤں پھیلانے میں حجاب محسوس کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے:

من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا

بخاری:کتاب الاذان، باب ماجاء فی الثوم... مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ

’’جو (کچا) لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے یعنی مجلس میں نہ بیٹھے۔‘‘

دیکھئے اس خیال سے کہ پیاز کی بو سے اہل مجلس کی طبیعت مکدّر ہوگی، پیاز کھانے والے شخص کو مجلس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ میں نے جو آیات اور احادیث آپ کوپیش کی ہیں ان کی روشنی میں فقہائے کرام نے بہت تفصیلات مرتب کی ہیں ان میں سے بعض عرض کیے دیتا ہوں:

(1)اگر کسی کے ہاں آپ مہمان ٹھہریں اور آپ کھانا کھاچکے ہوں تو دسترخوان بچھ جانے پر یہ اطلاع دینا کہ کھانا کھاچکا ہوں، مذموم ہے۔ میزبان انتظام کی زحمت اٹھاتا ہے اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا اہتمام اور طعام دونوں اکارت گئے۔

(2)اگر کوئی صاحب بیمار ہوں اور پرہیزی کھانا کھاتے ہوں، تو دسترخوان بچھ جانے کے بعد ناک چڑھانا اور نخرےبگھارنااور یہ کہنا کہ میں تو پرہیزانہ کھاتا ہوں، میزبان کے لئے خجالت کا باعث ہوتا ہے، آپ کسی کے

مہمان ٹھہریں، تو جاتے ہی صاحبِ خانہ کو بتادیجئے کہ آپ پرہیزانہ کھاتے ہیں۔

(3)بعض لوگ کسی کے ہاں ٹھہرتے ہیں تو دھڑلے سے اوروں کو بھی دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔ مہمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اوروں کو دعوت دیتا پھرے، اسے کیا خبر کہ گھر میں کھانا کتنا ہے؟پھر اسے اس بات کا استحقاق بھی تو نہیں، یہ غیر متعلق بات میں دخل دینا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس کا تلخ تجربہ ہے۔

میری ایک عزیزہ سفر پر جارہی تھیں، بہت سے قرابت دار انہیں خیرباد کہنے کے لئے میرے ہاں آئے ہوئے تھے، میں نے عزیزہ سے کہا کہ تم کھانا کھالو، گاڑی کا وقت ہوا چاہتا ہے، ایک بڑی بوڑھی خاتون نے اعلان کردیا کہ ہم کھانا کھانے لگے ہیں، جو شریک ہوناچاہتا ہے ساتھ کے کمرے میں آجائے، کمرہ کھچاکھچ بھرگیا، سارے گھر کا کھانا دسترخوان پر لاپڑا، عزیزہ کے لئے جوزادِ سفر تیار تھا، وہ بھی لایاگیا، سب کے حصے میں دو دو لقمے آئے۔ سب شرمندہ ہوئے۔

(4)بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی شخص کسی کے ہاں مدعو ہو تو کہتے ہیں کہ ہمارے بھی ان سے مراسم ہیں۔ چلیے ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ ان سے مل کر دسترخوان بچھنے سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے، یہ عادت بھی مذموم ہے اور صاحبِ خانہ کے لئے باعث تشویش ہے۔ اگر صاحب خانہ بٹھالے تو ان کے لئے یکایک کھانا مہیا کرنے کی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی تو سالنوں میں پانی انڈیلنا پڑتا ہے۔

اگر صاحب خانہ رخصت کردے، تو اسے شرمندگی اور خجالت ہوتی ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے دوسروں کے لئے اذیت کا باعث ہونا یا خجالت کا باعث ہونا یکساں مذموم اور ممنوع ہے۔

سلام ،مصافحہ اورمعانقہ سے متعلق پہلے گفتگو گذر چکی ہے یاد رکھئے کہ سلام، مصافحہ اور معانقہ اور ان تمام آداب کا مقصد دوسروں کا جی خوش کرنا اور انہیں راحت پہنچانا ہے۔ جب علت ساقط ہوجائے تو معلول بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ اگر مصافحہ اور معانقہ سے کسی وقت دوسرے کو اذیت ہو تو شائستگی کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ایسے وقت میں مصافحہ اور معانقہ سے اجتناب کیجئے مثلاً:

اگر کسی آدمی کا ہاتھ زخمی ہے یا کوئی عذر لاحق ہے تو اسے مصافحہ کی زحمت نہ دیجئے۔

اسی طرح اگر کوئی جلدی میں کہیں جارہا ہو، اور تیز تیز قدم اٹھا رہاہو تو اس سے آپ کو اندازہ لگانا چاہئے کہ یہ صاحب جلدی میں ہیں ایسی صورت

میں اسے مصافحہ کے لئے ٹھہرانا اذیت کا باعث بن سکتا ہے لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے ناقابلِ تحسین ہے۔
کسی مجلس میں زیادہ افراد ہوں اور کسی مسئلے پر غور کر رہے ہوں ، آپ دیر سے آئے ہیں تو تہذیب کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ محض سلام پر اکتفا کیجئے۔ ہر ایک سے جدا جدا مصافحہ کرنا، سلسلہ گفتگو کو کاٹنا، اور اس میں خلل ڈالنا اہل مجلس کے لئے گرانی اور تکدّر کا باعث ہوتا ہے اور آپ کو اذیت جداہوگی۔
اسی طرح بعض لوگوں کو ہر وقت ہر جگہ معانقہ کی عادت ہوتی ہے۔ بیمار، ضعیف، ناتواں اور نازک مزاج لوگوں کو اس سے اذیت ہوتی ہے۔ معانقہ اسی وقت تک درست ہے جب تک وہ راحت اور آرام کا باعث ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا
المومن الذی یخالط الناس ویصبر علی آذاھم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علیٰ آذاھم
سنن ترمذی:ابواب صفة القیامة والرقائق والورع۔ سنن ابن ماجہ:کتاب الفتن، باب صبر علی البلاء
ترجمہ: ’’وہ مومن جو لوگوں سے میل ملاپ رکھتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر اور تحمل سے کام لیتا ہے اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا اور ان کی ایذاء پر صبر و تحمل سے کام نہیں لیتاہے۔‘‘
انسان کے عقائد اور عبادات میں خلل پڑے، تو اس میں انسان کا ذاتی نقصان ہے اور آدابِ معاشرت میں کوتاہی ہو تو دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے اور دوسروں کو ضرر پہنچانا اپنے آپ کو ضرر پہنچانے سے زیادہ سنگین ہے۔ آخر کچھ بات تو ہے کہ سورۂ فرقان میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے اوصاف بیان کیے، حسنِ معاشرت کا ذکر ان کی تہجد گزاری اور شب زندہ داری کے ذکر سے مقدم رکھا:
﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (63) وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾
[الفرقان : 63 – 64]
ترجمہ: اور رحمن کے (حقیقی) بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور اگر جاہل ان سے مخاطب ہوں تو بس سلام کہہ کر (کنارہ کش رہتے ہیں)اور جو اپنے پروردگار کا حضور سجدہ اور قیام میں راتینگزارتے ہیں۔
اسلام نے جو آدابِ معاشرت ہمیں سکھائے ہیں۔ میں نے ان کا اجمالی سا خاکہ آپ کے سامنے رکھا ہے۔ دوستو میرا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات کے سب سے مہذب اور متمدن انسان تھے۔ وہ تہذیب و ثقافت جو انہوں نے ہمیں بخشی ہے، اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ ہر مقام اور ہر زمانےمیں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ زمانے کی لنبان گو کتنی آگے بڑ ھ جائے، دنیا کی مہذب اور متمدن قومیں اس سے بہتر تہذیب و ثقافت کو جنم دینے سے عاجز رہیں گی۔

عزیزو! انگریز یہاں سے رخصت ہوا اور تمہارے جسموں پر اس کی حکمرانی شاید باقی نہ رہی ہو، لیکن تمہارے ذہنوں پر وہ اب بھی چھایا ہوا ہے اور تمہارے دلوں پر وہ ابھی تک براجمان ہے۔ یہ کیسا احساس کمتری ہے، یہ کیسی رُلا دینے والی بدبختی ہے، یہ کیسا ہنگامہ زبونئ ہمت ہے کہ تمہارے اپنے گھر میں ثقافت اور تہذیب کے یہ لعل و جواہر ہیں اور تم غیروں کے خذف ریزوں پر للچائی ہوئی نظر ڈالتے ہو؟

و صلی اللہ تعالی علی نبینا محمدوالہ وصحبہ أجمعین

[1] مناھل الصفا للسیوطی:998، الشفاء للقاضی عیاض:90/2

[2] نسائی:3415، 3416

(15) بارات کا تصور، مفاسد اور حل

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

شادیوں میں بارات کا رواج کب سے شروع ہوا؟ یعنی پورے خاندان،برادری اور دوست احباب کا ایک جم غفیر اور انبوہ کثیر کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جانا ۔

تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ عہد رسالت وعہد صحابہ وتابعین یعنی دور خیر القرون میں اس کا نام ونشان نہیں ملتا ، صرف گھر کے چند افراد جاتے اور خاموشی اور سادگی کے ساتھ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر نکاح پڑھ کے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آتے ، شرعاً نکاح میں اعلان ضروری ہے اور یہ اعلان طرفین کے گھر والوں کے سامنے ہوجاتاتھا نیز ولیمے میں مزید لوگوں کے علم میں آجاتا ، اب جو بارات کا عام رواج ہے جس کے بغیر شادی کا تصور بھی ممکن نہیں اس کے بے شمار مفاسد ہیں ، ان میں سے چند بڑے مفاسد حسب ذیل ہیں۔

(1) سارے دوست احباب اور خاندان اور برادری کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا،اسراف(فضول خرچی) ہے، پہلے خود لڑکے والوں کو تمام مہمانوں کے بیٹھنے اور خاطر تواضع کا انتظام کرنا پڑتا ہے ، قریبی رشتے داروں کے لیے تو یہ انتظام کئی کئی دن کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ پھر ان سب کو ساتھ لانے اور لے جانے کے لیے بسوں اور گاڑیوں کا انتظام اس پر مستزاد۔ اس سے بھی پہلے شادی کارڈوں کی اشاعت کا مسئلہ آتاہے ، پہلے تو سادہ سے کارڈ چھپوا کر اطلاع کا اہتمام کر لیا جاتا تھا ، اب اس میں بھی پیسے والوں نے بڑی جدتیں اختیار کر لی ہیں اور اتنے اتنے گراں

کارڈ چھپنے لگے ہیں کہ ان کو دیکھ کر اس قوم کی فضول خرچی پر سرپیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں زیادہ قریبی رشتے دار(بہنیں اور بیٹیاں اور ان کی اولاد) تو کئی کئی دن پہلے آکر شادی والے گھر میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں اور مختلف رسموں(مایوں،مہندی وغیرہ) کے علاوہ کئی کئی راتیں مسلسل ڈھولکیاں بجاتیں اور اہل محلہ کی نیندیں خراب کرتی ہیں۔ پھر نکاح والے دن بقیہ خاندان اور احباب وغیرہ جمع ہوکر ایک لاؤ لشکر کی صورت میں لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں جس کی ضیافت اور ٹھہراؤ کے لیے کسی شادی ہال یا کسی بڑی مکان کا انتظام لڑکی والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان کو ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے ، جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہوتی ہے ان کےلئے تو یہ بوجھ کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن جن کے پاس زیادہ وسائل نہیں ہوتے ان کو بھی خواہی نخواہی یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے چاہے وہ زیر بار ہوجائیں اور اس بوجھ کے اتارنے میں وہ سالہا سال پریشان رہیں۔

(2) جب لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اللہ سے بے خوفی کے نتیجے میں یہ تصور بھی عام ہے کہ یہ خوشی کا موقع ہے اس وقت جو چاہیں کر لیں ، اس کا جواز ہے ، چنانچہ بڑی بڑی شیطانی حرکتیں کی جاتی ہیں اور باراتی ان سے خوب محظوظ ہوتے ہیں ، اس طرح سب گناہ میں شریک ہوجاتے ہیں ، بلکہ اکثر اوقات لڑکی والوں کی طرف سے بھی ان کا مطالبہ اور اصرار ہوتا ہے ، یوں دونوں خاندان اور ان کے سارے عزیز واقارب اجتماعی طور پر نہایت دھڑلے سے اللہ کی نافرمانیاں کرتے اور شریعت اسلامیہ کی دھجیاں اڑاتے ہیں جب کہ اسلامی تعلیم کی رو سے انفرادی گناہ جو خفیہ اور چھپ کر کیا جائے اگرچہ وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر کوئی گناہ کا کام کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کیا جائے ، تو اس جرم کی شناعت وقباحت کئی گنابڑھ جاتی ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ۔

كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ

صحیح البخاری ، کتاب الادب، باب ستر المؤمن علی نفسة

’’ میری امت کے سارے گناہ معاف ہوسکتے ہیں سوائے ان گناہ گاروں کے جو کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہوں گے۔‘‘

اجتماعی طور پر کیے جانے والے یہ گناہ جو باراتیوں کے ہجوم میں اور ان کی وجہ سے کیے جاتے ہیں، حسب ذیل ہیں :

بینڈ باجوں کا اہتمام جن کی شیطانی دھنوں سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں حتی کہ ان پر نوٹوں کی بارش کی جاتی ہے جس کا نام ویل دینارکھا ہوا ہے۔

آتش بازی جو''گھر پھونک،تماشہ دیکھ'' کی مصداق ہے ، ہزاروں روپے اس پر اڑادیے جاتے ہیں۔
ہوائی فائرنگ، جس کی زد میں آئے دن بعض باراتی یا اڑوس پڑوس کے لوگ آجاتے ہیں اور موت کا شکار ہوجاتے ہیں۔
بھنگڑا اور لڈیاں ڈالنا، اس کا رواج بھی بڑھتا جارہاہے حتی کہ بعض باراتیوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ خواتین بھی اس میں شریک ہوجاتی ہیں۔
پیسے لٹانا، پہلے تو ریزگاری کی شکل میں تھوڑی سی رقم ہی اس پر خرچ ہوتی تھی ، اب یہ رسم نوٹوں تک پہنچ گئی ہے جس سے اس مد پر بھی ہزاروں روپے برباد کیے جاتے ہیں۔
ہیں جن کا بوجھ اس کے لیے ناقابل برداشت ہوجاتاہے ،یہ بھی فضول خرچی ہی کی ایک مد ہے۔
یہ بارات جب لڑکی والوں کے ہاں(ہال یا گھر میں) پہنچتی ہے تو نوجوان لڑکیاں اور یکسر بے پردہ عورتیں دونوں طرف ہاتھوں میں پھولوں کے تھال پکڑے ہوئے دولہا اور باراتیوں کا استقبال کرتی ہیں اور ان پر گل پاشی کرتی ہیں، یہ بھی بے پردگی کی ایک ایسی بے ہودہ رسم ہے جس کی توقع کسی مسلمان مرد عورت سے نہیں کی جاسکتی۔
بارات کے ساتھ کرائے کے مووی میکر ہوتے ہیں جو ان ساری خرافات کو بھی اور ہال میں ہونے والے ساری کارروائی کو بھی(نکاح کی تقریب سے لے کر دلہن کی رخصتی تک) فلم بند کرتے ہیں اور ایک ایک سین کو بالخصوص خواتین کے مختلف پوزوں کو اور دلہن کے ایک ایک پوز کو محفوظ کرتے ہیں اور بعد میں دونوں خاندانوں کے گھروں میں بے حیائی کے ان مظاہر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتاہے۔
بارات میں خواتین کا بھی ایک ریلا شریک ہوتا ہے جو سب بے پردہ،نہایت بھڑ کیلے،زرق برق ، حتی کہ عریاں اور نیم عریاں لباس میں ملبوس ، نہایت بے ہودہ میک اپ اور سولہ سنگھار سے آراستہ اور زیورات میں لدی پھندی ہوتی ہیں گویا وہ شادی کی ایک بابرکت تقریب میں نہیں بلکہ وہ مقابلہ حسن یا آرائش وزیبائش اور بے پردگی وبے حیائی کے مقابلے میں شریک ہونے کے لیے جارہی ہیں۔
اب بہت سی جگہوں پر مخلوط اجتماع بھی ہونے لگے ہیں ، یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حصے نہیں ہوتے، کھانے کا الگ الگ انتظام نہیں ہوتا بلکہ بغیر کسی تفریق اور پردے کے مرد اور عورت کے لیے ایک ہی ہال اور کھانے کی میزیں بھی مشترکہ

إنَّا لله وإنَّا إليهِ رَاجِعُونَ
آخر میں مراثیوں کا ایک غول آجاتا ہے جو الٹی سیدھی ہنسانے والی باتیں ہانک کر اور بڑکیں مار کر باراتیوں سے (ویلیں) وصول کرتے ہیں۔
اور بعض جگہ اور بعض خاندانوں میں مجرے کا رواج ہے۔ مخنث(ہیجڑے) نسوانی لباس اور نسوانی ناز وادا اور ناچ گاکر باراتیوں کا دل لبھاتے ہیں اور ان سے خوب ویلیں وصول کرتے ہیں اور باراتی ان پر بھی نوٹوں کی بارش برساتے ہیں۔
کھانے کے موقعے پر بھی اکثر وبیشتر عجیب ہڑبونگ مچتی ہے ، کھانے پر لوگ اس طرح ٹوٹ کر پڑتے ہیں ، جیسے مویشیوں کو چارہ کھر لی میں ڈال کر چھوڑ دیا جاتاہے اور وہ
﴿يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾
[محمد : 12]
کے مصداق ہوتے ہیں یا جیسے بھوکے گد ہوتے ہیں یا جیسے ایسی وحشی اور گنوار قسم کی قوم کے افراد ہوں جن کو کبھی کھانا نصیب نہیں ہوا یا جن کا کوئی تعلق تہذیب وشائستگی سے نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہر شخض اپنی اپنی پلیٹوں کو اس طرح بھر لیتا ہے کہ اکثر وہ اس سے کھایا ہی نہیں جاتا اور آدھی آدھی پلیٹیں بھری ہوئی چھوڑ دیتے ہیں ، وہ سارا کھانا کوڑے میں پھینک دیا جاتاہے حالانکہ اس صورت حال کے پیش نظر میزبان ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں کھانا تیار کرواتا ہے اور یہ اندیشہ قطعاً نہیں ہوتا کہ کسی کو کھانا نہیں ملے گا ، بعض دفعہ کسی میز پر بیرے کو دوبارہ کھانا لانے میں ذرا دیر ہوجاتی ہے تو لوگ معمولی سا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹنگ شروع کردیتے ہیں، بد اخلاقی اور تہذیب وشائستگی سے عاری یہ مظاہراتنے عام ہیں کہ ہم ان تقریبات میں غیر مسلم اشخاص کو بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ہم مسلمانوں کے اخلاق وکردار کے بارے میں کیا تاثر قائم کریں گے کہ یہ اسی مسلم قوم کے وارث ہیں جن کے اسلاف نے دنیا کو مکارم اخلاق اور تہذیب وشائستگی کا درس دیا تھا اور جن کے پیغمبر بھی خلق عظیم کے مالک تھے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے جس کے بہترین نمونے ان کے پیروکاروں(صحابۂ کرام وتابعین عظام) نے دنیا کے سامنے پیش کیے اور دنیائے انسانیت میں معلم اخلاق کے نام سے معروف ہوئے۔
یہ سارے مظاہر جن کے کچھ نمونوں کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی ، ایک تو سراسر اسراف وتبذیر میں داخل ہے جن کے مرتکبین کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخوان الشیاطین(شیطانوں کے بھائی)قرار دیا ہے ۔

دوسرے قدم قدم پر اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے ۔
تیسرے ڈنکے کی چوٹ پر علانیہ بڑے بڑے گناہوں کی جسارت ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔
چوتھے ، بداخلاقی اور بدتہذیبی کے مظاہر ہیں جن کی توقع کسی بھی مہذب اور شائستہ قوم سے نہیں کی جاسکتی ،چہ جائیکہ اسلام کے ماننے والے ان کا ارتکاب کریں؟
تمام مذکورہ خرافات کے بعد آخر میں فوٹو سیشن ہوتا ہے جس میں مرد وعورت سب اسٹیج پر یا اور کسی نمایاں جگہ پر جمع ہوتے اور باری باری دولہا اور دلہن کے ساتھ فوٹو کھنچواتے ہیں یہ سراسر بے پردہ اور مخلوط اجتماع ہوتاہے۔
ان تمام مفاسد اور خرابیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی حل ہے کہ باراتوں کا سلسلہ ختم کیا جائے ، دولہا کے ساتھ خاندان کے چند لوگ لڑکی والوں کے گھر جائیں ، لڑکی والے بھی اپنا پورا خاندان جمع کرنے کی بجائے چندضروری افراد ہی کو اس تقریب میں شریک کریں اور گھر کے ایک کمرے ہی میں نکاح کرکے حسب استطاعت مہمانوں کی ضیافت کرکے اپنی بچی کے ہمراہ ان کو رخصت کر دیں اس طرح اس تقریب کے لیے نہ شادی ہال کی بکنگ کی ضرورت ہوگی ، نہ مہمانوں کے لیے درجنوں کے حساب سے دیگوں، مختلف ڈشوں اور دیگر اشیائے طعام کی نہ عورتوں کی بے پردگی وبے حیائی کا فتنہ اور نہ بینڈباجوں،آتش بازی اور نہ مووی فلموں کی حیا سوز فتنہ انگیزی اور نہ دیگر بے شمار خرابیوں کا ظہور جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں پیش کی گئی ہے۔
﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾
[القمر : 17]
کیا کوئی ہے ان نصیحتوں پر کان دھرنے والا؟ سادگی اور اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے والا ؟ اور لوگوں کی ناراضی اور لومۃ لائم(ملامت گروں کی ملامت سے) سے بے خوف ہوکر صرف اللہ کو راضی کرنے والا؟

بارات میں عورتوں کی شرکت کے مزید مفاسد
لڑکی والوں کے گھر جاتے وقت سوائے گھر کی خواتین کے (بیٹے کی ماں اور بہنوں کے) خاندان کی عورتوں اور دوست احباب کی بیگمات کو قطعاً ساتھ نہ لے جایا جائے اس لیے کہ بارات میں عورتوں کی شرکت بھی بے شمار مفاسد کا باعث ہے۔

عورتوں میں سادگی کا تصور بالکل ختم ہوگیا ہے ، حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورتیں بالکل سادہ لباس میں باپردہ گھر سے باہر نکلیں، جب کہ ہوتا یہ ہے کہ خاندان میں کسی کی شادی کی اطلاع ملتے ہی گھر کی خواتین مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ گھر میں(بچیوں اور بیوی سمیت) تمام خواتین کے لیے کم از کم دو دو سوٹ اعلیٰ قسم کے تیار کیے جائیں ، ایک نکاح والے دن اور دوسرا ولیمے والے دن کے لیے کیونکہ خاندان کی ساری عورتوں نے ان کو دیکھنا ہے ، دونوں دن ایک ہی سوٹ میں اور سادہ لباس میں ملبوس ہونے کی صورت میں ان کی سبکی ہوگی۔
محدود آمدنی والے مرد کے لیے اپنے محدود بجٹ میں اس کے لیے گنجائش نکالنا بڑا مشکل ہوتاہے ، علاوہ ازیں لباس اور اس کی سلائی کے علاوہ ، سادگی کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے ، میک اپ اور سولہ سنگھار کا سامان کا بھی مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے اور آنے جانے کے لیے کرائے کی گاڑی بھی ضروری ہے ۔
جو صاحب حیثیت گھرانے ہیں ان کی بیگمات کا ، مذکورہ اخراجات کے علاوہ ، زیورات کے نئے طلائی سیٹ کا مطالبہ ہوتا ہے ، گھر میں پہلے جو سیٹ بلکہ بعض کے ہاں کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں ، ان کا کہنا ہوتا ہے وہ پرانے ہیں یا فلاں کی شادی میں میں نے وہ پہنے تھے ، اب وہی سیٹ اس شادی میں میں نے نہیں پہننا ہے اور آج کل کے زن مرید قسم کے شوہر یہ مطالبہ بھی پورے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔
اور اب بہت سی خواتین میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کی خدمات بھی حاصل کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے بال، چہرہ اور ہر چیز سیٹ کروا کر شادیوں میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ لباس اور زیورات ہی میں نہیں بلکہ حسن وجمال اور آرائش وزیبائش میں بھی یکتا اور ممتاز نظر آئیں، پھر ان تکلفات وتصنعات میں پردے اور نماز پڑھنے کا اہتمام کیوں کر ممکن ہے ؟ چنانچہ ہماری شادیوں میں ان سب کا تصور ختم ہوگیا ہے ، پردہ کریں گی تو آرائش وزیبائش کے یہ مناظر لوگوں کو کب نظر آئیں گے ؟ اور نماز کے لیے وضو کریں گی تو میک اپ کا یہ کرشمہ ’مصنوعی حسن‘ بہہ جائے گا اور چہرے کی اصل رنگت اور اصل خدوخال نمایاں ہوجائیں گے۔
یہ عورتیں جب شادی والے گھر یا شادی ہال میں اکٹھی ہوتی ہیں تو ان کی نظریں دیگر تمام عورتوں کے لباس،زیورات اور میک اپ کا جائزہ لیتی ہیں اگر وہ ان سب میں ممتاز ہوتی ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے ، شیطان ان کے اندر تفاخر اور تکبر کا احساس اور اپنے سے کمتر عورتوں کی تحقیر کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو سادہ مزاج قسم کی

عورتوں کی بابت اس قسم کے تبصرے بھی ان کے نوک زباں پر آجاتے ہیں کہ فلاں کو دیکھو! اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے لیکن یتیموں اور فقیروں کے سے لباس میں یہاں آئی ہیں ، یعنی یہ سادگی ، جو اللہ کو پسندہے ، شیطان صفت ان عورتوں کو بری لگتی ہے۔

یہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو اکثر وبیشتر ان کی باہم گفتگو کا موضوع ایک دوسرے کی غیبت اور ایک دوسرے پر لعن طعن ہوتا ہے ، اللہ کا ذکر شاذ ونادر ہی ان کی زبانوں پر آتا ہے ۔

مووی فلم میں ، جو آج کل شادیوں کا(بارات میں بھی اور ولیمے میں بھی) ایک لازمی حصہ بن گیا ہے ، ان بے پردہ فیش پرست عورتوں کے ایک ایک سین کو محفوظ کرکے ان کے حسن وجمال اور بناؤ سنگھار اور لباسوں کی تراش خراش بلکہ عریانی ونیم عریانی کو عام کرکے دونوں خاندانوں میں ان کی نمائش کا اہتمام اور ان کا چرچا ہوتا ہے حالانکہ عورتوں کی یہ ساری خوبیاں اور آرائش وزیبائش کی ساری صورتیں صرف خاوند کے لیے جائز اور اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن بے چارہ مرد تو اپنی بیوی کو اپنے گھر میں بالعموم اس کے برعکس حالت میں دیکھتا ہے کیونکہ عورتیں اپنے خاوند کے لیے اس طرح کی آرائش وزیبائش کا اہتمام نہیں کرتیں جب کہ ان کو ان کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے کی نہ صرف اجاز ہے بلکہ حکم ہے لیکن جب ان کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس طرح بن سنور کر نکلتی ہیں کہ اللہ کی پناہ، بالخصوص شادیوں میں تو اس کی بے پردگی،اس کا نیم عریاں لباس، میک اپ ، غازہ ولپ سٹک، اس کی ایک ایک حرکت وادا ایک غارت گردین وایمان اور رہزن تمکین وہوش، کسی الھڑ حسینہ، دل ربا چنچل بازاری عورت سے کم نہیں ہوتی حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورت جب گھر سے باہر نکلے تو باپردہ اور سادگی سے نکلے حتی کہ اس کی خوشبو کی مہک بھی کسی مرد کو محسوس نہ ہو ۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوا رِيحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ

سنن النسائی ، کتاب الزینۃ، باب ما یکرہ للنساء من الطیب ، سنن أبی داؤد ، کتاب الترجل ، باب فی طیب المرأۃ للخروج ،

’’ جو عورت خوشبو لگا کر (باہر نکلتی ہے اور) لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونکھ لیں تو وہ بدکار ہے۔‘‘

احادیث میں ایک دفعہ بیان ہوا ہے کہ ایک عورت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزری تو انہوں نے اس سے خوشبو مہکتی ہوئی

سونگھی، انہوں نے پوچھا: اے اللہ کی بندی! کیا تو مسجد میں آئی ہے ؟ اس نے کہا : ہاں ۔ انہوں نے کہا : اور مسجد میں آنے کے لیے تو نے خوشبو لگائی ہے ؟ اس نے کہا : ہاں ۔ آپ نے فرمایا : میں نے اپنے محبوب پیغمبر ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ۔
لا تُقْبَلُ صَلاةٌ لامْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِهَذَا الْمَسْجِدِ، حَتَّى تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الجَنَابَةِ
سنن ابی داؤد ، کتاب الترجل ، باب ماجاء فی المرأۃ تتطیب للخروج
'' اس عورت کی نماز مقبول نہیں جو خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے جب تک کہ وہ واپس جاکر اس طرح کا غسل نہ کرے جو جنابت کا غسل ہوتاہے۔''
اس سے اسلامی تعلیمات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عورت کو مسجد میں جانے کے لیے بھی خوشبو لگا کر جانے کی اجازت نہیں ہے تو دوسری کسی بھی جگہ معطر اور مزین ہوکر جانے کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے؟ اور جو اس طرح جاتی ہے اس کے دل میں اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان پر عمل کا جذبہ کتنا ہے ؟

نکاح کے بعد عورتوں کے اجتماع اور حصے میں ایک اور رسم کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور وہ ہے کہ دولہا میاں اپنے دوستوں کے ہمراہ اس حصے میں جاتے ہیں اور وہاں دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھا کر تمام خواتین کے سامنے دودھ پلائی کی رسم ادا کی جاتی ہے اس کے علاوہ دولہا دلہن سب کے سامنے ایک دوسرے کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں ، اس موقعے پر دونوں خاندانوں کی خواتین کے علاوہ لہا کے قریبی دوست بھی وہاں موجود ہوتے ہیں ۔ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ دیندار خاندانوں میں بھی اس رسم کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اسے بلا تکلف ادا کیا جاتاہے حالانکہ دولہا بھی سوائے پھوپھی،خالہ یا اپنی ماں ، بہنوں اور ساس کے تمام عورتوں کے لیے غیر محرم ہے ، دولہا کے ساتھ اس کے دوست بھی اس موقع پر موجود ہوتے ہیں جو دلہن سمیت تمام خواتین کے لیے غیر محرم ہوتے ہیں لیکن سب کے سامنے بے حیائی کی یہ رسم ادا کی جاتی ہے اور ویڈیو والے یہاں بھی یہ تمام مناظر فلمانے کاکام جاری رکھتے ہیں۔

دلہن کی رخصتی کے وقت بھی عجیب عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں حتی کہ بعض خاندانوں میں قرآن پکڑ کر اسے دلہن کے سر پر چھتری کی طرح تان کر قرآن کا اس پر سایہ کیا جاتا ہے گویا قدم قدم پر ہر کام میں اللہ کی نافرمانی اور قرآنی تعلیمات کی مٹی پلید کرنے کے باوجود ہم قرآن سے اس جذباتی تعلق کا اظہار کرکے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں ، یا اللہ ! دیکھ لے اس

سب خود فراموشی اور خدافراموشی کے بعد بھی بطور تبرک تیرے قرآن کریم ہی کو استعمال کررہے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے ساتھ کتنا بھونڈا مذاق ہے۔اعاذنا اللہ منہ

کیا روزِ محشر اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے نہیں پوچھے گا کہ کیا قرآن کریم میں نے صرف اس لیے نازل کیا تھا کہ تم اس کو حریر وریشم کے غلافوں میں لپیٹ کر گل دستۂ طاق نسیاں بنا کر رکھ دینا اور اپنے کاروبار میں ، معاملات زندگی میں اور اپنی معاشرتی تقریبات(شادی بیاہ وغیرہ) میں اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھنا، تاہم اس کو کبھی کبھی تبرک کے طور پر یا مردے بخشوانے اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے لیے استعمال کر لیاکرنا۔

تاکہ تم اللہ کو ، دنیا کو اور اپنے نفسوں کو یہ دھوکہ دیتے رہو کہ تم قرآن کریم کو ماننے والے ہو ، سچ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ۔

﴿يُخَادِعُونَ اللهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾

[البقرة : 9]

ترجمہ:'' یہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں اوران کو یہ پتہ ہی نہیں کہ دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔''

شادی کے اختتام پر مرد حضرات اپنی اپنی خواتین کو لینے کے لیے ہال کے گیٹ پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ماشاء اللہ سب خواتین چونکہ بے پردہ ، ہر طرح کے فیشن سے آراستہ نیم عریاں لباسونمیں ملبوس اور الٹے سیدھے میک اپ سے اپنے چہروں کو اور پلکوں کو بزعم خویش سجایا بھڑکایا ہوتا ہے تو کیا باہر نکلتے ہوئے یہ عورتیں مردوں کے سامنے سے بلا جھجھک نہیں گزرتی ہیں ؟ اور کیا مرد رنگ ونور کے اس سیلاب سے ، یا حسن وجمال کے اس جلوہ ہائے بے تاب سے یا بکھرتے اور دھنکتے اس قوس قزح سے محظوظ نہیں ہوتے؟ کیا بے حیائی وبے پردگی کے ان مناظر اور مظاہروں کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ اور جن مسلمان کہلانے والے مردوں نے اپنی بیگمات،بیٹیوں اور بہنوں کو اس بے حیائی کا مظہر بننے کی اور ''بے حیا باش وہرچہ خواہی کن'' کا مصداق بننے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے ، کیا وہ اس کے ذمے دار نہیں ہیں؟ اگر وہ واقعی مسلمان ہیں تو کیا اس بے غیرتی کا ان کے پاس کوئی جواز ہے؟ کیا انہوں نے کبھی سوچاہے اسلام کی اس طرح مٹی پلید کرنے پر وہ اللہ کوکیا جواب دیں گے، بارگاہ الٰہی میں کس طرح سرخرو ہوں گے؟ کیا اس جواب سے ان کا چھٹکار ہوجائے گا کہ بیوی یا بیٹی نہیں مانتی تھی؟ یا ہمارے معاشرے کا رواج ہی یہ تھا کہ شادی بیاہ کے موقعے پر شریعت کو

بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا ؟ یا اگر ہم اپنی خواتین کو سادہ لباس اور باپردہ لے جاتے تو لوگ ہمیں دقیانوسی خیال کرتے اور یہ پھبتی کستے۔
اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ ، انہیں کچھ نہ کہو
کیا اس قسم کے جوابات سے ہماری چھوٹ ہوجائے گی؟
پس چہ باید کرد؟
بہر حال یہ صورت حال نہایت المناک ہے اور اہل دین کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ، یہ کہا جاسکتاہے کہ سب شادیوں میں تو ایسا نہیں ہوتا ، بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن بات تو چند افراد یا چند شادیوں کی نہیں بلکہ قوم کی حیثیت مجموعی کی ہے۔ رسم ورواج اور بے حیائی کایہ طوفان اور دینی اقدار وروایات سے یکسر انحراف کا یہ سیلاب اتنا عام اور تیز ہوگیا ہے کہ بڑے بڑے دین دار گھرانے اور خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آرہے ہیں اور دولت اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے ان کے اندر بھی دین کی پابندی کے بجائے شان وشوکت کے اظہار کا جذبہ بڑھتا جارہاہے ، اس کی وجہ سے بہت سی مذکورہ خرابیاں دین داروں کی خواتین میں بھی عام ہوتی جارہی ہیں ، مثلاً
امیرا نہ شان وشوکت کا اظہار ۔ ان کی خواتین نے ظاہری طور پر تو پردہ کیا ہوا ہوتا ہے لیکن پردے کے پیچھے وہی زرق برق لباس کی نمائش، زیورات کی نمائش، میک اپ اور آرائش کی نمائش ، تفاخر اور برتری کا احساس وغیرہ ۔
یہ چیزیں کمتر حیثیت کی خواتین کے اندر احساس محرومی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ فضول خرچی کے علاوہ معاشرے کے محروم طبقات کے اندر احساس محرومی کے جذبات پیدا کرنا بھی شرعی طور پر ناپسندیدہ ہے۔
پھر مائیں تو پردے کا کچھ اہتمام کرلیتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ان کی نوجوان یا قریب البلوغت بچیاں ہوتی ہیں وہ اکثر بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور مذکورہ فیشنی مظاہر سے آراستہ بھی۔
علاوہ ازیں دین دار خاندانوں کے سارے رشتے دار بھی یا تو دین دار نہیں ہوتے یا دینی اقدار وروایات کے زیادہ پابند نہیں ہوتے نیز ان کے قریبی احباب میں بھی بہت سے دین سے بہت دور ہوتے ہیں ان کی خواتین بھی جب بارات اور ولیمے میں شرکت کرتی ہیں تو وہ اسی بے پردگی اور اس کے لوازمات کا مظہر ہوتی ہیں جس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

بڑی باراتوں اور ان کی ضیافت کے لیے دین داروں کو بھی وسیع پیمانے پر انتظامات کرنے پڑتے ہیں ، شادی ہال کا اور انواع واقسام کے کھانوں کا .جو فضول خرچی ہی کے ذیل میں آتاہے۔
لڑکی کی شادی ہو یا لڑکے کی۔ شادی والے گھر ہی میں کئی کئی دن چراغاں ضروری نہیں ہوتا بلکہ گلی،چوراہوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے اور دین دار ہوں یا غیر دین دار، سب ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ خوشی کے موقعے پر چراغاں کرنا مسلمانوں کا شیوہ کبھی نہیں رہا ، یہ آتش پرستوں کی رسم ہے جسے ہندؤوں نے اختیار کیا اور ہندؤوں سے میل جول کی وجہ سے یہ مشرکانہ رسم مسلمانوں میں بھی آگئی۔
یہ چند مفاسد وہ ہیں جو دین دار گھرانوں اور خاندانوں میں بھی عام ہوتے جارہے ہیں اور ان سےبچنے کا داعیہ اور جذبہ کمزور سے کمزور تر ہوتا جارہاہے۔

سخت آپریشن اور دینی غیرت اختیار کرنے کی ضرورت
جب بیماری شدید اور ناسور خطر ناک ہوجائے تو بیماری اور ناسور کے خاتمے اور بیمار کی زندگی کو بچانے کے لیے آپریشن ناگزیر ہوجاتاہے اور یہ ناگوار اقدام مریض سے ہمدردی اور محبت کا تقاضا ہوتاہے۔
شادی بیاہ کی رسمیں، جن میں بارات بھی ایک مرحلہ ہے ، خطر ناک ناسور کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اس مریض قوم اور اس ناسور بھرے معاشرے کے معالج اور ہمدرد صرف اور صرف اہل دین ہیں ، اس لیے معاشرے کے ان پھوڑوں(ناسوروں) کی نشتر زنی انہی کے ذمے داری ہے۔ وہ اپنی ذمے داری کو محسوس کریں لوگوں کی باتوں سے نہ ڈریں، طعن وتشنیع کی پروانہ کریں اور بغیر لومۃ لائم کے خوف کے اس بیمار قوم کے آپریشن کا آغاز کریں اور اس کے لیے ابتدائی قدم یہ ہے کہ اپنے گھر سے اسے شروع کریں۔ بالخصوص جو اصحاب حیثیت دینی خاندان اور افراد ہیں ، وہ ہمت کریں اور فوری طور پر بارات کا سلسلہ ختم کریں بے شک اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے ، وہ سینکڑوں نہیں ، ہزاروں افراد پر مشتمل باراتوں یا ان کی ضیافت کا اہتمام کرسکتے ہیں ، لیکن اللہ نے یہ دولت فضول خرچی کے لیے نہیں دی ہے ، اس پر تو آپ سے باز پرس کی جاسکتی ہے ، اس دولت کو صحیح مصارف پر خرچ کریں جس کی ہمارے معاشرے میں سخت ضرورت ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ ہم جہیز پر گفتگو کے ضمن میں کریں گے۔ پاکستان میں ڈاکٹر اسرار صاحب مرحوم کی ’’تنظیم اسلامی‘‘ نے اس کا آغاز کیا ہوا ہے اور اس تنظیم سے وابستہ

افراد کی ایک معقول تعداد نے باراتوں کا سلسلہ موقوف کیا ہوا ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے جسے اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔
یہ صرف ایک تنظیم یا اس سے وابستہ افراد کا کام نہیں ہے ، یہ ایک دین کا تقاضا ہے جو سارے اہل دین کے مل کر کرنے کا کام ہے ، صرف ایک تنظیم کے چند افراد کا یہ کردار قابل تعریف ہونے کے باوجود معاشرے میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں ، اس کی حیثیت کسی صحرا میں پکاریا نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ نہیں ہے۔
ملک میں اہل دین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو دینی شعور اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور بھی ہے ، دینی اقداروروایات سے وابستگی کا جذبہ بھی اس کے اندر ہے اور بے دینی وبے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے پریشان اور اس کا رخ موڑنے کی خواہاں بھی ہے لیکن بے عملی ، ایمانی ودینی غیرت وحمیت کے فقدان اور ہوا کے رخ پر ہی بغیر کسی مزاحمت کے ، چلتے جانے کی روش نے اتنی بڑی تعداد کوبے حیثیت بنایا ہوا ہے۔
بنابریں ضرورت عملی اقدامات کی ہے ، ایمانی غیرت وحمیت کے مظاہرے کی ہے ، ایک مضبوط تحریک برپا کرنے کی ہے اور تمام دینی جماعتوں سے وابستہ دین دار افراد کے یہ عہد کرنے کی ہے کہ وہ باراتوں میں شریک نہیں ہوں گے اور خود بھی بارات کے بغیر شادی کریں گے تاکہ مذکورہ خرافات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور قوم کے سامنے دین کا ایک عملی ، سچا نمونہ پیش کریں۔
اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

لڑکی والوں کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں ؟
بعض لوگ کہتے یا سمجھتے ہیں کہ باراتیوں کے لیے لڑکی والوں کے گھر کھانا کھانا ناجائز ہے ، اسی طرح لڑکی والوں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ لڑکے والوں کے ساتھ آنے والے باراتیوں کی مہمان نوازی کریں ، ایسا سمجھنا صحیح نہیں ، یہ وہ غلو ہے جو ناپسندیدہ ہے۔
نکاح کی غرض سے لڑکی والوں کے گھر آئے ہوئے حضرات، کم ہوں یا زیادہ ، مہمان ہیں اور اکرام ضیف یعنی مہمان کی عزت وتکریم اور حسب طاقت وضرورت ان کی خاطر تواضع کا اہتمام نہایت ضروری اور ایمان کا تقاضا ہے، البتہ اپنی طاقت سے بڑھ کر محض دکھلاوے کے لیے فضول خرچی کی حد تک اہتمام ناجائز ہے جیسے مثال کے طور پر بارات کسی

دوسرے شہر سے آئی ہے اور پھر اسے واپس بھی اسی شہر میں جانا ہے تو ظاہر بات ہے کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد تقریب نکاح کے بعد خالی پیٹ رہنا اور پھر اسی طرح رخصتی لے کر بغیر کچھ کھائے پیئے دوبارہ عازم سفر ہوجانا ، ناممکن ہے ، ایسا نہ ہوسکتا ہے اور نہ کیا ہی جاسکتاہے۔ اس لیے مہمانوں کی ضیافت ناگزیر ہے اور اس قسم کی صورتوں میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے پینے کاانتظام کرنا اور مہمانوں کا لڑکی والوں کے گھر کھانا دونوں باتیں جائز ہیں ، شرعاً ان میں کوئی قباحت نہیں ہے ، اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ بھاری بھر کم بارات کا یہ تصور لڑکی والوں کے لیے خواہ مخواہ کا وہ ناروا بوجھ ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے ، یہ معاشرے کا وہ ناجائز رواج ہے جو لڑکی والوں کے لیے ایسا تصور ہے جس نے زمانۂ جاہلیت کی طرح لڑکی کی پیدائش کو غم واندوہ اور ماتم وشیون والی چیز بنادیا ہے جس کو اسلام نے آکر مٹایا تھا اور لڑکی کی پیدائش کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا تھا۔ بارات کے ناروا بوجھ اوردیگر رسم ورواج کے اغلال وسلاسل نے ایک اسلامی معاشرے کو دوبارہ قبل از اسلام کے جاہلی معاشرے میں تبدیل کر دیا ہے ، اور قرآن کریم نے اسلام کی نعمت سے محروم جاہلی معاشرے کی جو یہ کیفیت بیان کی ہے ۔

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾

[النحل : 58]

ترجمہ:’’ جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ غم وغصے سے بھرا ہوتا ہے۔‘‘

یہی کیفیت ہمارے پاک وہند کے مسلمان معاشروں کی ہوگئی ہے ، اور اس کی وجہ صرف وہی رسوم ورواج ہیں جو شادیوں کا جزو لا ینفک بن گئے ہیں ، جن میں بارات،جہیز،بری اور زیورات وغیرہ کی وہ غیر ضروری رسمیں ہیں جن کی بیڑیاں خود ہم نے اپنے پیروں میں ڈالی ہوئی ہیں اور جن کو اتار پھینکنے کے لیے کوئی تیار نہیں ، نیز اس میں دونوں خاندان برابر کے ملوث ہیں لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ کہ اس سے نہ کوئی دین دار خاندان مستثنیٰ ہے اور نہ غیر دین دار خاندان ۔ گویا

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

یا

ہم ہوئے ، تم ہوئے کہ میر ہوئے

ایک ہی زلف کے سب اسیر ہوئے
مسلمان معاشروں سے اس جاہلی کیفیت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شادی بیاہوں کے ان تکلفات کی بیڑیوں کو کاٹ کر نہیں پھینک دیا جائے گا جن میں ایک بھاری بھر کم بارات کا کروفرکے ساتھ آنا اور پھر شاہانہ انداز میں اس کی ضیافت کرنا شامل ہے۔

مروّجہ جہیز کی شرعی حیثیت
شادی کی رسومات میں ایک رسم جہیز بھی ہے۔ یہ رسم البتہ ایسی ہے کہ اس کی اصل حیثیت میں اختلاف ہے کہ یہ واقعی دیگر غیر ضروری رسومات کی طرح ایک رسم محض ہے یا کسی لحاظ سے اس کا شرعی جواز بھی ہے؟
ہمارے نزدیک اس رسم کے دو پہلو یا دو رخ یا دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں اس کا جواز ہے اور دوسری صورتوں میں ناجائز۔اس کو سمجھنے کے لیے ان صورتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے جن کے پیش نظر جہیز کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ حسبِ ذیل ہیں:

1. **شان و شوکت یا امارت کا اظہار**
2. **نمو دو نمائش، شہرت اور تفاخر کا اظہار**
3. **اسراف و تبذیر کی حد تک اس کا اہتمام**
4. **وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ**
5. **محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی رسم کے طور پر**
6. **عدم استطاعت کے باوجود قرض لے کر اس کا اہتمام کرنا**
7. **تعاون، ہدیہ اور صلہ رحمی کے طور پر**

اوّل الذکر چھ کی چھ صورتوں میں یہ ایک محض رسم ہے، اس لیے ناجائز ہے۔ اور اس ناجائز صورت میں اکثر و بیشتر مذکورہ ساری ہی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے جہیز کی رسم تمام مذکورہ خرابیوں کا مجموعہ ہے، اسے کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس میں شان و شوکت کا اظہار بھی ہوتا ہے، نمودو نمائش کا جذبہ بھی۔
اسراف و تبذیر کی حد تک اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لیے ہر چیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے، چاہے ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور لڑکے والوں کے پاس اتنا غیر ضروری سامان رکھنے کی جگہ بھی ہو یا نہ ہو۔
جس کے پاس استطاعت نہیں ہوتی، وہ قرض لے کر، حتیٰ کہ قرض حسنہ نہ ملے تو سود پر قرض لے کر یہ رسم پوری کرتا ہے۔

بھرپور جہیز دینے میں وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ بھی کار فرما ہوتا ہے۔ بالخصوص اصحابِ حیثیت اس نیّت سے لاکھوں روپے جہیز کی نذر کردیتے ہیں اور پھر واقعی ان کے بیٹے اپنے صاحب جائداد باپ کی وفات کی بعد اپنی بہنوں کو وراثت سے ان کا شرعی حق نہیں دیتے اور یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ باپ نے جہیز کی صورت میں اپنی بیٹیوں کو جو دینا تھا دے دیا، اب یہ ساری جائداد صرف بیٹوں کی ہے۔ اس طرح یہ رسم ہندؤوں کی نقل ہے۔ ہندو مذہب میں وراثت میں لڑکیوں کا حصہ نہیں ہے، اس لیے وہ شادی کے موقعے پر لڑکی کو 'دان' دے دیتے ہیں۔یہی دان کا تصور(وراثت سے محرومی کا بدل) مسلمانوں میں جہیزکے نام سے اختیار کر لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔اگر جہیزمیں مذکو رہ تصورات کار فرما ہوں تو جہیز کی یہ رسم سراسر ناجائز ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے، کیونکہ جہیز دینے والے بالعموم ایسے ہی تصوارت کے تحت جہیز دیتے ہیں اور اس رسم کو بھی پورا کرنا نا گزیر سمجھتے ہیں۔

جہیز کی جائز صورت

البتہ جہیز کی ایک جائز صورت بھی ہے جس کا ذکر ساتویں شکل میں کیا گیا ہے اور وہ ہے تعاون، صلہ رحمی اور ہدیے(تحفے،عطیے) کے طور پر اپنی لڑکی کو شادی کے موقعے پر کچھ دینا۔

اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اس طرح ایک دوسرے کو ہدیہ، تحفہ دینے کی بھی ترغیب ہے۔ اور اگر تعاون یا ہدیے کا معاملہ اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ کیا جائے تو اس کوصلہ رحمی کہا جاتا ہے اور اس کی بھی بڑی تاکید ہے اور اس کو دگنے اَجر کا باعث بتلایا گیا ہے۔

اس اعتبار سے اپنی بچی کو،اگر وہ واقعی ضرورت مند ہے یا بطورِتحفہ کچھ دینا، بالکل جائز، بلکہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ والدین اپنی طاقت کے مطابق اس کی ضروریات پوری کریں۔

اس کے لیے قرض لے کر زیر بار نہ ہوں۔

نمائش اور رسم کے طور پر ایسا نہ کریں۔

ضروریاتِ زندگی کی اس فراہمی میں شادی کے موقعے پر ضروریات کا جائزہ لیے بغیر تعاون کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ شادی کے بعددیکھا جائے کہ اس گھر میں کن چیزوں کی ضرورت ہے اورلڑکے والے اُن کو مہیا

کرنے سے واقعی قاصر ہیں، تواُ ن کو وہ اشیا مہیا کرنے میں حسبِ استطاعت ان سے تعاون کیا جائے لیکن حسب ذیل شرائط کے ساتھ

اس تعاون کو وراثت کا بدل سمجھ کر اسے وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ نہ ہو۔

بیک وقت تعاون کی استطاعت نہ ہو تو مختلف اوقات میں تعاون کردیا جائے۔

اگر بچی کو گھریلو اشیائے ضرورت کی ضرورت نہ ہواور والدین صاحب استطاعت ہوں اور وہ بچی کو تحفہ دینا چاہتے ہوں تو داماد کی مالی پوزیشن کے مطابق اس کو ایسا تحفہ دیں جس سے اس کا مستقبل بہتر ہوسکے۔ مثلاً، اس کے پاس سرمائے کی کمی ہے جس کی وجہ سے وہ کاروباری مشکلات کا شکار ہے، اس کو نقد رقم کی صورت میں ہدیہ دے دیا جائے تاکہ وہ اپنا کاروبار بہتر کر سکے، یا اُس کو پلاٹ لے دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنا مکان بنا سکے، اگر اس کے پاس مکان نہیں ہے یا وہ مشترکہ خاندان میں رہائش پذیر ہے اور وہاں جگہ کی تنگی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ پلاٹ، یا گھر کی تعمیر، یا کاروبار میں مالی تعاون میاں بیوی(بیٹی اور داماد) کے لیے ایسا بہترین تحفہ ہے جو صرف انہی کے نہیں بلکہ آئندہ نسل کے بھی کام آئے گا۔ نیزتعاون کی ایسی صورت ہے جس میں رسم، نمود ونمائش، بلا ضرورت زیر بار ہونے کی کار فرمائی نہیں بلکہ خیر خواہی اور تعاون کا صحیح جذبہ ہے جو عنداللہ نہایت پسندیدہ ہے۔

یہ جہیز نہیں بلکہ صلہ رحمی، تعاون اور خیرخواہی ہے

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس صورت کو جہیزنہیں کہنا چاہیے بلکہ یہ تعاون اور صلہ رحمی یا ہدیہ ہے۔ جہیز کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ احادیث میں اس مروّجہ جہیز کا کوئی ذکر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار بیٹیوں میں سے کسی ایک بیٹی کو بھی۔ قبل از نبوت اور بعد از نبوت۔جہیز نہیں دیا۔ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت مشہور ہے کہ آپ نے اُن کو تین چار چیزیں بطورِ جہیز دی تھیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اس کا کوئی تعلق مروّجہ رسم جہیز سے نہیں ہے،جیسا کہ اس کی وضاحت آگےآرہی ہے۔

عربی زبان میں تجہیز(جہیز بنانے) کا مفہوم

جہیز،عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ جہاز(ســـامان) ہے۔قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے:
﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ﴾
[یوسف : 59]
’’جب(یوسف کے کارندوں نے) برادرانِ یوسف کا(واپسی کا) سامان(سفر) تیار کر دیا۔‘‘
جَهَّزَ
(باب تفعیل) کے معنی ہیں: اس نے سامان تیار کیا۔ ہر موقعے کے لیے الگ الگ سامان ہوتا ہے، اس کے حساب سے اس کے ساتھ یہ لفظ لگ کر اپنا مفہوم ادا کرتا ہے۔ جیســـے جہاز العروس (دلہن کو تیار کرنا)، جہاز المیت(میت کا ســـامان تیار کرنا) ،جہاز الســـفر(ســـفر کا ســـامان)،جہاز الغازی(غازی کو سامان اسلحہ وغیرہ دینا)۔
احادیث میں یہ لفظ دو مو قعوں کے لیے اســـتعمال ہوا ہے:ایک غازی کے لیے اس کو میدانِ کا ر زار میں کام آنے والی اشیا(خَود، زرہ، اسلحہ وغیرہ) مہیا کر کے تیار کرنا۔ دوسرا دلہن کو شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے یعنی اُس کو عمدہ لباس وغیرہ سے آراستہ کر کے دولہا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ احادیث میں تین خواتین کا ذکر اس ضمن میں ملتا ہے۔ ایک سیدہ صفیہ، دوسرا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور تیسرا سیدہ فاطمہ الزہرارضی اللہ عنہا کا۔
جنگِ خیبر میں واپسی پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضـــی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اُن ســـے نکاح کر لیا تھا،اس حدیث میں آتا ہے:
جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ
صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ ، باب ما یذکر في الفخذ
’’سیدہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا اور اُن کو شـــب باشـــی کی لیے نبی صـــلی اللہ علیہ وســـلم کی خدمت میں پیش کردیا۔‘‘
نجاشی(شاہ حبشہ) کی طرف ســـے سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو، ان کا نکاح بذریعہ وکالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر کے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی جناب شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اس حدیث میں آتا ہے:
ثُمَّ جَهَّزَهَا مِنْ عِنْدِهِ وَ بُعِثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وجَهازُهَا كُلُّ مِنْ عِندِ النَّجاشيّ
مسند احمد: 6، 427

’’پھر نجاشی نے سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس سے تیار کیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیج دیا...اور اُن کی ساری تیاری نجاشی کی طرف سے تھی۔‘‘
ان دونوں احادیث میں تجہیز دلہن سازی، یعنی دلہن کو عروسی لباس اور آرائش وزیبائش سے آراستہ کرنے کے معنی میں ہے۔ أثاث البیت(گھریلو سامان) دینے کے معنیٰ میں نہیں ہے جس کو آج کل جہیز کا نام دے دیا گیا ہے، حالانکہ ان احادیث میں جہیز کا لفظ ان معنوں میں ہرگز استعمال نہیں ہوا ہے۔مسند احمد میں مزید جھاز کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہاں حق مہر کی ادائیگی ہے جو کہ سامانِ آرائش و زیبائش کے علاوہ مکمل طور پر نجاشی ہی کی طرف سے ادا کیا گیا تھا، اس لیے
جَهازُهَا كُلُّ مِنْ عِندِ النَّجاشيِّ
کہا گیا ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی للہ عنہا کا جہیز
رہا تیسرا واقعہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دینے کا، جس سے جہیز کے جواز پر استد لال کیا جاتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟
اس واقعے پر غور و خوض کرنے اور اس سے متعلقہ روایات کے مختلف طرق کا جائزہ لینے سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا تعلق بھی أثاث البیت(گھریلو سامانِ ضرورت) سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی دراصل دلہن کو پہلی مرتبہ دولہا کے پاس بھیجنے ہی کی تیاری تھی اور اس موقعے پر رسول اللہ ﷺ نےسیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو چیزیں دی تھیں، ان کا تعلق رات کو سونے کیلیے کام آنے والی چیزوں سے تھا، جیسے چادر، تکیہ، پانی کی مشک۔ جیسے سنن نسائی میں ہے:
جهَّزَرَسُوْلُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ فَاطِمَةَ فِي خَمِيْلٍ، وَقِرْبَةٍ، وَوِسَادَةٍ حَشْوُهَا إِذْخِرٌ
سنن نسائی ، کتاب النکاح ، باب جهاز الرجل ابنته
’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے(سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کے لیے) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہاکو تیار کیا، ایک چادر، مشک اور تکیہ کے ساتھ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔‘‘
اس روایت میں جز اور جہازکے معنی وہی ہیں جو اس سے پہلےسیدہ صفیہ اورسیدہ اُمّ حبیبہ رضی االلہ عنہما والی دونوں حدیثوں میں اس لفظ کے گزرے ہیں یعنی دلہن کو شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے دولہا کے پاس

بھیجنا۔ چنانچہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے متعلقہ روایت، جس میں آتا ہے :

جَهَّزَتْهَا أُمُّ سُلَيْمٍ، فأَهْدَتْهَاإِلَيْهِ مِنَ اللَّيْلِ

''اُن کو سیدہ امّ سلیم نے تیار کر کے (دلہن بنا کر) شب باشی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔''

اس روایت کوامام نسائی باب البناء في السفر میں لائے ہیں۔ بناء کا لفظ شبِ زفاف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ کی اس تبویب اور اس کے تحت'' جہّزتہا ''والی روایت درج کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ''جہَّز'' کے معنی دلہن سازی کے ہیں، نہ کہ سامانِ جہیز کے۔

ہماری بیان کر دہ وضاحت کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ سیدہ فاطمہ سے متعلقہ روایت سنن ابن ماجہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے اور وہ دونوں ایک چادر (خمیل) میں تھے۔

قَدْ كَانَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلَّمَ جَهَّزَهُمَا بِها، وَوِسَادَةٍ مَحْشُوَّةٍ إِذْخِرًا وَقِرْبَةٍ

''اس چادر کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو تیار کیا تھا اور ایک تکیہ، اِذخر گھاس کا بھرا ہوا، اور ایک مشک بھی عنایت کی تھی۔''

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو باب ضجاع آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت بیان کیا ہے۔ یعنی ''آل محمد(محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے)کا بستر۔''

امام ابن ماجہ کی اس تبویب سے بھی واضح ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہاسے متعلقہ روایت میں جہیز کے معنی شب باشی کے سامان یا شب باشی کے لیے تیار کرنا ہیں، نہ کہ مروّجہ سامانِ جہیز کے ۔

احادیث میں ان تین واقعات کے علاوہ (سوائے حدیثِ جہاد من جہز غازیا ... الحدیث کے) تجہیز کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے، بالخصوص شادی بیاہ کے مسائل میں اور ان تینوں واقعات میں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے، اس کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے مروّجہ جہیز مراد لینا یکسر بے جواز اور خلافِ واقعہ ہے۔ بنا بریں پورے یقین اور قطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مروّجہ جہیز کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا

اور یہ تو ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ لڑکی والوں سے اپنی پسند اور خواہش کے مطابق جہیز کا مطالبہ کیا جائے حالانکہ لڑکی کے ماں باپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ وہ بچی کو ناز و نعمت میں پال کر اور اسے تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اللہ کے حکم کی وجہ سے اپنے دل کے ٹکڑے کو دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس احسان مندی کے بجائے ان سے مطالبات کے ذریعے سے احسان فراموشی کا اظہار کیا جاتا ہے جب کہ اللہ کا حکم احسان کے بدلے احسان کرنے کا ہے :

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾

[الرحمٰن : 60]

نہ کہ محسن کے لیے عرصۂ حیات تنگ کرنے کا۔ یا بھاری بھر کم جہیز نہ لانے پر لڑکی کا جینا دو بھر کردینے کا حتیٰ کہ اس کو خود کشی تک کردینے پر مجبور کردینا۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوام(عورت کا محافظ، نگران اور بالا دست) بنایا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عورت کی مالی ضروریات پوری کرتا ہے، مرد اپنے اس مقام و مرتبہ کو فراموش کر کے عورت سے لینے کا مطالبہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے سببِ فضیلت

﴿ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾

یعنی معاشی و مالی کفالت کی ذمے داری، کے بھی خلاف ہے اور اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی منافی۔

بہرحال جس حیثیت سے بھی اس رسم کو دیکھا جائے، اس کی شناعت و قباحت واضح ہوجاتی ہے۔

شادی بیاہ کی فضولیات اور رسومات پر ایک اخباری فیچر

بارات اور جہیز کے علاوہ شادی کے رسوم ورواج میں جن فضولیات کا اہتمام ہوتا ہے، ان کی تفصیل کافی لمبی ہے اور نہایت ہوش ربا بھی۔چند سال قبل روزنامہ''جنگ'' کے ایک فیچر نگار نے ان تفصیلات پر مبنی ایک مفصل فیچر لکھا تھا جو اخبار مذکور کے سنڈے میگزین (۲۰۰۳ء) میں شائع ہوا تھا ، جو بقول ایک شاعر کے

خوش تر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

کا مصداق ہے ۔
یہ فیچر راقم کی کتاب ’’مسنون نکاح‘‘ مطبوعہ دارالسلام میں درج ہے ۔
قارئین اس کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔
شادی بیاہوں میں اختیار کیے جانے والے طور اطوار

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں
مذکورہ رسومات کے ارتکاب، ان میں شرکت اور ان سے تعاون میں بڑے بڑے دین دار حضرات بھی کوئی تأمل نہیں کرتے۔ ایسے مداہنت پسند حضرات کے لیے چند احادیث مختصر مختصر تبصرے کے ساتھ پیش ہیں تاکہ ان کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیا جا سکے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ
صحيح مسلم ، الايمان ، باب بيان كون النهى عن المنكر من الإيمان
ترجمہ:’’تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی کا اظہار کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔‘‘
وضاحت:مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر قوام (حاکم ، نگران، سربراہ) بنایاہے، اس لیے ہر مرد فطری طور پر اپنے گھر کا سربراہ ہے۔ سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے سارے افراد کو راہِ راست پر رکھے اور اس سے اُن کو منحرف نہ ہونے دے۔ اس خداداد مقام پر فائز مرد کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ یہ کہے کہ شادی کی رسومات میں بیوی میری بات نہیں مانتی، بچے نہیں مانتے۔ یہ اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے اور یہ عذر بارگاہِ الٰہی میں ناقابل شنوائی بھی۔ علاوہ ازیں دنیاوی معاملات میں کیا کوئی مرد ایسی بے بسی کا مظاہرہ کرتا ہے؟ اگر ہانڈی میں نمک مرچ کم یا زیادہ ہو جائے تو دونوں صو رتوں میں عورت کی شامت آجاتی ہے۔ اس وقت تو عورت کی بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ مرد کی ناراضی پر چُوں بھی نہیں کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ہی ایسا یتیم ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس کے ساتھ جو چاہے، سلوک کر لیں، مردوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔
مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہر مرد سوچ لے کہ منکرات سے یہ سمجھوتہ اس کو ایمان کی کس پستی میں دھکیل رہا ہے۔ أعاذنا اللہ منہ

سیدنا ابن عمر سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيْرِ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ
صحیح مسلم ، کتاب الامارۃ ، باب فضیلۃ الامیر العادل
ترجمہ:''خبردار! تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ حاکم وقت، لوگوں پر حکمران ، ذمے دار اور نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت (ملک کے عوام) کی بابت باز پرس ہو گی۔ مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے اور اس سے ان کی بابت پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کی بابت باز پرس ہو گی، غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ اچھی طرح سن لو! تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنے اپنے ماتحتوں (رعیت) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''
وضاحت: عربی زبان میں راعی کا مطلب ہے: نگران اور ذمے دار، کس چیز کا؟ جو اس کے ماتحت ہے۔ وہ ان کی اصلاح کرنے ، ان کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے اور ان کے دین و دنیا کی مصلحتوں کا خیال رکھنے کا ذمے دار ہے۔
مَسْئُوْلٌ کا مطلب ہے، اس سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، باز پرس ہو گی، کس بات کی؟ اس بات کی کہ اس نے اپنے ماتحتوں کے حقوق کی رعایت کی؟ ان کی دینی و دنیاوی مصلحتوں کا خیال رکھا اور ان کی تعلیم و تربیت کا صحیح اہتمام کیا ؟
اس حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے کہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں اور شادی بیاہ میں ہونے والی خلافِ شرع رسومات و خرافات سے اپنے اپنے ماتحتوں کو بچانے میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟ اگر ادا کیا ہے تو وہ کیا ہے؟ ... ہر گھر کا سربراہ مرد اور عورت بھی اللہ کی بارگاہ میں جانے سے پہلے آخرت کی باز پرس کو سامنے رکھے۔
سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہعنہماسے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ
صحیح البخاری،کتاب الدیات ، باب من طلب دم امری بغیر حق

’’لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ کے ہاں تین شخص ہیں۔ ایک حرم میں بے دینی پھیلانے والا۔ دوسرا، اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش (اختیار) کرنے والا، تیسرا، ناحق کسی شخص کے خون کا خواہاں، تاکہ وہ اس کا خون بہائے۔‘‘

وضاحت: ہماری شادی بیاہوں کی بیشتر رسومات ہندوؤں کی نقالی پر مبنی ہیں یا مغرب کی حیا باختہ تہذیب اور زمانۂجاہلیت کی خرافات پر۔ گویا قدیم و جدید جاہلیت کا مجموعہ اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے اعتنائی کا نمونہ۔

اس انداز سے شادیاں کرنا، یا ان میں ذوق و شوق سے شریک ہو کر ان کی حوصلہ افزائی کرنا، یہ اسلام میں جاہلی طریقوں ہی کو فروغ دینا ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے وہ اس حدیث کی دوسری شق سے واضح ہے۔ دنیا میں تو انسان کا ہوا و ہوس میں مبتلا نفس اور شیطان اس کا پتہ نہیں چلنے دیتا، لیکن آخرت میں تو ان کی کارفرمائی ختم ہو چکی ہو گی اور اللہ کے ہاں اس کا وہ مقام واضح ہو کر سامنے آ جائے گا، جس کا ہیولیٰ اس نے اپنے عمل و کردار سے تیار کیا ہو گا اور وہ ہے، اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ترین شخص، اور اس روز ناپسندیدہ ترین شخص کا جو مقام ہو گا، اس کا اندازہ رسوماتِ جاہلیہ کے دل دادہ ہر مرد اور عورت کو کر لینا چاہیے۔

جناب جریر سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَام سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُها وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِها بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ فِي الْاَسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُها وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِها مِنْ بَعْدِه مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ

صحیح مسلم ، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ

’’جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، تو اس کوخود اس پر عمل کرنے کا اجر بھی ملے گا اور اُن کا بھی اجر ملے گا جو اُس کے بعد اس پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کچھ کمی ہو اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر (اس کے اپنے عمل کا بھی) بوجھ ہو گا اور ان سب کے گناہوں کا بھی بوجھ ہو گا جو اس کے بعد اس برائی پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے بوجھوں میں کوئی کمی ہو۔‘‘

وضاحت: اس حدیث میں’’اچھا طریقہ‘‘ نکالنے یا جاری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے، کیونکہ یہ تو بدعت ہو گی جس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کہ ہر بدعت گمراہی اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ بدعت سازی دراصل شریعت سازی ہے، جس کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔ بلکہ اچھے طریقے سے مراد کسی ایسے عمل میں پہل کرنا ہے جو شریعت سے ثابت ہے یا کسی ایسی جگہ پر اس عمل شریعت کو سرانجام دینا ہے، جہاں پہلے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا یا خاندانی رسم و رواج کی وجہ سے اس پر عمل متروک تھا، اس کو کرنے پر دوسروں کو ترغیب ملی اور اُنہوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا، یا کسی جگہ کوئی سنّت متروک تھی، کسی ایک شخص کے عمل کرنے پر دوسرے لوگوں نے بھی اس سنّت کو اپنا لیا۔ ان تمام صورتوں میں کسی بھی ثابت شدہ نیک عمل کا آغاز کرنے والے، سنت متروکہ کو زندہ کرنے والے اور فراموش شدہ نیکیوں کو یاد کرانے والے کو ان تمام لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے۔ اسی طرح کسی نے اس کے برعکس برائی میں پہل کی یا اس کا کسی جگہ آغاز کیا تو بعد میں اس کو دیکھ کر برائی کے مرتکبین کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے یا آغاز کرنے والے کو ملے گا۔

اس حدیث کی روشنی میں شادی بیاہوں کی جاہلانہ رسومات اور اسراف و تبذیر پر مبنی بھاری بھر کم اخراجات، سنتِ سیئہ (برا طریقہ) ہے۔ کسی خاندان میں اگر سادگی سے نکاح کرنے کا رواج تھا، رسومات سے بچا جاتا تھا۔ لیکن اس خاندان کے کسی فرد نے اگر دولت کے نشے میں اس کے برعکس مروّجہ رسومات کے ساتھ شادی کرنے میں پہل کی، یا اس خاندان میں مہندی کی بے حیائی پر مبنی رسم نہیں تھی، اُس نے اس خاندان میں اس کا آغاز کیا، پہلے مجرے کا سلسلہ نہیں تھا، اس نے اس کا ارتکاب کیا، وعلیٰ ہذا القیاس، اسی طرح کی دیگر برائیوں میں پہل کرتا ہے۔ تو اس کے بعد اس خاندان میں جتنے لوگ بھی ان میں ملوث ہوں گے، ان کا ارتکاب کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنیوالے کو ملے گا۔

اسی طرح شادی بیاہوں میں سادگی، پردے کی پابندی، بھاری بھر کم اخراجات سے اجتناب جیسی خوبیاں سنتِ حسنہ (اچھا طریقہ) ہے۔ جو شخص اپنے خاندان میں اس اچھے طریقے سے شادی کرنے میں پہل کرے گا، بعد میں اس خاندان کے جتنے لوگ اس کی پیروی کرتے ہوئے تمام خرافات و رسومات سے بچ کر شادیاں کریں گے، پہل کرنے والے کو بھی ان سب کی ان نیکیوں کا اجر ...ان کے اجروں میں کٹوتی کے بغیر۔ ملے گا۔

یہ دو راستے اور دو طریقے ہیں۔ ایک ڈھیروں اجر و ثواب کمانے کا اور دوسرا گناہوں کا ناقابل برداشت بوجھ اپنے اوپر لاد لینے کا ۔

﴿فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا﴾
[الکہف : 29]
’’اب جس کا جی چاہے، بھلائیوں والا راستہ اپنا لے اور جس کا جی چاہے دوسرا، لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ نافرمانی والا راستہ اختیار کرنیوالوں کیلیے جہنم کی آگ ہے۔‘‘
سیدناعبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ أَلْبَسَهُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَةِ ثَوْبًا مِثْلَهُ، ثُمَّ تُلْهَبُ فِيهِ النَّارُ
سنن ابن ماجہ: کتاب اللباس باب من لبس لباس الشهرة۔ سنن ابی داؤد: کتاب اللباس ،باب فی اللبس الشهرة
’’جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلّت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں جہنم کی آگ بھڑکائے گا۔‘‘
وضاحت: اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل سے نوازا ہو تو اظہارِ نعمت کے طور پر اچھا اور عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ لیکن اس حدیث میں جس لباس شہرت کا ذکر ہے، وہ کون سا ممنوع لباس ہے؟ اس کی چار صورتیں ہیں:
اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اس نیت سے لباس فاخرہ پہنے کہ لوگوں میں اس کے لباس کا اور اس کی شان و شوکت کا چرچا ہو۔
دوسری صورت یہ ہے کہ عام چلن کے برعکس ایسے رنگ کا یا ایسی تراش خراش کا لباس پہنے کہ اس کی اس طرفہ طرازی کی وجہ سے اس کی شہرت ہو۔
تیسری صورت یہ ہے کہ ریاکاری کے طور پر فقرا و مساکین کے روپ میں رہے تاکہ لوگ اسے پارسا اور پرہیز گار سمجھیں۔
چوتھی صورت یہ ہے کہ محض نمودونمائش کی نیت سے کسی مخصوص قسم کے لوگوں کا لباس اور اُن کے طور اطوار اختیارکیے جائیں۔ جیسے آج کل بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فلموں میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کے حیا باختہ لباسوں اور بے ہودہ طور اطوار کی نقالی کرتے ہیں۔
اور ایک پانچویں صورت یہ ہے کہ ایسا لباس پہنا جائے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کے نمایاں حصے عریاں ہو۔ اس صورت کی مزید تفصیل اگلی حدیث کے تحت آئے گی۔
شادی بیاہوں میں ہماری عورتوں کا لباس بالعموم،ایک تیسری صورت کو چھوڑ کر، باقی صورتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اس قسم کے لباسوں پر جو سخت وعید ہے، وہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾
[القمر : 17]
’’ کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟‘‘
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ. وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ. لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا صحيح مسلم ، كتاب اللباس، باب النساء الكاسيات ..... ،
ترجمہ:’’جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں، جنہیں میں نے نہیں دیکھا (ابھی ان کا وجود نہیں ہے، مستقبل میں ہوگا) ایک وہ لوگ کہ ان کے پاس کوڑے ہوں گے، گائے کی دموں جیسے، وہ ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ (دوسری قسم) وہ عورتیں، جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹ کی کوہان کی طرح جھکے ہوں گے، یہ عورتیں جنّت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہ پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی ا تنی مسافت (یعنی بڑی بڑی دور) سے سونگھی جا سکنے والی ہوگی۔‘‘
وضاحت:یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور اعلامِ نبوت میں سے ہے۔ آپ نے اس میں جن دو قسم کے لوگوں کی پیش گوئی فرمائی تھی، آج قدم قدم پر اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر عورت کی جن فتنہ سامانیوں اور حشر انگیزیوں کا اس میں تذکرہ ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ توضیح کی جاتی ہے۔
پہلی قسم سے ظالم قسم کے لوگ مراد ہیں، جو اپنے وسائل، طاقت و اقتدار اور جاہ و منصب کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ کرتے ہیں۔ دنیا میں یہ لوگ طاقت کے نشے میں اندھے اور مغرور ہوتے ہیں اس لیے رحم و کرم کے بجائے ظلم وستم ان کا شعار ہوتا ہے۔ آخرت میں اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اعاذنا اللہ منہ
جہنمیوں کی دوسری قسم فیشن ایبل عورتوں کی ہوگی، ان کی حسبِ ذیل علامات اور خصوصیات ہوں گی:

لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، اس کی تین شکلیں عام ہیں:
لباس پہننے کے باوجود ان کے جسم کے بہت سے قابل ستر حصے ننگے ہوں گے، جیسے چہرہ، ہاتھ، یا بازو، گردن اور سینہ (چھاتی) اور گردن کا

پچھلا حصہ۔ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کے یہ حصے ننگے ہوتے ہیں حالانکہ یہ سب حصے پردے میں رہنے چاہئیں۔
ایسا تنگ اور چست لباس پہنا جائے کہ جس سے جسم کے خدوخال ہی نہیں، انگ انگ نمایاں ہو۔
یا ایسا باریک لباس پہنیں کہ جس سے سارا جسم جھلکتا نظر آئے اور اُن کی جلد کی رنگت اور اُن کا حسن نمایاں ہو۔
یہ تینوں صورتیں بے پردگی کی ہیں، جن سے مردوں کو دعوتِ نظارہ ملتی ہے۔ مسلمان خواتین کو جو پردے کی اہمیت کو سمجھتی ہیں، نامحرموں کے سامنے مذکورہ تینوں صورتوں سے بچنا چاہیے، اس کے بغیر پردے کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔
2 مُمِیْلَات کے ایک معنی کیے گئے ہیں، دوسری عورتوں کو بھی مردوں کی طرف راغب کرنے والیاں، یا اپنے کندھوں کو نازو و اَدا سے مٹکا مٹکا کر چلنے والیاں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی چال ڈھال یا ناز و اَدا سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دوسروں کو بھی بے حیائی کی اس راہ پر لگانا جیسےفلموں اور ڈراموں میں کام کرنے والی حیا باختہ عورتوں کا کردار ہے، اور شادی میں شرکت کرنے والی خواتین کا حال ہے کہ وہ بھی اس موقعے پر انہی کی نقالی کرتے ہوئے لباس، بناؤ سنگھار اور بے پردگی میں انہی کا نمونہ بننے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ مووی فلم کے ذریعے سے پورے خاندان میں اُن کے حسن و جمال، ان کے لباس اور زیورات اور ان کے سولہ سنگھار کا تذکرہ ہو۔
3 مَائِلَات کے معنی ہیں ناز و ادا سے ایسی چال چلنا جس سے لوگ ان کی طرف مائل اور راغب ہوں۔
4 بختی اونٹ کی مانند اُن کے سر ہوں گے، کا مطلب، سر پر جوڑا کر کے اُن کو سر کے درمیان اونچا کر کے باندھ لینا۔ یہ فیشن بھی چند سال قبل عورتوں میں عام تھا، اور اب بھی بہت سی عورتیں کرتی ہیں، حتیٰ کہ بعض برقع پوش خواتین کے سروں پر بھی اس طرح کی کلغی نظر آتی ہے۔ اس حدیث کی رو سے بالوں کا یہ اسٹائل یا فیشن بھی ناپسندید ہ ہے۔
عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه، قَالَ: لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ وَالمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالمُتَنَمِّصَاتِ وَالمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، المُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ فَبَلَغَ ذَلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ فَجَاءَتْ، فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكَ أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ، فَقَالَ: وَمَا لِي أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي كِتَابِ اللهِ، فَقَالَتْ: وَاللهِ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مَا تَقُولُ، قَالَ: وَاللهِ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ أَمَا قَرَأْتِ﴿وَمَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

صحیح البخاری ،کتاب اللباس، باب المتنمصات و مسلم ، کتاب اللباس و الزینۃ، باب تحریم فعل.....،

’’سیدناعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ نے لعنت فرمائی، جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر، بال اُکھڑوانے والیوں پر، حسن کی خاطر، (دانتوں کے اندر) شگاف کرنے والیوں پر، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر۔ اُمّ یعقوب (نامی عورت) نے کہا: اے (عبد اللہ!) تم یہ کیا کہتے ہو؟ حضرت عبد اللہ نے فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے اور جو اللہ کی کتاب میں لعنتی ہے؟ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو وہ سارا قرآن پڑھا ہے جو دو تختیوں کے درمیان ہے، اس میں تو میں نے یہ چیز (مذکورہ قسم کی عورتوں پر لعنت) نہیں پائی۔ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو اسے (صحیح سمجھ کر) پڑھتی تو یقینا تو اس میں یہ بات پاتی کہ اللہ کے رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو (اپنالو) اور جس سے تمہیں روک دیں، اس سے رک جاؤ۔‘‘

تشریح

وَاشِمَات، وَاشِمَة

کی جمع ہے، وشم کرنے والی عورت۔

مُسْتَوْشِمَات

جمع ہے

مُسْتَوْشِمَة

کی، وشم کروانے والی عورت۔وشم کے معنی ہیں گودنا، جس کا مطلب ہے کہ جسم کے کسی حصے پر سوئی یا اسی قسم کی کسی چیز سے باریک سا سوراخ کرنا حتی کہ خون بہنا شروع ہو جائے، پھر اس میں سرمہ یا کوئی رنگ بھر دینا۔ عام طور پر چہرے یا ہاتھوں پر ایسا کیا جاتا تھا جیسے ہندو عورتیں پیشانی پر سیندور بھرتی یا بندیا لگاتی ہیں۔ گودنا بھی اسی قسم کا کوئی فیشن تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عورتوں میں رائج تھا۔

مُتَنَمِّصَات، مُتَنَمِّصَة

کی جمع ہے۔ حافظ ابن حجررحمہ اللہ کہتے ہیں:

’’اس کے معنی ہیں، بال اُکھڑوانے والی عورت اور اُکھیڑنے والی عورت کو نَامِصَة کہا جاتا ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں) گویا مُتَنَمِّصَات وہ عورتیں ہیں جن کے چہروں یا اَبروؤں سے بال اُکھیڑے جائیں اور جو عورتیں یہ کام کریں گی، وہ نَامِصَة ہیں۔یہ بھی اس زمانے کا

ایک فیشن تھا کہ پلکوؤں (ابروؤں) اور چہرے کے اِکّے دُکّے بالوں کو اُکھیڑا جاتا تھا جیسے آج کل بھی یہ جاہلی فیشن عورتوں میں عام ہے ۔ وہ ابرووٴں کے بالوں کو اکھیڑ کر مختلف قسم کے چمکیلے رنگ یا سرمہ وغیرہ اس میں بھر لیتی ہیں۔ حدیث کی رو سے یہ سب لعنتی فعل ہیں۔ تاہم کسی عورت کے چہرے پر داڑھی یا مونچھیں اُگ آئیں تو چونکہ یہ معمول کے خلاف بات ہے، اس لیے ان بالوں کا صاف کرنا اس کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان بالوں سے واقعی عورت کا چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ اس بدنمائی کو دور کرنا اس کے لیے جائز اور مستحب ہے جب کہ پہلی قسم کا مطلب فیشن کے طور پر اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنا ہے جس کی اجازت نہیں ہے۔‘‘

مُتَفَلِّجَات، مُتفلّجة

کی جمع ہے۔ یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو فَلَج کرتی یا کرواتی ہے۔ فَلَج کے معنی ہیں: ثنائی یا رباعی دانتوں کے درمیان کشادگی کرنا۔ یہ وہ عورتیں کرتی تھیں جن کے دانت ملے ہوتے تھے اور وہ ایسا اپنے آپ کو کمسن یا خوب صورت ظاہر کرنے کے لیے کرتی تھیں، کیونکہ کمسن عورتوں کے دانتوں کے درمیان کچھ کشادگی ہوتی تھی جو ان کی کمسنی اور حسن کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے بڑی عمر کی عورتیں فَلَج کرکے اپنی عمر تھوڑی اور اپنے آپ کو حسین باور کراتی تھیں، جیسے آج کل بھی عورتوں میں یہ رحجان عام ہے اور اپنی عمر چھپانے کے لیے وہ دسیوں قسم کے فیشن اور میک اپ کرتی ہیں۔

مذکورہ سب کام ایسے ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں:

ایک یہ کہ ان سب کاموں میں مقصد دھوکا اور فریب دینا ہے۔ دوسرے، ان میں اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنے کی مذموم سعی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے حسب ذیل چیزیں واضح ہوتی ہیں:

عورت زیب و زینت اختیارتو کر سکتی ہے (گو اس کا اظہار صرف خاوند ومحارم کے سامنے جائز ہے) لیکن اپنے حسن و جمال میں اضافے کے لیے زیب و زینت کے ایسے طریقے اختیار نہیں کر سکتی جن میں دھوکہ اور فریب کا عنصر شامل ہو، یا ان میں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کا اظہار ہو۔شادی بیاہوں کے موقعے پر عورتوں کی آرائش و زیبائش میں بالعموم یہ دونوں ہی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

بیوٹی پارلرکا کاروبار حرام ہے

اس اعتبار سے بیوٹی پارلروں کے ذریعے سے عورتوں میں حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کے جو طور طریقے سکھائے جا رہے ہیں اور عورتیں انہیں اختیار کر رہی ہیں، جیسے بالوں کے نئے نئے اسٹائل، بناؤ سنگھار کے ذریعے سے عورت کے حلیے کو بدل دینا، سیاہ فام کو سفید فام اور سفید فام کے رنگ و روغن کو مزید نکھار دینا، ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر ان میں سرمہ، روشنائی یا اور اسی قسم کی چیزیں بھرنا، یہ سب کام ممنوع اور حرام ہیں، کیونکہ انہیں لعنتی کام کہا گیا ہے۔ جن کے بارے میں اتنی سخت وعید ہو، ان کے جواز کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے؟ اس لیے جس طرح مذکورہ کام حرام ہیں ، اسی طرح بیوٹی پارلر کا کاروبار بھی حرام ہے کیونکہ ان میں مذکورہ حرام کام ہی کیے جاتے ہیں یا پھر ان میں مذکورہ چیزوں کی تربیت دی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لِي ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ إِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ

صحيح البخاری، كتاب النكاح ، باب المتشبع بما لم ينل....،

’’ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے ، اگر میں اس کے سامنے کسی چیز کی بابت یہ ظاہر کروں کہ یہ مجھے میرے خاوند نے دی ہے جب کہ وہ چیز اُس نے مجھے نہ دی ہو، تو کیا اس سے مجھ پر گناہ ہو گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی ایسے ظاہر کرے کہ یہ چیز، میری ہے (یا مجھے دی گئی ہے) حالانکہ (وہ اس کی نہ ہو) نہ اس کو دی گئی ہو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مکروفریب کے دو کپڑے پہنے ہو۔‘‘

وضاحت: اس حدیث سے جہاں یہ و اضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دو بیویوں کو آپس میں ایک دوسرے کو جلانے کے لیے (سوکناپے میں) جھوٹ بول کر یہ تأثر دینا منع ہے کہ اس کا خاوند (دوسری بیوی کے مقابلے میں) اس پر زیادہ مہربان ہے اور اِس کو اُس نے فلاں چیز لا کردی ہے جب کہ خاوند کا کردار ایسا نامنصفانہ نہ ہو۔ اس ممانعت سے مقصود جہاں جھوٹی شان وشوکت کے اظہار سے روکنا ہے، وہاں آپس میں فساد اور بگاڑ کا سدباب بھی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ممانعت کو جس بلیغ طریقے اور ایک تمثیلی انداز سے بیان فرمایا ہے، اس نے اس ممانعت کے مفہوم میں بڑی

وسعت پیدا کردی ہے جس نے مکر و فریب کی ساری صورتوں اور جھوٹے وقار کے سارے طور طریقوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔
ہماری شـــادی بیاہوں میں اس جھوٹے وقار کا بھی عام مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی عورت کے پاس
زیادہ زیور نہیں ہوتا تو وہ شادی میں شرکت کرنے کے لیے مانگے تانگے کا زیور پہن کر جھوٹے وقار (یعنی خلافِ واقعہ اپنی امارت) کا اظہار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ دلہن کو بھی مانگے تانگے کا زیور پہنا کر یہ غلط تأثر دیا جاتا ہے کہ لڑکے والوں نے دلہن کے لیے اتنا زیور تیار کیا ہے، حالانکہ ایســـا نہیں ہوتا اور دو تین دن کے بعد وہ زیور دلہن ســـے لے کر اصـل مالکوں کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ جھوٹی کاروائی بھی فسـاد اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔
اور اب تو سـونے کے بجائے مصـنوعی زیورات نکل آئے ہیں جو دیکھنے میں بالکل سـونے کے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی مالیت چند سـیکڑے ہوتی ہے جبکہ ســـونے کے اصـــل زیورات کی مالیت اب لاکھوں میں ہے۔ دھوکہ دہی کی یہ صـــورت بھی اب اختیار کی جانے لگی ہے، بعد میں جب حقیقت حال سامنے آتی ہے تو یہ ملمع سازی بھی فساد ہی کا باعث بنتی ہے۔
اس حدیثِ رسول کی رو سے ملمع سازی اور فریب کاری کی ایسی ساری صـــورتیں ناروا قرار پاتی ہیں، مانگے تانگے کا زیور پہن یا پہنا کر جھوٹی شان و شوکت کا اظہار یا آرٹی فشل کے زیورات کا استعمال یہ باور کراکر کہ یہ سونے ہی کے زیورات ہیں۔ یہ سب ناجائز، ممنوع ہیں اور فساد و بگاڑ کا باعث ہیں۔

دکھلاوے اور نمودونمائش کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟
مکروفریب کی یہ ضـــرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ شـــادیوں میں دیگر بہت سـی خرافات کے سـاتھ سـاتھ سـونے کے زیورات کو بھی ایک لازمی حصـہ بنا دیا گیا ہے جب کہ ہماری شـریعت میں ان رسـومات، فضـول خرچی، ناروا بوجھ اور نمودونمائش کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اس کا حل بھی اس کے سـوا کوئی نہیں ہے کہ شـادی کے اخراجات سـے سـونے کے زیورات کو بھی یکسر خارج قرار دیا جائے۔
سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنْ النِّسَاءِ
صحیح البخاری،کتاب النکاح، مَا يُتَّقَى مِنْ شُؤْمِ المَرْأَةِ،حدیث:5096۔

’’میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا، جو عورتوں سے زیادہ مردوں کے لیے نقصان دہ ہو۔‘‘
وضاحت: یعنی مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا فتنہ ہو گا جو میرے بعد رونما ہو گا۔ حالانکہ عورت کا وجود انسان کے لیے راحت و آسائش اور امن و سکون کا باعث ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾
[الروم : 21]
’’اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے ہی نفسوں (جنس) سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی۔‘‘
علاوہ ازیں عورت کا وجود مرد کے لیے ناگزیر اور انسانی زندگی کے دو پہیوں میں ایک پہیہ ہے۔ اس کے باوجود اس کو مرد کے لیے سب سے زیادہ خطرناک فتنہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ مرد کی یہ کمزوری ہے کہ قوامیت (گھر کی سربراہی، حاکمیت اور نگرانی) کا مقام اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کیا ہے، لیکن ایک تو ا س نے عورت کو دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ نہیں کیا۔ دوسرے، گھر میں اپنی قوامیت (حاکمیت) عورت کے سپرد کر کے خود محکومیت کا درجہ اپنے لیے پسند کر لیا، بالخصوص شادی بیاہ کے معاملات اور رسوم و رواج کی پابندی، فیشن پرستی اور اسراف و تبذیر کے مظاہر میں۔ ان تمام معاملات میں مردوں نے بے بسی بلکہ پسپائی اختیار کر لی ہے اور اپنے مردانہ اختیارات عورت کو دے دیے ہیں۔
شادی بیاہ میں وہی ہو گا جو شریعت سے بے پروا عورت کہے گی اور کرے گی، مرد کا کام غلامِ بےدام کی طرح صرف اس کے حکم کی بجا آوری ہے، حتی کہ عورت کی خواہشات اور مطالبات پورے کرنے کے لیے اس کے پاس اگر وسائل بھی نہیں ہیں تو وہ رشوت لے گا، لوٹ کھسوٹ کرے گا۔ آمدنی کے دیگر حرام ذرائع اختیار کریگا، قرض لے گا، حتیٰ کہ سودی قرض لینے سے بھی گریز نہیں کرے گا، پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے گا۔
علاوہ ازیں عورت اگر کہے گی تو بننے والے داماد کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر اپنی بھی اور اُس کی بھی آخرت کی بربادی کا سامان کیا جائے گا، عورت کہے گی تو پورا ہفتہ ڈھولکی وغیرہ کے ذریعے سے اہل محلہ کی

نیندیں خراب کی جائیں گی، عورت کہے گی تو مہندی کی رسم میں نوجوان بچیاں سرعام ناچیں گی۔ وعلی ہذا القیاس دیگر رسموں کا معاملہ ہے۔
ظاہر بات ہے کہ مرد کی اس پسپائی اور بے بسی میں اس کے لیے دنیا کی بربادی کا بھی سامان ہے اور آخرت کی ذلت و رسوائی بھی اس کا مقدر ہے۔کیا ایک مسلمان کہلانے والے مرد کے لیے اس سے بھی بڑا فتنہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟
خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ
کا یہی وہ فتنہ ہے جس کا اظہار زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے۔

دین دار عورت دین داروں کے لیے فتنہ نہیں ہے!
عورت کا یہ فتنہ انہی لوگوں کے لیے ہے یا ان کے حق میں فتنہ ہے جنہوں نے اپنی مردانگی (قوامیت) سے دست بردار ہو کر اپنی باگ ڈور (زمامِ کار) عورت کے ہاتھ میں دے دی۔ لیکن جو لوگ اپنی قوامیت کو برقرار رکھتے ہیں اور عورت کو کسی بھی مرحلے پر شریعت کے دائرے سے نہیں نکلنے دیتے بلکہ اس کو پابندِ شریعت بنا کر رکھتے ہیں، عورت اُن کے لیے کسی بھی مرحلے پر فتنہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان کی خیر خواہ، معاون اور ہر اچھے کام میں ان کا دست و بازو اور سراپا خیر و رحمت ہوتی ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے۔فرمایا:
الدُّنْيَا مَتَاعٌ ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا المَرْأَةُ الصَّالِحَةُ
صحیح مسلم ، کتاب الرَضا ع ، باب خیر متاع الدنیاالمراۃ الصالحۃ
’’دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک عورت (بیوی) ہے۔‘‘
ایک دوسری حدیث میں نیک عورت کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:
سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَيُّ النِّسَاءِ خَيرٌ ؟ قَالَ: الَّذِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيْعُهُ إِذَا أَمَر، وَلا تُخَالِفُهُ فِيْمَا يَكرَهُ فِي نَفسِهَا وَمَالِهِ
سنن النسائی ، کتاب النکاح ، باب أی النساء خیر
’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ عورت (بیوی) سب سے بہتر ہے جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کن نظر سے اُسے دیکھے۔ جب خاوند اسے کسی بات کا حکم دے، تو اسے بجا لائے اور وہ (عورت) اپنے نفس اور خاوند

کے مال میں اس کی خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اُس کے خاوند کو ناپسند ہو۔''
قرآنِ مجید میں بھی نیک عورتوں کے لیے '' قَانِتَات'' کا لفظ استعمال ہوا ہے:
﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾
[النساء : 34]
نیک عورتیں قانتات ہیں۔
' قانتات ' کا مطلب ہے: فرماں بردار، اللہ کی بھی اور خاوند کی بھی!
اس وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو مردوں کے لیے جو نہایت خطرناک فتنہ قرار دیا ہے جس کے شواہد آج ہم دیکھ رہے ہیں، یہ وہ عورتیں ہیں جو شرعی حدود و قیود سے آزاد ہیں، اور اُن کے مرد بھی اپنی غلامانہ ذہنیت اور خود بھی دین سے دور ہونے کی وجہ سے اِن عورتوں کو روکنے ٹوکنے اور ان کو راہِ راست پر رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ لیکن جن مردوں کی عورتیں دین دار اور دین کی پابند ہیں، اور وہ دینی اقدار و روایات کی بالادستی میں اپنے خاوندوں کی مددگار ہوتی ہیں، وہ فتنہ نہیں ہیں، وہ سراپا خیر و برکت ہیں۔ اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ شادی کرتے وقت دیگر دنیاوی ترجیحات کے مقابلے میں دین دار عورت کا انتخاب کرو۔ تاکہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملے میں شریعت کے احکام کو بروئے کار لانے میں مرد کا ساتھ دے، اس کی مخالفت اور اپنی من مانی نہ کرے۔
الغرض شادی بیاہوں کی مذکورہ رسومات اور ان کی حشرسامانیوں سے بچنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ دین سے ہماری وابستگی برائے نام نہ ہو بلکہ حقیقی ہو اور ہماری خواتین بھی دینی ا قدار و روایات کی پابند اور اس کا صحیح نمونہ ہوں جس کا مظاہرہ شادی بیاہ کی تقریبات میں واضح طور ہو۔ وہ شادی کی تقریب اپنے ہی کسی بچے یا بچی کی ہو یا خاندان کے کسی اور گھرانے کی، دیکھنے والے دیکھیں کہ یہ شادی واقعی کسی دین دار خاندان کی ہے یا اس میں شریک ہونے والی خواتین واقعی دین دار، پردے کی پابند، شریعت کی پاس دار اور سادگی کا پیکر ہیں:
﴿وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾
[المطففین : 26]
ترجمہ:سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہیے ۔
شادی کے موقعے پر دف بجانے کی شرعی حیثیت

شادی کے مروجہ رسموں میں خوشی کے شادیانے بجانے بھی ہیں، جس کی کئی صورتیں رائج ہیں۔
مثلاً، شادی سے قبل کئی دن تک محلے کی اور قریبی رشتے داروں کی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں شادی والے گھر میں راتوں کو گھنٹوں ڈھولکیاں بجاتی اور گانے گاتی ہیں جس سے اہل محلہ کی نیندیں خراب ہوتی ہیں۔
دوسرے نمبر پر برات کے ساتھ بینڈ باجہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں فلمی گانوں کی دھنوں پر ساز و آواز کا جادو جگایا جاتا ہے اور اب منگنی کے موقعے پر بھی ایسا کیا جانے لگا ہے۔
تیسرے نمبر پر بہت سے لوگ میوزیکل شو کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ناچنے گانے والی پیشہ ور عورتیں اور مرد حصہ لیتے ہیں، جس میں بے حیائی پر مبنی حرکتوں اور بازاری عشقیہ گانوں سے لوگوں کو محظوظ کر کے ان کے ایمان و اخلاق کو برباد کیا جاتا ہے۔
چوتھے نمبر پر شادی ہال نکاح اور ولیمے کی تقریبات میں اوّل سے آخر تک میوزک کی دھنوں سے گونجتا رہتا ہے اور اس طرح نکاح اور ولیمے کی بابرکت تقریبات بھی شیطان کی آماج گاہ بنی رہتی ہے۔
ان تمام خرافات اور شیطانی رسومات و حرکات کے جواز کے لیے ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں شادی اور عید یعنی خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کو دف بجانے اور قومی مفاخر پر مبنی نغمے اور ملی ترانے گانے کی اجازت دی گئی ہے۔
جیسےسیدہ ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ جب میری رخصتی عمل میں آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس اس طرح آ کر بیٹھ گئے جیسے تو میرے پاس بیٹھا ہے (راوی سے خطاب ہے) .تب چھوٹی بچیاں (خوشی کے طور پر) دف بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ اچانک ان میں سے ایک بچی نے کہا:
وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ
صحیح البخاری ،کتاب النکاح ، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة
ہمارے اندر ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا:
دَعِي هَذِهِ وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ
اس کو چھوڑ اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (چھوٹے، بڑے سب) صحیح العقیدہ تھے۔اس لیے بچی کے مذکورہ قول کا

مطلب یہ نہیں تھا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت عقیدۂ علم غیب کا اظہار تھا بلکہ آپ کی رسالت کا اظہار تھا کہ رسول پر وحی کا نزول ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اپنے احکام سے بھی مطلع فرماتا ہے اور آئندہ آنے والے واقعات سے بھی بعض دفعہ باخبر کر دیتا ہے۔ بچی کے شعری مصرعے کا مطلب اسی وحیٔ الٰہی کا اثبات تھا، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح کہنے سے روک دیا کہ مبادا بعد کے لوگ بدعقیدگی کا شکار ہوجائیں۔ علاوہ ازیں ایک د وسری روایت میں صراحتاً بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ اِلَّا اللہ

طبرانی ، بحوالہ ''آداب الزفاف'' للألبانی ، ص:95

کل کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

بہرحال اس واقعے سے خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کا اشعار پڑھ کر اظہارِ مسرت کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔

عہد نبوی کا ایک دوسرا واقعہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے ایک لڑکی کو نکاح کے بعد شبِ زفاف کے لیے تیار کرکے اس کے خاوند (ایک انصاری مرد) کے پاس بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: تمہارے پاس لہو نہیں ہے؟

مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ؟

انصار کو لہو پسند ہے

فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهمْ اللَّهْوُ

صحیح البخاری،کتاب النکاح،باب انصار یعجبھم اللھو

حافظ ابن حجرکہتے ہیں، ایک دوسری روایت میں مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ کی جگہ الفاظ ہیں:

فَهَلْ بَعَثْتُمْ مَعَها جَارِيةً تَضْرِبُ بِالدُّفِّ وَتُغَنِّي

کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی بچی (یا لونڈی) بھیجی ہے جو دف بجا کر اور گا کر خوشی کا اظہار کرتی۔

اسی طرح :

فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْو

کی جگہ دوسری روایت میں ہے:

قَوْمٌ فِيْهِمْ غَزْلٌ

فتح الباری ، کتاب النکاح،تحت حدیث مذکور 282/9

انصاریوں میں شعروشاعری کا چرچا ہے۔

اس دوسری روایت کے الفاظ سے پہلی روایت میں وارد لفظ لَہْو کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ واقعہ
مذکورہ میں اس سے مراد چھوٹی بچی کا دف بجا نااور قومی گانا گا کراظہارِ مسرت کرنا ہے۔
محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ
سنن النسائی ، کتاب النکاح ، باب اعلان النکاح بالصوت .....،
حرام اور حلال کے درمیان فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور نکاح میں آواز بلند کرنا ہے۔
ایک اور واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے، عامر بن سعدرحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شادی میں گیا، وہاں دو صحابیٔ رسول جناب قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں چھوٹی بچیاں گانا گا رہی ہیں۔ میں نے دونوں صحابیوں سے کہا: تم دونوں اصحابِ رسول اور اہل بدر (جنگ بدر کے شرکا) میں سے ہو، تمہاری موجودگی میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا:
شادی کے موقعے پر ہمیں ''لَہْو''(چھوٹی بچیوں کے قومی گیت وغیرہ گا کر اظہار مسرت کرنے) کی رخصت دی گئی ہے، تمہارا جی چاہتا ہے تو سنو، جانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی ہے۔[1]
مذکورہ روایات سے کیا ثابت ہوتا ہے؟
ان احادیث سے دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔ ایک دف بجانے کا اور دوسرے، ایسے گیتوں اور شعروں کے گانے اور پڑھنے کا جن میں خاندانی شرف و نجابت کا اور آباء و اجداد کے قومی مفاخر کا تذکرہ ہو، لیکن ساری متعلقہ صحیح احادیث سے ان دونوں باتوں کی جو نوعیت معلوم ہوتی ہے، اس کا خلاصہ حسب ِذیل ہے:
خاص موقعوں پر دف بجایا جا سکتااور قومی گیت گایا جا سکتا ہے، جیسے شادی بیاہ کے موقعے پر یا عید وغیرہ پر، جس کا مقصد نکاح کا اعلان کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا ہے، تاکہ شادی خفیہ نہ رہے۔ اسی لیے یہ حکم بھی دیا گیا ہے:
اَعْلِنُوْا النِّكَاحَ
صحیح ابن حبان ، حدیث:1285 ۔ آداب الزفاف ، ص:97
نکاح کا اعلان کرو۔

یعنی علانیہ نکاح کرو، خفیہ نہ کرو۔ اس حکم سے مقصود خفیہ نکاحوں کا سدباب ہے جیسے آج کل ولی کی اجازت کے بغیر خفیہ نکاح بصورت لو میرج، سیکرٹ میرج اور کورٹ میرج کیے جا رہے ہیں، عدالتیں اور فقہی جمود میں مبتلا علما ان کو سند جواز دے رہے ہیں حالانکہ احادیث کی رو سے یہ سب نکاح باطل ہیں، یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتے۔
یہ کام صرف چھوٹی یعنی نابالغ بچیاں کر سکتی ہیں، بالغ عورتوں کو ان کاموں کی اجازت نہیں ہے اور نہ مردوں ہی کو اس کی اجازت ہے۔
یہ کام نہایت محدود پیمانے پر ہو۔ محلے کی یا خاندان اور قبیلے کی بچیوں کو دعوتِ دے کر جمع نہ کیاجائے۔
اور سب سے اہم بات یہ کہ ان کاموں کی صرف اجازت ہے، ان کی حیثیت فرض وواجب اور امر لازم کی نہیں ہے۔ جیسے مذکورہ دو صحابیوں کے واقعے میں ہے:
قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ
’’ہمیں شادی کے موقعے پر لَہْو کی رخصت دی گئی ہے۔‘‘
اور یہ مسلمہ اُصول ہے کہ ایک جائز کام، حدود و ضوابط کے دائرے میں نہ رہے اور اس کا ارتکاب بہت سے محرمات و منہیات تک پہنچا دے تو ایسی صورتوں میں وہ جائز کام بھی ناجائز اور حرام قرار پائے گا۔
موجودہ حالات میں اظہارِ مسرت کا مذکورہ جائز طریقہ، ناجائز اور حرام ہے اس وقت مسلمانوں کی اپنے مذہب سے وابستگی اور اس پر عمل کرنے کی جو صورت حال ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر وہ اللہ و رسول کے احکام کو بالکل پس پشت ڈال دیتے ہیں اور محرمات و منہیات کا نہایت دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ مہندی کی رسم اور اس میں نوجوان بچیوں کا سرعام ناچنا گانا، ویڈیو اور مووی فلمیں بنانا، بے پردگی اور بے حیائی کا ارتکاب، بینڈ باجے، میوزیکل دھنیں اور میوزیکل شو، آتش بازی وغیرہ۔ یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب غیروں کی نقالی اور اسلامی تہذیب و روایات کے یکسر خلاف ہیں۔ اسلام سے ان کا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ ہو ہی سکتا ہے۔
یہ صورت حال اس امر کی تائید کرتی ہے کہ موجودہ حالات میں دف بجانے اور قومی گیت گانے سے بھی احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ کوئی بھی شریعت کی بتائی ہوئی حد تک محدود نہیں رہتا اور محرمات تک پہنچے بغیر کسی کی تسلی نہیں ہوتی۔ بنا بریں اسلام کے مسلمہ اصول سَدًّاللذریعۃکے تحت یہ جائز کام بھی اس وقت ممنوع ہی قرار پائے گا جب تک قوم اپنی اصلاح

کرکے شریعت کی پابند نہ ہو جائے اور شریعت کی حد سے تجاوز کرنے کی عادت اور معمول کو ترک نہ کر دے۔

کیا غیرشرعی شادیوں کا بائیکاٹ صحیح نہیں ہے ؟
لوگ کہتے ہیں کہ جن شادیوں میں غیر شرعی حرکتیں ہوتی ہیں ، تو ان کو خاموشی سے برداشت کرلینا چاہیے اور ان رسومات کی وجہ سے بائیکاٹ نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے رشتے داریاں ٹوٹ جاتی ہیں ، بہن بھائی، عزیز واقارب ناراض ہوجاتے ہیں وغیرہ وغیرہ
یہ ٹھیک ہے کہ صلہ رحمی(رشتے داریوں کو قائم رکھنے) کی تاکید ہے اور قطع رحمی(رشتے توڑدینے) پر بڑی سخت وعید ہے ، لیکن اس حکم کا تعلق دنیوی معاملات سے ہے یعنی دنیوی معاملات میں کتنی بھی تلخی ، کشیدگی، ناراضی ہوجائے اسے طول نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کی وجہ سے بول چال اور تعلق منقطع کرنے کی اجازت ہے اور اگر جذبات میں زیادہ شدت ہو تو تین دن تک تعلق منقطع کرنے کی رخصت ہے ، اس کے بعد صلح کر لینی اور بات چیت شروع کر دینی چاہیے۔ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی سے تعلق منقطع کیے رکھنے کی اجازت نہیں ہے لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے ، دینی احکام وشعائر اور دینی اقدار وروایات کے احترام اور ان پر عمل کرنے کا معاملہ ہے یہ دنیوی معاملات سے یکسر الگ ہے ، دین ، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محترم اور ہر تعلق سے زیادہ بالا ہے۔ اس کے احترام اور بالادستی پر ہر چیز کو قربان کیا جاسکتاہے بلکہ کیا جانا ضروری ہے ، یہی ایمانی غیرت اور دینی حمیت کا تقاضا ہے ، جولوگ کہتے ہیں کہ شادی بیاہوں میں ساری شیطانی حرکتوں اور جاہلی رسومات کے باوجود ان کا بائیکاٹ کرنا صحیح نہیں ہے ان میں شریک ہی رہنا چاہیے ، ان کے اندر نہ دین کی حمیت وغیرت ہے اور نہ دین اسلام کا صحیح شعور ، وہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بے خبر ہیں اور صحابہ ٔ کرام کی دینی غیرت سے بھی لا علم ۔ ذرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ دیکھیے!
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : انہوں نے ایک تصویروں والا گدّا خریدا ، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور گھر میں اندر داخل ہونے لگے تو دروازے سے ہی اس گدّے پر نظر پڑ گئی تو آپ دروازے ہی پر کھڑے ہوگئے ، اندر داخل نہیں ہوئے ، (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو میں نے کہا : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بارگاہ الٰہی

میں توبہ کرتی ہوں اور آپ سے بھی معافی کی خواست گارہوں ، مجھ سے کیا غلطی صادر ہوگئی ہے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : یہ گدّا کیا ہے ؟
میں نے کہا : یہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھا کریں اور اس کو بطور تکیہ استعمال کرلیا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
’’ان تصـــویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان ســـے کہا جائے گا ، تم نے جو یہ تصـــویریں بنائی تھیں ، ان میں جان ڈال کر ان کو زندہ کرو ‘‘ مزید فرمایا :
إِنَّ البَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لاَ تَدْخُلُهُ المَلاَئِكَةُ
صحیح البخاری ، کتاب البیوع ، باب التجارۃ فیما یکرہ....،
’’ جس گھر میں تصـــویریں ہوں ، اس میں (رحمت کے)فرشـــتے داخل نہیں ہوتے۔‘‘
جب اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ ، جو مسلمانوں کے لیے واجب الاتباع ہے یہ ہے کہ جہاں آپ کو تصـــویریں نظر آئیں ، وہاں آپ نے داخل ہونا پســـند نہیں فرمایا تو جن اجتماعات میں بینڈ باجے بج رہے ہوں ، مردوزن کا مخلوط اجتماع ہو، عورتوں نے شـرم وحیا کے سـارے حجابات اتار پھینک دیئے ہوں ، ان کی موویاں بن رہی ہوں ۔ ایســـے شـــیطانی اجتماعات میں شـریک ہونا اور شـریک رہنا ایک مسـلمان مرد اور عورت کے لیے کیسـے جائز ہوسکتا ہے ؟
رہا مســئلہ ایســی خرافات کا ارتکاب کرنے والوں کے بائیکاٹ کا تو اس کا اثبات اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعے سے بھی یقیناً ہوجاتا ہے لیکن ہم دو صـــحابیوں کی ایمانی غیرت کے بھی دو واقعے اس موقع پر بیان کرنا مناســـب ســـمجھتے ہیں تاکہ مزید وضـــاحت ہوجائے کہ صحابۂ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ کتنا سخت رویہ اختیار فرمایا اور رشتوں کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی۔
سـیدناعبد اللہ بن عمر رضـی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ عورتوں کو مســجدوں میں جاکر نماز پڑھنے ســـے مت روکو ! تو ان کے بیٹے بلال نے کہا : ہم تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سـے روکیں گے تاکہ فسـاد پیدا نہ ہو ، یہ سـن کرسـیدنا عبد اللہ بن عمر رضـی اللہ عنہما سـخت غضـب ناک ہوئے اور ان کو اتنا برا بھلا کہا کہ کبھی کسـی کو اتنا برا بھلا نہ کہا ، اور فرمایا : میں تجھے رسـول اللہ صـلی اللہ علیہ وسـلم کا فرمان سـنا رہا

ہوں اور تو اس کے مقابلے میں کہتا ہے کہ ہم عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے ۔[2]
یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے ، جس میں یہ اضافہ بھی ہے ۔
فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُ اللَّهِ حَتَّى مَاتَ
مشکوۃ ، کتاب الصلوۃ باب الجماعۃ وفضلھا، ح1084 ، وقال الالبانی رحمہ اللہ : وسندہ صحیح
'' سیدناعبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس بیٹے سے ساری عمر کلام نہیں کیا حتی کہ فوت ہوگئے۔''
اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا ہے ، ان کا ایک قریبی عزیز (بھتیجا) انگلی سے کنکری پھینک رہا تھا ، عبد اللہ بن مغفل نے اسے اس سے روکا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ، اس کے باوجود وہ باز نہیں آیا تو انہوں نے اس سے فرمایا : میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں کہ اس سے آپ نے منع فرمایا ہے اور تو پھر بھی کنکری مار رہا ہے ؟
لَاأُكَلِّمُكَ أَبَدًا
صحیح مسلم ،کتاب الصید باب یستعان،
'' میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔''
اللہ کی ناراضی یا لوگوں کی ناراضی ، کس سے بچنا ضروری ہے ؟
دو حدیثیں اور ملاحظہ فرمائیں جو نہایت فیصلہ کن ہیں بشرطیکہ دل میں ایمان کی حرارت اور اللہ کا خوف ہو؟
سیدہعائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
مَنْ أَرْضَى اللهَ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللهُ النَّاسَ، وَمَنْ أَسْخَطَ اللهَ بِرِضَى النَّاسِ وَكَلَهُ اللهُ إِلَى النَّاسِ
الصحیحۃ للألبانی 392/5 ، رقم الحدیث : 2311
'' جس نے اللہ کو راضی کر لیا، چاہے لوگ ناراض ہوگئے ہوں اللہ اس کو لوگوں سے کافی ہوجائے گا اور جس نے لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کر لیا ، اللہ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کر دےگا۔''
2 کمال ایمان کے لئے بھی بائیکاٹ کرکے نفرت کا اظہار ضروری ہے
سیدناابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ

أخرجہ الطبرانی فی الکبیر 208/8 ۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ..
'' جس نے (کسی سے) اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لیے نفرت رکھی ، اللہ ہی کے لیے (کسی کو کچھ) دیا اور اللہ ہی کے لیے انکار کیا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔''
وضاحت : کسی نیک آدمی سے اس کی نیکی اور تقوی کی وجہ سے ، کسی عالم دین سے اس کی حق گئی اور حق پرستی کی وجہ سے ، کسی صداقت شعار آدمی سے اس کی صداقت اور راست بازی کی وجہ سے محبت رکھنا اللہ کے لیے محبت ہے کیونکہ ان خوبیوں کو اپنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان کے اختیار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ بھی محبت رکھتا ہے اور جو اللہ کے حکموں کو پامال کرتا ہے ، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے تو ایسے لوگوں سے نفرت اور ناراضی کا اظہار کرنا ، اللہ کے لیے نفرت کا اظہار ہے جو اللہ کو پسند ہے ، اسی طرح کسی ضرورت مند صاحب ایمان کو اللہ کی رضا کے لیے دینا اللہ کے لیے دینا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کسی بدکردار کو دینے سے انکار کر دینا، اللہ کے لیے انکار ہے ، یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے کرنا کمال ایمان ہے اور اس کے برعکس رویہ ایمان کے منافی ہے ۔ مذکورہ احادیث کی روشنی میں بہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ زیر بحث قسم کی شادیوں میں شریک ہونا اور آخر وقت تک شریک رہنا، ایک مسلمان کے شایان شان اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے یا ان کا بائیکاٹ کرنا شیوۂ مسلمانی اور عند اللہ پسندیدہ ہے؟ ہر شخص آخرت کی جواب دہی کا احساس اور فکر کرتے ہوئے ، اگر آخرت پر اس کا یقین ہے ، جواب سوچ لے اور اس کے مطابق فیصلہ کر لے۔
ہم نیک وبد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
مانو نہ مانو! جان جہاں اختیار ہے

آئینہ دیکھ کر بر انہ منائیے ! اصلاح کیجئے !
سیدناابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِن
سنن ابی داؤد ،کتاب الأدب ، باب فی النصیحۃو الحیاطۃ
'' مومن ، مومن کا آئینہ ہے۔''
آئینے کا کام کیا ہے ؟ وہ انسان کے چہرے اور رنگ روپ کو بالکل اس طرح دکھاتا ہے ، جس طرح وہ ہوتا ہے ، اس میں نہ آئینے کا کوئی نقص

ہے اور نہ آئینہ دکھلانے والے کی غلطی ، اس لیے بیان کردہ رسومات اور اس میں ہمارےعمل اور رویے کی تفصیلات ، ایک آئینہ ہے جو ایک مومن بھائی نے دوسرے مومن بھائیوں اور بہنوں کو دکھلایا ہے جس سے مقصود اصلاح اور خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں ۔
بنابریں آئینہ ان کو دکھلایا تو برامان گئے ۔ والا طرز عمل اختیار کرنے کے بجائے اپنے رویوں کا جائزہ لے کر ان میں اصلاح اور تبدیلی کی کوشش کریں ۔ وبیداللہ التوفیق
قرآن کریم میں اللہ کا حکم
اب تک جو گفتگو ہوئی ، احادیث رسول اور آثار صحابہ کی روشنی میں تھی اب ذرا قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾
[النساء : 140]
ترجمہ: ’’ اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں ، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہوگے ، یقینا اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے ۔‘‘
یعنی جہاں اللہ کے احکام کا انکار یا ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو تو اہل ایمان کو وہاں بیٹھنے(جانے یا اگر بے خبری میں چلے گئے ہیں تو بیٹھے رہنے) سے منع کیا جارہا ہے اور تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم منع کرنے کے باوجود ایسی مجلسوں میں جاؤ گے یا وہاں بیٹھے رہو گے تو تم بھی گناہ اور نافرمانی میں ان کے برابر ہوگے۔
جیسے ایک حدیث میں آتا ہے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ’’ جوشخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے ، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دورچلے۔‘‘[3]
اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں یا اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً انکار یا مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل اُمراء ، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ کی تقریبات میں ایسا کیا جاتا ہے کیونکہ کھلم کھلا، علانیہ اللہ کی

حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب بھی دراصل اللہ کے احکام کا مذاق اڑانا ہی ہے ۔ علاوہ ازیں ارتکاب کرنے والے اور خاموش تماشائی بن کر شرکت کرنے والے، دونوں جرم میں برابر کے گناہ گار ہیں ، اسی لیے اللہ نے آیت میں یہ فرما کر (إِنَّكُم إِذاً مِّثْلُهُم) '' اس وقت تم بھی ان جیسے ہی ہو گے'' شرکت کرنے والوں کے لیے یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ ہم کیا کرسکتے ہیں ، ہم تو رشتے داری کی وجہ سے مجبور ہیں ؟''ان جیسے ہی ہوگے'' کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کپکپی طاری کردینے کے لیے کافی ہے ، بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو ۔

اور یہ جو اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ '' اس نے یہ کتاب میں نازل کیا ہے '' یہ اس آیت کا حوالہ ہے جو اللہ نے اس سے قبل نازل فرمائی اور اس میں بھی یہی حکم فرمایا جو اس میں فرمایا ہے اور وہ آیت ہے :

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾

[الأنعام : 68]

ترجمہ: '' اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں ۔ ''

آیت میں خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے ، اور اسی طرح آیت میں اگرچہ ذکر اہل زیغ واہل ضلال اور ان کی مجالس میں بیٹھنے کی ممانعت کا ہے لیکن آیت کا حکم عام ہے جس میں ہر وہ مجلس شامل ہوگی جس میں اللہ رسول کے احکام کا زبان وبیان کے ذریعے سے یا عمل کے ذریعے سے انکار کیا یا مذاق اڑایا جارہا ہو ، عملی انکار یا مذاق میں شادی بیاہ کی وہ ساری تقریبات (مہندی، منگنی،بارات،ولیمہ وغیرہ) آجاتی ہیں جن میں غیر شرعی حرکات کا دھڑلے سے ارتکاب کیا جاتاہے۔ اعاذنا اللہ منھا

خیرامت ہونے کے لیے بھلائی کا حکم دینا ، برائی سے روکنا ضروری ہے

دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا :

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾

[آل عمران : 110]

'' تم بہترین امت ہو جولوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے ، کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو ، بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت میں ''امت مسلمہ'' کو ''خیر امت'' (بہترین امت) قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف ، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے ، گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ''بہترین امت'' ہے ، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے(جیسے وہ اس وقت دنیا میں ہے) اس کے بعد قرآن کریم میں اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرے گا ، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا ، اہل کتاب کی صفت بیان کی گئی ہے .

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾

[المائدة : 79]

ترجمہ:۔'' آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقینا وہ بہت

اور زیر تفسیر آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے ، قرآن مجید میں اس سے قبل ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے .

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

[آل عمران : 104]

ترجمہ:'' تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے ، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں .''

''منکر'' (برائی) سے جس طرح شرک وبدعات ، فسق وفجور اوردیگر نافرمانی والے کام مراد ہیں ، اسی طرح وہ ساری رسومات وخرافات بھی داخل ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہیں اور زیر بحث شادی کی رسومات اسی قبیل(قسم) سے ہیں۔ دوسرے ،آیت میں (مِنکُم) کے 'مِن' کو تبعیضیہ قرار دے کر کہا جاتا ہے کہ اگر ایک گروہ(بعض لوگ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرلے گا تو سب کی طرف سے ادا ہوجائے گا یعنی یہ فریضہ فرض کفایہ ہے ، لیکن آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں ، یہ الفاظ مقتضی ہیں کہ ''مِن''کو'' تبیین'' کے لئے مانا جائے کیونکہ کامیابی تو ہر مسلمان کا مقصد ہے اور ہونا چاہیے۔ اس اعتبار سے یہ فریضہ''فرض عین'' ہے یعنی ہر ہر فرد اپنے اپنے دائرے اور اپنی اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کا فرض ادا کرے ۔ جیســـــے ’’بلغوا عنی ولو آیۃ‘‘ کے تحت ہر شخص تبلیغ کا ذمے دارہے۔
واللہ اعلم بالصواب
[1] سنن النسائی ، کتاب النکاح ، باب اللھو والغناء عند العرس ،
[2] صحیح مسلم ، کتاب الصلاۃ ، حدیث:442
[3] مسند أحمد ، 339/392/1

(16) اہلِ حق کو پھرمعرکہ درپیش ہے

الشیخ خالد حسین گورایہ حفظہ اللہ
اس وقت دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے ، جو کل ناممکن نظر آتاتھا آج ممکناتی طور پر وجود پاچکاہے ۔ امن وجنگ سب کے طور طریقے بدل چکے ہیں۔ ہر قوم دوسری قوم کو نظریاتی مات دینے پہ تلی ہوئی ہے۔ اس میں کوئی اثر انداز ہے اور کوئی اثر پذیر ۔ علامہ ابن خلدون نے خوب کہا کہ:
المغلوب مولع أبداً بالاقتداء بالغالب في شعاره وزِيّه ونِحلَته وسائر أحواله وعوائده
'' مغلوب قوم ہمیشہ غالب قوم کے بھیس ، نشانات ، لباس ، مذہب ، عادات واطوار اور طور طریقوں کی دلدادہ ہوتی ہے ''
پھر اس مرعوبیت کی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
المغلوب یری ان غلب الغالب لیس بعصبیة ولا قوة بأس ، وانما بما انتحله من العوائد والمذاهب
مقدمہ ابن خلدون
کیونکہ مغلوب یہ سمجھتاہے کہ غالب آنے والا مجھ پر کسی قوت وطاقت وعصبیت کی بنا پر غالب نہیں آیا بلکہ اس کے غالب ہونے کی وجہ وہ عادات وتقالید اور وہ مذہب ہے جس کا وہ پیرو کار ہے ''۔
بعینہ یہی حال اس وقت ان اسلامی ممالک کاہے جہاں مغربی استعمار رہاہے ۔جن میں بالخصوص ذکر بر صغیر پاک وہند کا آتاہے ۔ یہاں سے انگریز اپنے لاؤلشکر لےکر تو روانہ ہوگیا اور ہمیں اس دھوکے میں رکھ گیا کہ تم لوگ آزاد ہو ۔ مگر نظریاتی طور پر یہ اس قوم کو ایسے جہال میں پھانس گیا کہ ہم آزاد ہونے کے بعد بھی غلام ہیں ۔ ہمارے معاشرے کا نہ لباس اپنا ہے ، نہ زبان ، نہ تہوار اپنے ہیں نہ تعلیم وتہذیب سب کچھ ادھار لیے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ وارفع تہذیب وثقافت لیکر آئے تھے اور فرمایا تھا کہ:
قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ
سنن ابن ماجة : المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين
یعنی:میں تم کو ایسی صاف ہموار زمین پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کے دن اور رات برابر ہیں ، اس سے وہ ہٹے گا جو ہلاک ہونے والا ہوگا، جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ عنقریب شدید اختلاف دیکھے گا تم پر میرا طریقہ

اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کا طریقہ لازم ہے اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا اور تم پر اطاعت امیر لازم ہے خواہ وہ حبشی غلام ہو کیونکہ مومن نکیل ڈالے اونٹ کی طرح ہوتا ہے جیسے چلایا جاتا اطاعت کرتا ہے۔
اب جاہلیت جدیدہ (مغربی اور ہندوتہذیب) کی اساسیات اور اسلامی تعلیمات کا تقابل کر کے دیکھیں تویہ حقیقت خود ہی آشکار ہوجاتی ہے کہ انسانیت کی فلاح اسلامی تہذیب وثقافت کو اپنائے بغیر ممکن نہیں ۔ موجودہ تہذیب کا سب سے پر لطف نعرہ خواتین کے حقوق کا ہے ۔ اور حقیقت میں دیکھا جائے تو جدید تہذیب وثقافت نے عورت کو ایک پروڈکٹ بنانے سے زیادہ کوئی حق نہیں دیا ۔ جتنے بھی عالمی قوانین بنے وہ محض عورت کو گھر کی چار دیوار سے نکالنے اور اسے سجا کر پیش کرنے سے آگے نہ بڑھ سکے ۔ عورت کے ساتھ ظلم صدیوں سے ہوتا آیا ۔ دنیا بھر کے قوانین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا کہ کسی طرح عورت پر ہونے والے ظلم اور اس سے ناروا برتاؤ کے آگے بند باندھے جائیں ۔ جیسے زمانہ جاہلیت میں بچی کو پیدائش کے بعد زندہ درگور کردیا جاتاتھا ، اسی طرح کی رسم ہندوستان میں رائج رہی اور ہندوستانی تہذیب میں بیٹی کی ولادت کے فورا بعد اسے مارڈالنے کی رسم جاری تھی ۔ اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی کے ابتدا کا ادب پڑھ کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران وہاں کے معاشرہ نے بیوہ عورتوں کی دوسری شادی پر جو کڑی پابندیاں لگا رکھی تھیں وہ اس وقت بھی ہمارے نام نہاد مسلمان معاشرے میں زور وشور سے جاری وساری ہے ۔ یہاں بھی لڑکی کی پیدائش اور بیوہ کی شادی کوبرا جانا جاتاہے ۔
1847،48کے دورانیہ میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی حاکمیت وسیع تر ہوتی جارہی تھی اور اس کا سکہ اور دھاک بھی ہندوستان کے غالب علاقوں پر بیٹھ چکی تھی ۔ اس وقت انہوں نے ہندوستان کی چند فرسودہ رسموں کو بذریعہ آئین کنٹرول کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے ۔ اسی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے ایک ہندوستانی مصنف سیدتفضل حسین خان نے ۔ معالجات شافیہ ۔ کتاب لکھی جس میں ہندوستان کی قبیح رسومات کی بیخ کنی کی اور 1847 میں حکومت کی جانب سے ان رسومات کے خاتمہ کیلئے کی جانے والی کاوشوں کا تذکرہ بھی کیا اور بالآخر معترف ہوئے کہ کوششیں بارآور ثابت نہیں ہوسکیں ۔
معالجات شافیہ سے اقتباس ملاحظہ ہو :
” متعدد علاقوں میں حاکموں نے کوشش کی کہ لڑکیوں کے قتل کی رسم کو ختم کیا جائے اور یہ حکم بھی دیا کہ جو کوئی لڑکیوں کو قتل کرے گا

وہ قید ہوگا اور مال واســـباب اس کا بحقِ حکومت ضـــبط ہوگا ۔ ‘‘ پھر حکمرانوں کے چند اچھے اقدامات کا ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں ’’ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ احکام کارگر ہوسکیں گے ؟
ہر عدالت کا دستور یہ ہے کہ استغاثہ اور شہادت کے بغیر سزا نہیں دیتی ، لہٰذا لوگ [1]اب خوفِ حاکم ســے بہت احتیاط کرتے ہیں ، مبادا بیٹی کے قتل کی اطلاع حاکم تک پہنچے تو خرابی لازم ہے ، اس واسطے اب اس قوم میں لڑکیوں کی ولادت بہت خفیہ مقام میں ہوتی ہے جہاں کوئی مدعی یا گواہ نہیں مل سکتا۔ یہ صورت حال جاری رہی تو یہ لوگ ہمیشہ اپنی لڑکیوں کو قتل کرتے رہیں گے اور کسی عدالت میں جرم ثابت نہیں ہوسکے گا۔ بعض حاکموں نے علاقہ داروں کو حکم دیا ہے کہ تم لوگ خبر گیری کرو ۔ ان لوگوں نے ہر جگہ چوکیدار مقرر کیے ہیں ، لیکن یہ سب امور بیرونی ہیں ۔ حاکموں نے یہ حکم نہیں دیا کہ گھروں کے اندرونی اور خفیہ امور کی خبرداری کرو، لہٰذا بیرونی تدبیر کیا کام آوے گی ؟ ۔
اب گورنمنٹ نے گزٹ آگرہ ، مؤرخہ4مئی 1847ء عیسوی جاری کیا ہے جو دیوان جے پور کے خط پر مشـــتمل ہے اور عبارت اس کی یہ ہے : ’’ہم دیکھتے ہیں کہ اس کام میں ایک قباحت یہ ہے کہ فرقہ بھاٹ اور چارن کے بہت سے شخص تنگ معاش ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اگر ان کی لڑکیوں کی شادی کا اہتمام ان کے مرتبے کے مطابق نہ ہوگا تو عزت میں بٹہ لگے گا ، لہٰذا وہ ہر طرح کا خطرہ مول لیتے ہیں ۔ جب تک انسداد اس کا نہ ہوگا لڑکیوں کی ہلاکت ترک ہونے کی صورت ممکن نہیں ‘‘۔آخر میں مصنف نے حکومت کی طرف سے اس رسم کے خاتمے کیلئے جو آرڈی ننس جاری کیا اس کا تذکرہ کیا
ہے جس میں یہ قرار دیا گیا کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا صرف آٹھواں حصہ شادی میں صرف کرسکتاہے اس سے زائد کسی کو روا نہ ہوگا ۔ اور ااس آرڈی ننس میں اس اعتماد کا اظہار کیا گیا کہ ’’ اب یقین کامل ہے کہ آئندہ لڑکیاں ضـائع نہ کی جایا کریں گی اور برابر والوں کے درمیان شـادیاں ہوا کریں گی کیونکہ جب سالانہ آمدنی کا صرف آٹھواں حصہ شادی پر صرف کرنے کی قید لگادی گئی ہے تو کسـی کو اندیشـہ ہتک کا نہیں رہے گا اور کوئی شخص اس کو بار بھی نہ سمجھے گا ‘‘۔[2]
لڑکیوں کی پیدائش کو برا سمجھنے اور ان کے ناحق قتل کے حوالے سے اس وقت عالمی قوانین بھی موجود ہیں لیکن وہ قوانین اتنے زیادہ مؤثر نہیں کیونکہ جس قانون میں للہیت نہیں وہ لوگوں پر ظاہری تو چند پابندیاں لگا سکتے ہیں لیکن انسان کی روحانی تربیت اور جرم کو جڑ سے ختم نہیں

کرسکتے .اس لئے کہ ایک قطعی اور حتمی بات یہ ہے کہ جب تک بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا نہیں ہوتا ، یوم آخرت پر اس کا ایمان صحیح نہیں ہوتا اس وقت تک ان تمام فرسودہ رسومات کا خاتمہ ممکن نہیں ہے ۔

معاشرہ سے عورت پر جرائم وظلم کے خاتمے کیلئے اس وقت ملکی وعالمی قوانین کی حیثیت سے جو اقدامات کئے جارہے ہیں یا کئے جاچکے ہیں ان سے کہیں زیادہ بہتر ، اعلیٰ وارفع تعلیمات اسلام نے دی ہیں ۔

لڑکیوں کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا

الإسراء: 31

ترجمہ: اور مفلسی کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ۔ انھیں اور خود تمہیں بھی رزق ہم دیتے ہیں۔ انھیں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

نیز فرمایا:

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ

التکویر: 8 – 9

ترجمہ: اور زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گاکہ وہ کس جرم میں ماری گئی تھی؟

نکاح میں آسانی پیدا کرنے کے لئے شریعت نے متعدد احکامات بیان فرمادئے ۔ عورت کو پردہ کے زیور سے آراستہ کیا تاکہ اس کی عفت وعصمت محفوظ رہے ۔ پھر بچیوں کی تربیت اور ان کی نگہداشت کرنے والے کےلئے جو ترغیبات دیں انہیں پڑھنے کے بعد انسان کا دل خود ہی اسے اس عمل پر ابھارتاہے ۔ اور پھر محرم اور غیر محرم کے اصول وضع کرکے حفاظت وصیانت کا ایسا اہتمام کیا کہ نہ ایسا کوئی انسانی فکر کا تراشیدہ قانون کرسکتاہے اور نہ عمل کرواسکتاہے ۔

اب ہمارے مسلمانوں کو وہ اعلیٰ وارفع تہذیب پسند نہ آئی اور بقول ابن خلدون فکری طور پر غالب کی عادات ، تقالید ، اور رہن سہن ، رسم ورواج کو اپنی زندگی میں رائج کرلیا ۔ اور پھر اسی جاہلیۃ الاولیٰ کی جانب پلٹ گئے ۔ اس وقت سب سے خطرناک معرکہ مسلمانوں کو فکری غلامی سے آزادی دلانے کا ہے .اس وقت ہماری قوم ہندو اور مغرب کی ثقافت وتہذیب سے اتنی متاثر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ۔ سہ ماہی البیان کی اس خصوصی اشاعت کا مقصد بھی اس اسلامی ثقافت کا احیاء اور اس کی یا دہانی مقصود ہے کہ کاش ہماری یہ قوم اللہ کے دشمنوں کے اصل ہتھیار اور اس کی اصل چال کو سمجھ سکے ۔

ثقافت کیا ہے؟
ثقافت یا کلچر سے کیا مراد ہے ؟
ثقافت ســـے مراد کســـی قوم یا طبقے کی تہذیب ہے۔ اہل علم نے ثقافت کی تعریف یہ مقرر کی ہے کہ ’’ثقافت اکتسابی یا ارادی یا شعوری طرز عمل کا نام ہے‘‘۔ اکتسابی طرز عمل میں ہماری وہ تمام عادات ، افعال ، خیالات اور رسوم اور اقدار شامل ہیں جن کو ہم ایک منظم معاشرے یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں یا ان پرعمل کرتے ہیں یا ان پر عمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ تاہم ثقافت یا کلچر کی کوئی جامع و مانع تعریف آج تک نہیں ہوسکی۔[3]
نیز یہ بھی کہا گیا کہ ’’ ثقافت کسی معاشرے میں موجود ان رسم و رواج اور اقدار کے مجمع کو کہا جاتا ہے جن پر اسکے تمام افراد مشترکہ طور پر عمل کرتے ہوں‘‘۔
کلچر کی ہیئت وتعریف بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی رقمطراز ہیں :’’ کلچر اس کُل کانام ہے جس میں مذہب وعقائد ، علوم اور اخلاقیات ، معاملات اور معاشرت ، فنون وہنر ، رسم ورواج ، افعال ارادی اور قانون ، صرفِ اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسان معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتاہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے متضاد ومختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک ومماثلت، وحدت اور یکجہتی پیدا ہوجاتی ہے جن کے ذریعے انسان کو وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز پیدا ہوجاتی ہے ۔ کلچر میں زندگی کے مختلف مشاغل ، ہنر اور علوم وفنون کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانا ، بری چیزوں کی اصلاح کرنا ، تنگ نظری اور تعصب کو دور کرنا ، غیرت وخوداری ، ایثار ووفاداری پیدا کرنا ، معاشرت میں حسن ولطافت ، اخلاق میں تہذیب ، عادات میں شائستگی ، لب ولہجہ میں نرمی ، اپنی چیزوں ، روایات اور تاریخ کو عزت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنا اور ان کو بلندی پر لے جانا بھی شامل ہے ‘[4]
ثقافت اور مذہب :
اس وقت مسلمانوں میں کافی حد تک غیر اسلامی تہوار در آنے کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ثقافت کو مذہب سے الگ چیز سمجھا جاتاہے ۔ اس لئے سادہ لوح مسلمانوں کی اکثریت بسنت ، ویلنٹائن ڈے ، اپریل فول وغیرہ کو مذہبی نہیں بلکہ ثقافتی تہوار سمجھتی ہے ۔ اور اسی کو بنیاد بناکر ثقافتی تہواروں میں ہر وہ کام ہوتاہے جسے کوئی برے سے برا شخص بھی مذہبی عمل نہیں کہہ سکتا۔ لہٰذا عامۃ الناس اور چند نام نہاد دانشوروں کے ہاں جو مذہب اور ثقافت کے دو الگ الگ خانے ہیں ،یہی وہ بنیادی غلطی اور غلط

تصور ہے کہ جب تک اس کا ازالہ نہیں ہوتا انسان کا نقطہ نظر صحیح نہیں ہوسکتا ۔ مذہب اور کلچر کا تعلق بہت گہرا ہے لیکن اس بات کا انحصار اس مذہب اور کلچر کو ماننے والوں پر ہے کہ وہ کس چیز کو ترجیح دیتے ہیں مثلا یورپ کا جدید ذہن رکھنے ولا شخص بھی مذہب کو کلچر کا عنصر سمجھتاہے ، یعنی اس کے نزدیک کلچر ایک برتر شے ہے ۔لہٰذا ان کے ہاں اگر مذہب اور کلچر میں تصادم ہو تووہ اہل مغرب مذہب کو نظر انداز کردیں گے اور کلچر کو اس پر ترجیح دیں گے ۔

’’یورپ کے لوگوں کی اکثریت اب بھی عیسائیت کو اپنا مذہب قرار دیتی ہے مگر یورپی معاشرے میں بہت سے قوانین ، اقدار اور سماجی ادارے ایسے ہیں جن کا وجود عیسائیت کی تعلیمات سے لگا نہیں کھاتا چونکہ عرصہ قدیم سے یہ اس معاشرے میں موجود ہیں لہٰذا وہ انہیں اپنے کلچر کا حصہ سمجھتے ہوئے خیرباد کہنے کو تیار نہیں ۔[5]

مثلا جسم فروشی ، شراب نوشی ، بے نکاح جنسی تعلقات وغیرہ یہ سب عیسائی مذہب میں ویسا ہی گناہ ہیں جیسے اسلام میں مگر یورپ وامریکہ میں Prostitution ، کو ایک مستقل سماجی ادارہ کی حیثیت حاصل ہے ۔ مے نوشی اور زنا اس معاشرہ کا کلچر بن چکا ہے لہٰذا وہ لوگ اسے آئینی تحفظ بھی فراہم کرتے ہیں ۔

ہندو مت میں تقریبا ہر عمل کو مذہبی درجہ دیا جاتاہے اس لئے وہاں رقص ، گانا بجانا ، انواع واقسام کی موسیقی بھی مذہب کا درجہ رکھتی ہے ۔ ان کے ہاں ہر رسم تقریبا مذہب کا درجہ رکھتی ہے ۔ ہندوؤں کے ہاں جیسے خداؤں کی تعداد ان گنت ہے اسی طرح وہ اپنے معاشرے میں رائج ہر عمل کو مذہب کا درجہ دے دیتے ہیں ۔ اور جسے انہوں نے مذہب کا درجہ نہ دیا ہو اسے منانے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ جو دوسرے معاشروں سے برآمد کی گئی ثقافتی اقدار ہیں وہ انہیں اپنے متصادم تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رقص ، موسیقی ، ناچ گانے کو تقدس عطا کرنے والے ہندو معاشرے میں وہاں کا مذہبی طبقہ ویلنٹائن ڈے منانے کی اجازت نہیں دیتا ، کیونکہ یہ خالصتاً یورپی اور درآمد شدہ تہوار ہے ۔ ہندوستان میں نیشنل اِزم (قومیت) کا بہت پر چار کیا جاتا ہےجو محض کھوکھلا نعرہ ہے۔ وہ میڈیا اور فلموں، ڈراموں کے ذریعے ، سب اچھا ہے ، کا مظاہر ہ کرکے جمہوریت او ر قومیت کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کے ہر پرو گرام ، ہر ڈرامہ اور ہر فلم میں ہندو مذہب کا کھلم کھلا پر چا ر ہو تا ہے اور ہزاروں سال پرانی برھمو سماج کی تہذیب کی نمائندگی کی جاتی ہے۔ اس سے ہر ذی شعور اندازہ کرسکتاہے کہ ہندو اپنی تہذیب وثقافت کے ساتھ جنون کی حد تک منسلک

ہیں ۔ ہندو قوم درآمدی ثقافت کی بیخ کنی کرتی ہے اس کی حوصـــلہ افزائی نہیں کی جاتی ۔ حتی کہ مسـلمانوں نے وہاں ہزار ســال ســے زائد عرصــہ حکومت کی ،اب بھی وہاں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان بستے ہیں جنہوں نے وہاں کے تہذیب وتمدن کو ترقی دی، ســنوارا مگر آج بھی ہندو کا خیال مسلمان قوم اور حکمرانوں کے بارے میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملے میں ان کے بچو ں کو پر تھوی راج، چوہان، ٹی وی ڈرامے جیســے افکار کی روشنی میں پروان چڑھا یا جاتا ہے کہ ہندو ستان سونے کی چڑیا تھی یہاں ڈاکو لو گ اسے لوٹنے کے لیے آتے تھے ۔ لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ یہاں تو پانچ ذات پات کے لو گ بستے تھے ۔ تین ذاتوں کے پاس تو جینے کا حق بھی نہیں تھا ۔ انسانیت سسک سسک کر اور بلک بلک کر تڑپ رہی تھی ۔ اور پھر انہی ڈاکوؤں نے یہ ظلم کا طلسم توڑا اور ہندوستان کو ایک اکائی میں پر و دیا ۔ اور نیچ ذات کے لوگوں کو بھی انسان ہونے کا احساس ملا اور وہ بھی دوســری اقوام کے برابر ہوگئے۔ ہر مذہب کے نمائندے کو اپنے اپنے انداز میں عبادت و پو جا کا کھلا اختیار بھی انہی ڈاکوؤں نے دیا ۔ ستی کی رسم کو بھی مسلمانوں نے ختم کر وایا ۔ کیونکہ یہ ہندؤوں کے مذہب کا حصــہ تھا اور وہ انگریز جس کی پو جا کا درس دیا جا تا ہے اس نے آتے ہی ستی کی رسم پر پابندی لگا دی۔ پھر بھی ہندو ستان قومیت اور جمہوریت کے نا م پر ہند و انہ ذہنیت کو پروان چڑھانے میں بیش بہا کام کر رہا ہے ۔ کیونکہ یہ ان کا نظریہ حیات ہے ، مکاری ، عیاری اور جھوٹ و فریب ان کا ہتھیار ہے ۔ ان کی ثقافت میں جہاں بدن کے چھپانے کا کوئی اصــول نہیں۔ وہیں ســچ بولنے کا بھی کوئی رواج نہیں ۔ یہی ان کی تہذیب ، ثقافت اور کلچر ہے ۔

اسلا م کا تصور ثقافت :

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے وہ اپنے ماننے والوں کو ایک مرکزی نظامِ حیات اور نظامِ اخلاق و اقدار دیتاہے اور پھر تمام اقوال وافعال رســوم ورواج الغرض مکمل انسانی زندگی کو اسی نظام حیات اور نظامِ اقدار سے منضبط کرتاہے ۔ اســلام ہر ثقافت اور تہذیب کو اپنی افکار وتعلیمات کے مطابق پروان چڑھتے دیکھنا چاہتاہے ۔ اسـلام کا جامع مفہوم ’’سـلامتی ‘‘ہے۔ اس لئے وہ ہر کام میں سلامتی کے پہلو کو برتر رکھتاہے ۔

’’ اســلام ایک ایســا مذہب ہے جو ثقافت کو اپنے اندر ضــم کرنا چاہتاہے ۔ اسـلام میں مذہب اور ثقافت کا تعلق بے حد واضـح ہے ، یہاں مذہب کو ایک برتر خدائی حکم کی حیثیت ســے ہر اس ثقافتی عمل کو مســترد کرنے کا

اختیار ہے جو اس کے بنیادی تصور سے متصادم ہو ۔ اسلامی تصور کے مطابق مذہب کلچر کا محض
ایک جزو نہیں ہے ، بلکہ یہ ایک ایسا برتر نظام ہے جو ثقافت کو اپنے تقاضوں کے مطابق ڈھالتااور تشکیل دیتاہے!![6]
اسلام نے ہر عمل کو عقیدہ وایمانیات سے مربوط کیا ہے ۔جو اس پر عمل درآمد کو آسان بنا دیتاہے ۔ بندے کے دل میں اللہ کا خوف جگہ بنالے تو دنیا کی بڑی سے بڑی لالچ اور طمع بھی اس کے ایمان وعمل کو متزلزل نہیں کرسکتی ۔
اسلامی نقطہ نظر سے ثقافت کی تعریف :
اسلام کے اسی بنیادی فلسفہ کو سامنے رکھتے ہوئے اہل علم نے اسلامی ثقافت کی جو تعریف بیان کی ہے وہ یہ کہ :
مجموعة المعارف والمعلومات النظرية ، والخبرات العلمية المستمدة من القرآن الكريم والسنة النبوية، التي يكتسبها الإنسان ، ويحدد على ضوءها طريقة تفكيره ، ومنهج سلوكه في الحياة
الثقافة الإسلامية تعريفها مصادرها مجالاتها تحدياتها. للأستاذ الدكتور مصطفى مسلم ولأستاذ الدكتورفتحي محمد الزغبي
نظریاتی معارف ومعلومات اور علمی تجربات کا وہ مجموعہ جنہیں قرآن وسنت سے اخذکیا گیا ہے ۔ جسے انسان اکتساب کرتاہے ، اور اس کی روشنی میں اپنی سوچ کا طریقہ کار اور اپنی زندگی کے منہج وسلوک کا انتخاب کرتاہے ۔
اسلامی ثقافت کی خصوصیات ؟
ہرذی شعور انسان کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتاہے کہ ثقافت میں صرف اسلام ہی کیوں؟ غیروں کے رسوم ورواج اپنانے میں کیا حرج ہے ؟ تو اس کا جوا ب یہ ہے کہ دراصل ثقافت اور کلچر ایسا عمل ہے جس کے فوائد سے انسان اس وقت بہرور ہوسکتاہے جب معاشرے میں ہر ایک کو امن وآشتی نصیب ہو، ہر ایک کی ضروریات پوری ہوں ، ہر انسان اپنے آپ کو محفوظ تصور کرے ، اور ہر انسان ایک نارمل زندگی گذارے اس پر کسی قسم کا نفسیاتی یا ذہنی دباؤ نہ پڑے ،یہ سب چیزیں تب انسان کو
نصیب ہوسکتی ہیں جب وہ ایسی تہذیب اور ثقافت سے وابستہ ہو جو اسے مطلوبہ ضروریات مہیا کرسکے اور اسے لاحق ہونے والے نقصان سے بچا سکے، تو یہ سب اسلامی ثقافت کو اپنائے بغیر ممکن نہیں ۔
اسلامی ثقافت میں دیگر ثقافتوں کے مقابلے میں جو امتیازات اور خصوصیات پائی جاتی ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں :

اول : اسلامی ثقافت ربانی ثقافت ہے ۔ دنیا میں دیگر جتنی بھی ثقافتیں ہیں وہ انسانی ذہن کی تراشیدہ ہیں۔ اسلامی ثقافت کے اصول قرآن وسنت واجماع امت سے لئے گئے ہیں جن میں سراسر فلاح ہی فلاح ہے ۔ اس میں توحید باری جل وعلا کی جانب دعوت بھی دی گئی ہے ۔ اور مکارم اخلاق ، حقد اروں کو حق دینے ، ظلم کو ختم کرنے ، صلہ رحمی ، اور ہر قسم کی بھلائی کے پھیلانے کی ترغیب بھی دی گئی ہے ۔ اسلامی ثقافت انسان کو اللہ کی عبودیت کا رنگ چڑھا دیتی ہے

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ

البقرة: 138

ترجمہ: (نیز ان سے کہہ دو کہ : ہم نے) اللہ کا رنگ (قبول کیا) اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا خوف ہی وہ بنیادی چیز ہے جو انسان کو ظلم اور کسی کی حق تلفی سے روکتی ہے جب اللہ کے خوف سے دل عاری ہوجائیں تو پھر انسان ہی حیوان بن جاتاہے اور ایسے اعمال کا مرتکب ہوتاہے جسے عقول سلیمہ ناپسند کرتی ہیں ۔

دوم : اسلامی ثقافت انسانی فطرت سے مطابقت رکھتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو پید افرمایاہے وہٰ انسانی طبیعت اور فطرت سے بخوبی واقف ہے ۔ اور جانتاہے کہ کونسی چیز انسانی طبیعت کے موافق ہے اور کون سی نہیں ، انسان کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو اس میں موجود حیوانیت اس پر غالب آجاتی ہے اور ایسے معاملات بجا لاتاہے جومعاشرے میں موجود دیگر افراد کی حق تلفی اور تکلیف کا باعث بنتے ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ایک بنا بنایا نظام عطافرمایا تاکہ اس کیلئے معاشرے میں اعتدال اور توازن قائم رکھنا ممکن ہوسکے ۔

جیسے شہوت ہے : اللہ تعالیٰ نے جہاں زنا سے منع فرمایا وہاں چار تک شادیوں کی بھی اجازت دی تاکہ انسانی فطری ضرورت بھی پوری ہو اور وہ بے راہ روی سے بھی محفوظ رہے ۔

مال ہے : انسان فطری طور پر اس کی حرص رکھتاہے اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو حرام طریقوں سے حصول مال سے روکا وہیں اسے حلال راہ بھی دکھا دی اس سے انسان کا اپنا مال بھی پاک رہا اور دیگر لوگ بھی مالی زیادتی سے محفوظ رہے اور حق تلفی سے بچ گئے ۔

سوم : اس میں شمول بھی پایا جاتاہے اور کمال بھی .اسلامی ثقافت میں یہ بھی خاصـــیت ہے کہ اس کے قواعد وضـــوابط مکمل اور تاقیامت ہیں ،نیز معاشـرے کے ہر فرد اور ہر پہلو پر اس میں ہدایات دی گئی ہیں ۔ انســان کا نجی معاملہ ہو ، یا اس ماحول میں بســنے والے افراد کا ، چاہے وہ انســان ہوں ، حیوان ہوں ، نباتات ہوں ، یا جمادات ہر ایک کیلئے شریعت نے قواعد وضــع کررکھے ہیں ۔ نیز انســانوں کے باہمی حقوق کا بھی اس میں احاطہ کردیاگیاہے ۔

چہارم : توازن اور اعتدال پر مبنی ثقافت ہے .اســلامی ثقافت میں توازن اور اعتدال بدرجہ اتم پایا جاتاہے ، انســان ســے متعلق جیســا کہ بیان ہوا کہ وہ مـادیت ، حیوانیت ، اور روحـانیت ســـے مرکب ہے ۔ پھر اس میں افراد ، جماعتیں ، کنبے ، قبیلے بستے ہیں ۔ ان سب کو برابر برابر حقوق دینا ، ان کی ضـــروریات کا لحاظ رکھنا ، اور انســـانی نفس کے مادہ، حیوانیت اور روحانیت میں اعتدال پیدا کرنا ان سب کی مصلحتوں کا لحاظ رکھنا یہ شریعت اســلامیہ کا ہی کمال ہے ۔ اســلام نے نہ تو اتنا ریاضــت وزھد پر ترغیب دی ہے کہ انســـان دنیا کو ہی بھول جائے اور نہ اتنا دنیا کی جانب جھکنے کی اجازت دی ہے کہ مقصد ، مدعیٰ اور ھدف ہی دنیا رہ جائے اور انسان اور حیوان میں کوئی فرق ہی نظر نہ آئے ۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے :

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ

القصص: 77

ترجمہ: جو مال و دولت اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس ســے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں بھی اپنا حصـــہ فراموش نہ کرو اور لوگوں سے ایسے ہی احسان کرو جیسے اللہ تمہارے ساتھ
بھلائی کی ہے۔ اور ملک میں فساد پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پنجم : ہر دور اور ہر عصر سے مطابقت رکھتی ہے ۔ اسلامی ثقافتی تعلیمات محض زمانہ قدیم ســے تعلق نہیں رکھتی ۔ جیســا کہ بعض نام نہاد مســلمان بھی مغرب کی اندھی تقلید میں کہتے ہیں کہ جب ان کے ســامنے اســلامی اصــول ثقافت وطرز معاشــرت پیش کی جائے تو کہتے ہیں کہ آپ ہمیں پتھر کے دور میں دھکیلنا چاہتے ہیں ۔ اور یہ بات کہتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے اکابر ، اسلاف بلکہ دو جہاں کے سردار جانب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسـلم اسـی دور میں تھے جس دور کو یہ طعن وتشـنیع کا نشـانہ

بناتے ہیں والعیاذ باللہ ۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دور کو سب سے بہترین دور قرار دیا اور فرمایا:
خَيْرُ أُمَّتي قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ،ثُمَّ إنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ ولا يُسْتَشْهَدُونَ، ويَخُونُونَ ولا يُؤْتَمَنُونَ، ويَنْذُرُونَ ولا يَفُونَ، ويَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ
صحيح البخاري:3650
یعنی:میری امت میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے۔ پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے عمران بیان کرتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو مرتبہ قرن فرمایا تھا یا تین مرتبہ۔ پھر ارشاد فرمایا تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو بغیر طلب و خواہش کے گواہی دیں گے۔ وہ خیانت کریں گے اور امین نہ بنائے جائیں گے۔ وہ نذر مانیں گے اور اپنی نذر کو پورا نہ کریں گے اور یہ لوگ بہت فربہ ہوں گے۔
ایک سچے مسلمان کو بلاشک وریب اس بات کو تسلیم کرنا چاہئے کہ سب سے بہترین دور میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور تھا جسے یہ لوگ پتھر سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور وہ دور عقائد ، اخلاق ، اقدار ،عمل، غرض ہر جہت سے اعلیٰ وارفع دور تھا ۔ مگر اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے مراد یہ بھی نہیں کہ آپ مٹی کے گھر بنالیں ، مٹکوں میں پانی پینے لگ جائیں ، لکڑی سے آگ جلائیں ۔ یہ مادی چیزیں ہیں اس میں تطور اور ترقی پر اسلام روک نہیں لگاتا الا کہ اس میں کوئی شرعی محظور نہ پایا جائے ۔ لیکن اسلام نے ہمیں ایسی ثقافت دی ہے جو ایک مثالی ثقافت ہے جو ہر زمانہ اور ہر ماحول سے مطابقت رکھتی ہے ۔
ششم : عالمی ثقافت ہے۔ اسلامی ثقافت کے ابتدائی امتیازات میں ذکر کیا گیاہے کہ یہ ربانی ثقافت ہے جو الٰہ العالمین کی جانب سے متعین کردہ ہے ۔ جس کی مرضی کے بغیر زمین پر پتہ بھی نہیں گرسکتا۔ اس لئے عالم انسانی کی تمام مشکلات کا حل اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں پنہا ہے ۔ جو نہ تو کسی خاص ملک ، نہ کسی خاص قوم وقبیلے کی ثقافت سے لیا گیاہے بلکہ رب اللعالمین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے جس کی نظر میں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر ، سیاہ کو سفید پر اور سفید کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں الا تقویٰ کی بنیاد پر ۔ لہٰذا اسلامی ثقافت ہی وہ واحد ثقافت ہے جس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کسی زمانہ یا علاقے سے تعلق نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ کسی زمانہ یا

علاقے کا اثر قبول کرتی ہے۔ دنیا کا عمومی قاعدہ ہے کہ تہذیبیں آپس میں مل کر ایک دوسرے کا اثر لیتی ہیں لیکن اسلامی ثقافت ایسی نہیں اس کے اصول قواعد اور رہنمائی کے ضابطے چودہ سوسال پہلے بھی وہی تھے اور آج بھی وہی ہیں ۔ لہٰذا اسی بنیاد پر وہ عالمی ثقافت ہے ۔ مغربی ثقافت ایک علاقائی اور قومی ثقافت ہے ،ہندو ثقافت ، چائنی ثقافت یہ سب قومی اور علاقی حدوں تک محدود ہیں جبکہ اسلامی ثقافت ایسی ہے جو ان زماں ومکاں کی حدود سے آزاد ہے جس ملک میں مسلمان پائے جائیں گے وہ اس ثقافت کو اپنائیں گے اور اپنے ماحول سے موافق پائیں گے۔ انہیں وہاں خالص اسلامی ثقافت پر عمل پیرا ہونے میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی ۔

ہماری ثقافت پر اثر انداز ہونے والے بنیادی عوامل

1: تعلیم : تعلیم سے قوموں کے معمار تیار ہوتے ہیں ۔ تعلیمی بنیادوں پر تربیت اور تزکیہ پانے والی قومیں بام عروج کو چھوتی ہیں ۔ مگر ہمارے تعلیمی ماحول کی حالت اب یہ ہوچکی ہےکہ وہاں پڑھنے والا بظاہر مسلم ہوتا ہے لیکن اس کی فکر اور روح غیر مسلموں کی اسیر ہوچکی ہوتی ہے ۔ بقول اقبال :

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خود کو
ہو جائے جو ملائم تو جدھر چاہئے ادھر موڑ

موجودہ تعلیم مادی حوس پیدا کررہی ہے نہ کہ مہذیب وشائستہ قوم ۔ اس کا نظارہ کرناہے تو ہیپی نیوایئر نائٹ ، یا کرکٹ مقابلے میں جیت کے موقع پر ہمارے یونیورسٹی وکالجز کی نوجوان طبقہ بشمول مرد وزن کی حرکات دیکھ لیجئے خود احساس ہوجائے گاکہ جدید تعلیم سے آراستہ قوم کتنی مہذب وشائستہ ہے ۔ ایک عرصہ پہلے ایک خبر الارمنگ نیوز کے طور پر چلائی گئی کہ گرفتار بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان جیسی سنگین نوعیت کی وارداتوں میں ملوث گرفتار 25 ملزمان پوسٹ گریجویٹ ہیں جن میں مکینیکل انجینئرز اور بی ایس سی کمپیوٹر سائنسرز بھی شامل ہیں یہ تمام ملزمان امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں بھوک، بیروزگاری وغیرہ ان کا مسئلہ نہیں۔

ہمارا شُتر بے مہار مادر پدر آزاد نظام تعلیم ہمیں اور کہاں تک لے جائے گا اور کب تعلیم تعلیم کی مالا جپنے والے صاحبان اقتدار و اختیار کو تعلیم کے تربیتی پہلوئوں کی اہمیت کا احساس و ادراک ہو گا۔ جب سے استعمار نے اسلامی سرزمین پر قدم رکھا ہے اس وقت سے مسلمانوں کو بالعموم اور پاک وہند کے مسلمانوں کو بالخصوصایجوکیشن وار کا سامنا ہے یہ جنگ

تعلیم کے ہتھیاروں سے لڑی جا رہی ہے جس میں میڈیا سے لیکر دینی و دنیوی تعلیمی ادارے شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرح خواندگی کے ساتھ ساتھ شرح جرائم میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔
زیرک سامراجی قوتیں جسموں کی قید کی بجائے دل و دماغ اور روحوں کو مقید کرنے کا جال تعلیم کو بنا کر ہمیں شکار کر رہی ہیں۔
آج ہمارا مقصدِ تعلیم نوکری، بزنس یا صرف دنیاوی ترقی ہی رہ گیاہے؟ اور یہ علم ہمیں سانپ بن کرڈس رہاہے؟
'' مغربی افکار و نظریات کا چربہ یہ نظام تعلیم ہمیں مایوسیوں میں دھکیل رہا ہے۔ نظریاتی احساس کمتری کا شکار بنا کر ہماری قومی و ملی اقدار کو نگل رہا ہے لہٰذا ہمیں اپنے علم و دانش کے بہترین ماخذ قرآن و سُنت کی روشنی میں اپنے اسلاف کی مدد سے اپنے نظام تعلیم، نصاب تعلیم کو ارفع اعلیٰ پاکیزہ نظریات سے مزین کر کے بامقصد اور اپنی معاشرتی، قومی علمی اقدار اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہو گا۔ سرکاری تعلیمی اداروں کی بازپُرس اور کامیاب ادارہ بنانے کے ساتھ نجی تعلیمی اداروں
کی سرپرستی اور محاسبہ خصوصاً خالصتاً کاروباری سوچ کے حامل نام نہاد شہرت اور کمپنی کی مشہوری کیلئے بوٹی مافیا، رٹا اور دوسرے اوچھے حربے اختیار کرنے والے تعلیمی اداروں پر کڑی نظر رکھنی ہو گی اس کیلئے علماء کرام ، باشعور والدین اور سول سوسائٹی کو اپنا کردار ادا کرنے کیلئے میدان عمل میں آنا ہو گا۔
ہم ایک زندہ و پائندہ قوم بننے سے قاصر رہیں گے کیونکہ آج کے فرعون کو کالج کی سوجھ گئی ہے شاید اس نے اکبر مرحوم کا یہ شعر پڑھ لیا ہے ... ؎
یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی [7]
2: میڈیا: میڈیا کی رسائی اس وقت ہر گھر تک ہے، اور جس نہج پر اس وقت ہمارا میڈیا کام کر رہا ہے اس کی فتنہ پردازی کسی سے مخفی نہیں ۔ لوگوں کی ذہن سازی اور اور فکری ناہمواری کا سبب میڈیا ہی ہے ۔ بچہ ہو یا نوجوان ، خاتون ہو یا مرد چھوٹا ہو یا بڑا سب فلموں ، ڈراموں ، اور میڈیا پر نمودار ہونے والے نام نہاد دانشوروں کے ترانے پڑھتے ہیں ۔ میڈیا ایک صنعت ہے اور صنعتیں مسیحائی نہیں کرتیں ،یہ اس اصول پر کام کرتاہے کہ سب جائز ہے ۔ اگر معاشرے کی بہتری مقصود ہے تو میڈیا کو لگام دینا ضروی ہے ۔

3 : ادبی کلچر: ہمارا ادبی کلچر بھی زیادہ تر عاشقی ومعشوقی کے سوا نامکمل سمجھا جاتاہے ۔ ناول ، ڈائجسٹ ، روزنامچے سب ہی ایک ڈگر پر چل رہے ہیں ۔
4 : زبان۔ قوم کی زندگی زبان کے بل بوتے پر ہے ۔ ہماری قوم اس وقت مستعار زبان استعمال کر رہی ہے ۔ انگریزی کی اہمیت کو اتنا اجاگر کیا جاچکاہے ہر فرد بغیر اس کے اپنی زندگی کو نامکمل سمجھتا ہے ۔ ہمیں جہاں عربی زبان کو اہمیت دینی چاہئے تھی وہاں انگریزی کو دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام الناس کا تعلق قرآن وحدیث کے بجائے انگریزی ادب سے جڑا ۔ جس سے ان کی عادا وتقالید ہمارے رگ وریشے میں رچ بس گئیں کیونکہ عربی مثل مشہور ہے کہ ’’کل إناء بما فیه ینضح ‘‘ برتن میں جو ہوتاہے اس سے نکلتا بھی وہی کچھ ہے ۔
5 : عورت
[1] مصنف نے یہاں ایک قوم کا ذکر کیا جسے ہم نے بیان کرنامناسب نہ سمجھا جسےلفظ’’لوگ‘‘ میں بدل دیا ہے۔
[2] معالجات شافیہ بحوالہ کتابیں اپنے آباء کی ۔مصنفہ رضا علی عابدی ص 65.66
[3] http://ur.wikipedia.org/
[4] پاکستانی کلچر ، ص 42
[5] بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان از محمد عطاء اللہ صدیقی ص 40
[6] بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان ص 42
[7] http://www.nawaiwaqt.com.pk/mazamine/24-Sep-2013

(17) اسلامی معیشت واقتصاد کے عنوان پر قائم ہونے والے بین الاقوامی سیمینارز،کانفرنسز اور فقہ اسلامی کمیٹیز بین الاقوامی کانفرنسز ، فقہ کمیٹیز

عالم اسلام میں بیداری کی لہر نے ایک طرح سے مسلمانوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے کہ وہ عالمِ حاضر میں پیدا ہونے والی نت نئی تبدیلیوں سے متعلق سوچیں اور ان مسائل میں شرعی حکم تلاش کریں ۔ معیشت واقتصاد بھی ایسا مسئلہ ہے جس میں بہت سے نئے مسائل پیدا ہوچکے ہیں ۔ اور ہو رہے ہیں جو حل کے طالب ہیں ۔

لہٰذا معیشت واقتصاد کے جدید مسائل کی گھتی سلجھانے کیلئے اہل علم نے انفرادی ، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر کاوشیں کی ہیں جس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں ۔ ان کا بیان احوال کچھ یوں ہے ۔

اقتصادومعیشت پر ہونے والے عالمی سیمینارز

نمبرشمار	سال	عنوان	مقام
1	1951	الربا ونزع الملكية (سود اور ملکیت)	پیرس
2	1961	التأمين (انشورنس)	دمشق
3	1967	عام	قاهره
4	1975	عام	تیونس
5	1977	عام	ریاض
6	1976	المصارف الاسلاميه (اسلامی بینکنگ)	ریاض
7	1963مارچ	عام	قاهره

مجمع بحوث اسلامیہ قاھرہ کے زیر سرپرستی منعقد ہونے والے سیمینارز

8 1965مئی المعاملات المصرفیہ واستثمار الأموال فی الاسلام (بینکنگ معاملات اور اسلام میں مال کی فائناسنگ) قاھرہ
9 1966اکتوبر عام قاھرہ
10 1971مارچ عام قاھرہ
11 1972ستمبر الاسس التی تقوم علیہا المصارف التجاریۃ وکیفیۃ التوفیق بینھا وبین الشریعۃ الاسلامیہ وحکم شھادات الاستثمار وودائع صناديق الادخار (تجارتی بینکوں کی بنیادیں ، اور ان کی شریعت سے ہم آہنگی کے طریقے ، فائناسنگ سرٹیفکیٹ کا حکم اوربچت کھاتے اور جمع فنڈ) قاھرہ
12 1977 اکتوبر عام
13 1976 دراسۃ انشاء مراکز ومعاہد متخصصہ فی الاقتصاد الاسلامی ، (اقتصاد اسلامی میں خصوصی مراکز اور معاہد کے قیام کا مطالعہ) مکۃ المکرمۃ
14 1983 المؤتمر العالمی الثانی للاقتصاد الاسلامی (اقتصاد اسلامی کا دوسرا سیمینار) International Union of Islamic Banks پاکستان
15 1399ھ پہلا سیمینار دبئی
16 1983 دوسرا سیمینار کویت
جدید مسائل پر تحقیقات کیلئے قائم اسلامی فقہ اکیڈمیز
رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم ہونے والی مجمع الفقہ الاسلامی جدہ (اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ)جو 1386ھمیں قائم ہوئی اور اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے معاشی ، معاشرتی ، اقتصادی ودیگر اہم موضوعات پر متعدد سیمینارز منعقد کراچکی ہے ۔
اس کے علاوہ مختلف یونیورسٹیز کے تحت مختلف سیمینارز کا انعقاد ہوا جن کی تفصیل کچھ یوں ہے ۔
جامعہ ملک عبد العزیز جدہ کے تحت :(الإستثمار والتمویل)کے عنوان پر 1401ھ میں سیمینار منعقد ہوا ۔
برکہ بینک کے تحت استنبول میں اور مدینہ منورہ میں 1400ھ میں دو سیمینار منعقد کئے گئے ۔
بینک اسلامی کے تحت (ندوۃ الاوراق المالیۃ الاسلامیۃ) کے عنوا ن کے تحت 1407ھ میں جدہ میں سیمینار منعقد ہوا ۔

بینک فیصل اسلامی کے تحت 1404ھ میں (البنوک الإسلامية ودورهافي التنميةالإقتصاديةوالإجتماعية) کے عنوان سے سیمینار منعقد ہوا ۔
مخصوص میگزینز
مجلۃ البنوک الاسلامیۃ یہ مجلہ International Union of Islamic Banks کے تحت شائع ہوتا ہے ۔
مجلۃ النور : جوکہ Kuwait Finance House کی جانب سے جاری کیا جاتا ہے ۔
***مجلۃ الاقتصاد اسلامی یہ بینک دبئی اسلامی کی جانب سے جاری ہوتا ہے ۔**
مجلۃ البحوث الاسلامہ : یہ مجلہ ادارہ عامہ للبحوث والافتاء والدعوۃ والارشاد سعودی عرب ۔
***صلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین**

(18) مصطلحات اسلامی بینکاری

الشیخ عمران فیصل حفظہ اللہ

بینک Bank

بنك

ایسے مالیاتی ادارے کو کہا جاتا ہے جو اپنے صارفین سے جمع شدہ رقوم سے تاجروں ،ضرورت مندوں کو قرض فراہم کرتا ہے اور اس پر سود وصول کرتا ہےاور اپنے کھاتے داروں کو وصول کردہ سود سے کم ادا کرتا ہے ،ادائیگیِ سود کا یہی درمیانی فرق بینک کا منافع ہوتا ہے۔

اسلامی بینک Islamic bank

المصرف الإسلامي أو البنك الإسلامي

ایسا مالیاتی ادارہ جو اپنے معاملات شریعتِ اسلامی کے مطابق انجام دے ،یعنی شرعی احکام کی پاسداری کرے اور حرام امور سے اجتناب کرے۔

قرض Debt

دَينٌ

کسی کی طلب پر اسے مال دینا تاکہ وہ فائدہ اٹھانے کے بعد اسی مقدار میں واپس لوٹا دے۔

سوُد interest

الربا

ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کے لئے وقت ادائیگی مخصوص اضافہ جو بغیر کسی عوض ہو۔

سود کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں : (۱) قرض کا سود ۔ (۲) تجارت کا سود۔

1 قرض کا سود یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو ادھار دے کر زیادہ طلب کرے۔

2 تجارتی سودکی مزیددو اقسام ہیں:

(1) زیادتی کا سود

(ربا الفضل)

(2) ادھار کا سود

(ربا النسیئہ)

(1)زیادتی کا سود یہ ہے کہ وہ مخصوص اجناس جنہیں شرعی اصطلاح میں ''سودی اجناس '' کہتے ہیں میں سے ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کردینا، جیسے مثال کے طور پر :
پانچ تولہ سونا (سکہ کی صورت میں)= چار تولہ سونے کا سیٹ۔
(2)ادھار کا سود : سودی اجناس کا آپس میں تبادلہ کرتے وقت ادھار کرلینا ، جیسے مثال کے طور پر : ایک من گندم = ایک من گندل ایک مہینہ بعد۔

جاری کھاتہ یا مدّرواں Current Account
الحساب الجاري
جاری کھاتہ بینک اور صارف کے درمیان لین دین کے ایک معاہدے کانام ہےجو صارف کے بینک میں رقم بطورحفاظت اور بوقتِ ضرورت نکلوانے کی غرض سےجمع کرانے پر شروع ہوتا ہے۔صارف پر رقم نکلوانے کے حوالہ سے کوئی پابندی نہیں ہوتی، مزید بر آں اکاونٹ میں رکھی جانے والی رقم پر کسی قسم کا سود اور منافع اد انہیں کیا جاتا۔

مضاربہ Mudharaba
المضاربة:
مضاربہ ایسے معاہدے کا نام ہے جس میں سرمایہ کار جسے ''ربُّ المال'' کہا جاتا ہے وہ عامل جسے
مضارب کہتے ہیں کومال مہیا کرتا ہے، مضارب اس مال سے تجارت کرتا ہے اور منافع میں دونوں متفقہ تناسب سے شریک ہوتے ہیں،نقصان کی صورت میں مالی خسارہ رب المال کاہوتا ہےعامل پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہوتی البتہ اس کی طرف سے کوتاہی کی صورت میں اسے مالی خسارہ میں شامل ہونا پڑے گا۔اسلامی بینک بعض صورتوں میں مضارب ہوتا ہے، بعض صورتوں میں عامل۔

مشارکہ Musharakah
المشاركة:
ایسا مشترکہ کاروبار جس کے تمام شرکاء نفع میں متفقہ تناسب سےحصہ دار ہوں،اور نقصان میں شراکت داری کے تناسب سے حصہ دار ہوں۔اسلامی بینکوں میں مشارکہ کی بنیاد پر Cirtifalesدئیے جاتے ہیں

بچت کھاتہ Saving Account

حساب التوفیر:
اس میں ماہانہ یا طے شــدہ میعاد پر رقم جمع کرائی جا ســکتی ہےاورانہی طے شدہ بنیادوں پر منافع بھی دیا جاتا ہے،اس کھاتے سےرقم نکلوانے پر عموماً مختلف پابندیاں ہوتی ہیں.اسلامی بینکوں میں بچت کھاتہ مضاربہ کی بنیاد پر کھولا جاتا ہے.

فکسڈ ڈپازٹ Fixed Deposit
ودائع الثابتة :
اس کھاتہ میں مدت طے کی جاتی ہےاوراس میں مقررہ مدت ســے پہلےرقم واپس نہیں لی جا ســکتی اس کھاتے میں منافع کی شــرح مدت کے حســاب سے طے کی جاتی ہے اور طے شدہ مدت پر ہی بینک منافع اداکرتا ہے.

سرمایہ کاری Investment
إستثمار:
کسی بھی قسم کے کاروبار میں منافع حاصل کرنے کی نیت سے پیسہ لگانا ،مثلاً مضاربہ، مشارکہ وغیرہ.

سرمایہ داری Finance
التمویل:
روز مرہ کاروباری ضروریات کیلئے قرضے جاری کرنا.اسلامی بینکوں میں یہ سرمایہ کاری مرابحہ، اجارہ، مشارکہ، متناقصہ، سلم اور استصناع کی بنیاد پر کی جاتی ہے.

مرابحہ Murabaha
المرابحة:
اصل قیمت پر متعین منافع کے ساتھ خریدار کو آگاہ کر کے فروخت کرنا.

اجارہ Ijara
الإجارة:
اجارہ ســـے مراد ایســـا معاہد ہ ہے جس میں ایک متعین چیز یا اس کے مخصـــوص فائدہ کو ایک مقررہ مدت تک کســـی معلوم عوض کے بدلہ دیا جائے ، یا کسی عمل کے بدلہ اجرت دی جائے.

کرایہ داری Leas
استئجار :
مختلف اشیاء کو کرایہ پر دینا،جیسے آٹو لیزنگ میں گاڑی وغیرہ کرائے پر دی جاتی ہے۔

Hire & Purchase
الإجارة المنتهية بالتمليک
کرایہ کا ایسا معاہد ہ جس کے آخر میں چیز کی ملکیت کرائے دار کو منتقل ہوجائے، جیسےAuto leasing کا معاہدہ وغیرہ۔
Diminishing Musharaka
المشاركة المتناقصة
ایسی کاروباری شراکت جس میں ایک شریک دوسرے کو اپنا حصہ وقفے وقفے سے فروخت کرتا رہے اور آخر میں خریدار مکمل اثاثے کا مالک بن جائے۔

Tawarruq
التوّرق
آدمی کوئی چیز ادھار خریدے اور پھر کسی اور کو کم قیمت پر نقداًفروخت کر دے تاکہ نقد رقم حاصل کرسکے۔

Salam :
سلم , سلف
خرید وفروخت کی وہ قسم جس میں قیمت تو نقد ادا کر دی جائے مگر فروخت کی جانے والی چیز ایک مدت معینہ کے بعد مہیا کی جائے۔

استصناع Manufacturing Contract
إستصناع:
آرڈر پر کوئی چیز تیار کرانا۔

خطاب الأعتماد : Letter of Credit , LC
اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جو درآمد کنندہ Importer کا بینک برآمد کنندہ Exporter کے بینک کو جاری کرتا ہے اس میں بینک برآمد کنندہ کو یقین

دلاتا ہے کہ وہ درآمد کنندہ کے نام جو بل جاری کرے گا اسکی ادائیگی کر دی جائے گی پھر درآمد کنندہ سے سود سمیت وصول کرتا ہے۔

ہنڈی Bill of Exchange

حوالة:

اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جس میں فروخت کنندہ یا قرض خواہ خریدار یا مقروض سے کہتا ہے کہ رقم اسے یا کسی اور معین شخص کو ادا کر دے۔

پے آرڈر Draft , Pay Order

السحب:

ایک شخص ((Drawerدوسرے مخصوص شخص یا ادارے ((Draweeکو پابند کرے کہ وہ ((Beneficiaryمخصوص شخص یا ادارےکو رقم ادا کرے۔

چیک Check

شيك :

اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جسے کھاتہ دار بینک سے رقم نکلوانے کے لئے استعمال کرتاہے۔

کریڈٹ کارڈ Credit Card

بطاقة الإعتماد :

قرض اور اعتماد کا مخصوص کارڈ جو کسی بینک کی طرف سے کسی مخصوص شخص کے نام اسکے مطالبے پرجاری کیا جاتا ہے جس سے وہ ضروریات کیلئے کچھ خرید سکے یا نقد رقم حاصل کر سکے۔

ڈیبٹ کارڈ Debit Card

بطاقة الحسم الفوري :

ایسا کارڈ جسے بینک اپنے کھاتہ دار کی سہولت کیلئے فراہمکرتا ہے تاکہ وہ اپنے کھاتہ میں موجود رقم سے کچھ خرید سکے یا نقد رقم حاصل کر سکے۔

انشورنس Insurance

تأمين:

ایسا معاملہ جس میں کوئی شخص یا ادارہ اپنے صارف کو یہ ضمانت دے کہ مستقبل میں پیش آنے والے ممکنہ خطرات کے نقصان کی تلافی کرے گا۔

لین دین Transection
الصفقة:
قیمتوں کو پیسوں کے بدلے ادا کرنا ،یا کسی تجارتی ادارے کی مالیاتی سرگرمیاں وغیرہ۔
وصلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین

(19) کیا علامہ وحید الزمان کے تفردات کی بنا پر مسلک اہل حدیث پر اعتراض کیا جاسکتاہے ؟

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ

سوال : مولاناوحیدالزمان کے بارےمیں معروف ہےکہ وہ اہل حدیث تھےاور بعض مسائل ان کی کتب کے حوالے سے بیان کیےجاتے ہیں جوظاہراً بالکل غلط ہیں،کیان مسائل کی وجہ سے مسلک اہل حدیث پراعتراض کیاجاسکتاہے؟

الجواب: برصغیرپاک وہند میں جوطبقہ '' اہل حدیث'' کےنام سے معروف ہے،ان کانظریہ ہےکہ عقائدواعمال میں جوعقیدہ یاعمل قرآن مقدس یاحدیث سے ثابت ہےاسے اپنایاجائے،چاہےوہ مجتہدین امت میں سے کسی کےعقیدہ یاعمل کےمطابق ہویامخالف.جبکہ قرآن وحدیث کے فہم میں وہ اوائل امت صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کےفہم کوترجیح دیتےہیں.اورہرقسم کے مسائل میں ان کامستدل قرآن وحدیث ہوتاہےصراحۃً مذکورہویااشارۃً،ایماءً ہویااقتضاءً.

جیساکہ امام بخاری رحمہ اللہ نےاپنی عظیم کتاب ''الجامع الصحیح'' میں اس کی ترویج کی ہے.

مولاناوحیدالزمان کے تحریرکردہ بعض مسائل اگرواضح طور پرغلط ہیں تواہل حدیث کے مسلک ومعیار کے مطابق بھی غلط ہیں اہل حدیث کوان مسائل کی وجہ سے مطعون قراردیناقرین انصاف نہیں ہے.

مسلک اہل حدیث کے حوالےسے ان کے مسلک کی توضیح کےلیے مولاناابراہیم میرسیالکوٹی، مولانامحمداسماعیل سلفی،مولاناپیربدیع الدین شاہ راشدی،مولاناحافظ زبیرعلی زئی رحمہم اللہ کی کتب کامطالعہ کیاجائے.

مولاناوحیدالزمان رحمہ اللہ جیدعالم دین تھے اورلغت عرب پر انہیں مکمل دسترس حاصل تھی جیساکہ ان کے تراجم قرآن وکتب احادیث و فقہ سے واضح ہوتاہے،البتہ ان کے بیان کردہ کسی بھی مسئلہ کی ذمہ داری اہل حدیث مکتب فکرپرنہیں ہے،وہ حنفی گھرانے کے ایک فردتھے ،اسی ماحول میں انہوں نے نشو ونما پائی ہے اوراسی بنیادپرانہوں نے کتب فقہ حنفیہ کے اردو ترجمے کیے، بلکہ ابتداءً وہ فقہی معاملہ میں غالی حنفی تھے.ایک حنفی عالم مولانا عبدالحلیم چشتی لکھتےہیں:'' مولانا وحیدالزمان کاخاندان چونکہ حنفی تھا اس لیے اوائل عمر میں مولانا کوحنفی مسلک سے بڑا شغف رہایہی وجہ ہے کہ شیخ مسیح الزمان کے ایماء سے جس کتاب کا پہلے ترجمہ کیا وہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''شرح الوقایہ''

تھی۔تعلیم سے فراغت کے بعد حیدرآباد دکن میں اس کی اردو میں مبسوط شرح لکھی،جس میں غیرمقلدین کے تمام اعتراضات کا تاروپود بکھیرا اور مسلک احناف کو نہایت محکم دلائل سے ثابت کیاہے،اوراسی غرض سے اصول فقہ کی مشہور کتاب ''نورالانوار'' کی حدیثوں کی تخریج پرایک رسالہ لکھاجس میں بتایاہے کہ اصول فقہ کادارومدار حدیث پرہےمحض قیاس پرنہیں ہے۔

عقائد میں بھی ماتریدی تھے چنانچہ علامہ تفتازانی کی ''شرح العقائدالنسفیہ'' کی احادیث کی تخریج کی مگربعدمیں آپ کے برادربزرگ مولانابدیع الزمان کی صحبت اورحدیث کی کتابوں کے ترجمہ کی وجہ سے غیرمقلدبن گئے''۔

حنفی مسلک توانہوں نےترک کردیامگر ترک تقلید کے نتیجے میں وہ اس روش پہ قائم نہ رہ سکے جو فقہاء اہل حدیث کا طرہ امتیاز ہے ، چشتی صاحب تحریر فرماتے ہیں :'' آپ نے جب ''ھدیۃ المہدی ''تألیف کی تو اہل حدیث میں مخالفت کی ایک عام لہر دوڑ گئی ، ان کو ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم نے ''ھدیۃ المہدی'' لکھی ہے تو اہل حدیث کا ایک بڑا گروہ جیسے مولوی شمس الحق مرحوم عظیم آبادی ، مولوی محمد حسین لاہوری ، مولوی عبد اللہ غازی پوری ، مولوی فقیر اللہ پنجابی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری وغیرہم تم سے بد دل ہوگئے ہیں اور عامہ اہل حدیث کا اعتقاد تم سے جاتارہا ''۔ أھ

مولانا وحید الزمان نے اپنے دوست کو اپنے انداز میں جواب تحریر کردیا۔ البتہ اس سے یہ واضح ہوگیاہے کہ مولانا کے زمانہ میں ہی ان کے بیان کردہ بعض مسائل کو اہل حدیث کی ترجمانی کرنے والے عظماء نے قبول نہیں فرمایا جس کے نتیجے میں عام اہل حدیث نے بھی ان کی فکر کو قبول نہیں کیا تھا ، بلکہ مسترد کردیا ۔ بالخصوص متعدد اہم ترین مسائل کے حوالے سے ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین محدثین عظام اور اہل سنت کے تقریباً سب ہی مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ قرآن مقدس کی آیات مبارکہ کی ترتیب توقیفی ہے یعنی رسول اللہﷺنے خود آیات مبارکہ کی ترتیب ارشاد فرمائی اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق تھی۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا وعدہ ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

الحجر -9

ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

اسی ترتیب پر رسول اللہ ﷺنے جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا اور صحابہ کرام کو حفظ کرایا، اسی ترتیب پر وہ قرأت کرتے رہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، سوا ئے شیعہ کے .ان کا کہنا ہے کہ قرآن مقدس کی آیات میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے اور بعض آیات موجودہ قرآن مقدس سے ہٹا دی گئی ہیں !جیسا کہ اصول کافی اور تحریف کلام رب الارباب وغیرہ کتب اثنا عشریہ میں مرقوم ہے۔ اور یہ نظریہ درست نہیں جبکہ مولانا وحید الزمان رحمہ اللہ بھی اس نظریے کے قائل ہیں آیت تطہیر کی تفسیر میں لکھتے ہیں : ـــ'' ایک جماعت محققین نے اس مذہب کو ترجیح دی ہے کہ آیت میں آپ کی بیبیاں اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور حسن اور حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین سب داخل ہیں اور بعضوں نے اس کو خاص رکھا ہے نسبی گھر والوں سے یعنی حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور حسن اور حسین سے۔

مترجم کہتاہے صحیح مرفوع حدیثیں اس کی تائید کرتی ہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نےخود بیان کردیا ہے کہ میرے گھر والے یہ لوگ ہیں تو اس کا قبول کرنا واجب ہے اور ایک قرینہ اس کا یہ ہے کہ اس آیت کے اول اور آخر جمع مؤنث حاضر سے خطاب ہےاور اس میں جمع مذکر کی ضمیرسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان آیتوں کے بیچ میں رکھ دی گئی ہے جن میں ازواج مطہرات سے خطاب تھا او ر صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے ایسا کیا '' اھ

مولانا کو اس جگہ کئی ٹھوکریں لگی ہیں۔

اولاً:رسول اللہﷺکا فرمانا :

اللھم ھؤلاءأھل بیتی فأذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا

یعنی اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس ہٹا اور انہیں پاک کردے۔

اس سے انھوں نے سمجھا کہ آیت تطہیر کو نسبی گھر والوں کے ساتھ مختص فرما رہے ہیں حالانکہ آپ نے دعا کہ طور پر ان کو شامل کئے جانے کی اللہ جل مجدہ سے عرض کی۔ جس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنھا نے جب فرمایا کہ میں بھی ان میں آجاؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أنت علی مکانک وأنت إلی خیر

تو اپنی جگہ ہے اور تو بہتری میں ہے۔(کہ یہ آیت نازل ہی تمہارے لئے ہوئی ہے)

ثانیاً: مولانا کو جمع مذکر کے تخاطب سے مغالطہ ہوا جبکہ قرآن مقدس میں جمع مذکرکے ساتھ عورتوں کو مخاطب کرنا ثابت ہے۔ سورۃ طہٰ، آیت:10 میں ہے:

فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا

طٰه – 10

یعنی(موسی علیہ السلام)نے اپنی بیوی کو کہا تم ٹھہرومیں آگ دیکھ رہا ہوں"۔

اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ کو ملائکہ نے خطاب کیا سورہ ہود آیت ۷۳ میں ہے

قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ

هود – 73

یعنی " اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہو اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں وہ تعریف والا ، بزرگی والا ہے" ۔

اس طرح احادیث مبارکہ میں ہےکہ رسول اللہﷺنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جمع مذکر کے لفظ سے تخاطب فرمایا۔ نیز کلام عرب میں بھی عورت کو جمع مذکر سے تخاطب عام ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ایک حماسی شاعر کہتاہے۔

لاتحسبی أنی تخشعت بعدکم

لہذا مولانا وحید الزمان کا یہ فرمانا کہ " شاید صحابہ نے اپنے اجتہاد سے ایسا کیا" باطل اور غلط ہے۔ أعاذنا اللہ عنہ

(2) اہل سنت کے تمام مکاتب فکر اس پر بھی متفق ہیں کہ صحابہ کرام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ شان و مرتبت میں سب سے افضل ہیں ان کے بعد سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنهم۔ تفصیل کےلیے دیکھیے امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب " تفضیل شیخین" مگر اس کے برعکس مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:" اس مسئلہ میں قدیم سے اختلاف چلا آیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں میں کون افضل ہیں، لیکن شیخین کو اکثر اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس پر بھی کوئی دلیل قطعی نہیں ملتی " ۔

(3)سیدنامعاویہ رضی اللہ عنہ کاشمار کاتبین وحی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں ہوتاہے،فتح مکہ کے موقع پرایمان لائے اورپھرپوری زندگی خدمات اسلام میں گزاری،امت کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

کے عادل ہونےکا اجماع ہےکہ قرآن مقدس میں فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے اور بعدازاں اسلام قبول کرنےوالوں سے '' حسنیٰ'' وعدہ کیاگیاہے،نیزرسول اللہﷺنے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کےلیے دعافرمائی:

اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا

اورسیدناحسن رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ صلح کرکے ان کے ہاتھ پربیعت کی اور دومسلمان جماعتوں کے مابین مصالحت کے اعزاز سے نوازے گئے۔اورانہی کے دورمیں سمندری غزوات کی ابتدا ہوئی۔

ان اعزازات کے باوجود مولاناوحیدالزمان لکھتےہیں:'' ایک سچے مسلمان کا جس میں ذرہ برابر بھی پیغمبرصاحب کی محبت ہودل یہ گوارا کرےگاکہ وہ معاویہ کی تعریف وتوصیف کرے،البتہ ہم اہل سنت کایہ طریق ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین سے سکوت کرتےہیں، معاویہ سےبھی سکوت کرنا ہمارا مذہب ہے اوریہی اسلم اورقرینِ احتیاط ہے مگران کی نسبت کلماتِ تعظیم مثل حضرت، ورضی اللہ عنہ کہناسخت دلیری اور بے باکی ہے،اللہ محفوظ رکھے''۔

جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے بارے فرماتاہے:

أُولَـٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّـهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَـٰئِكَ حِزْبُ اللَّـهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّـهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

المجادلۃ – 22

یعنی ''ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کردیاہےاوراس کی طرف سے روح کی تائیدانہیں حاصل ہے،انہیں باغات میں داخل کرے گاجن میں نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہاکریں گے،اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ہیں یہ لوگ اللہ کی جماعت ہیں اوریاد رکھو اللہ کی جماعت ہی کامیاب رہےگی''۔درحقیقت سیدنامعاویہ رضی اللہ عنہ کے بارےمولاناکایہ فرمانا ہی بہت بڑی بےباکی اورسخت دلیری ہے۔ سیدنا عمروبن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے بھی صاحب موصوف کے خیالات درست نہیں ہیں۔جبکہ اہل حدیث تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے بارے قرآن مقدس اوراحادیث مبارکہ کی مطابقت میں رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کاعقیدہ رکھتے ہیں اورانہیں امت میں سب سے افضل قرار دیتےہیں۔مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین میں اعتدال کاراستہ اپناتےہیں۔تفصیل کےلیے مطالعہ فرمائیے ''العواصم من القواصم'' اورامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب''منہاج السنہ''۔

جبکہ مولاناصاحب اعتدال کےاس راستہ سے ہٹ گئے ہیں۔بناءبریں ان کی آراء چاہے عقائد کے حوالہ سے ہوں یافقہی مسائل کے بارےمیں، ان کاذاتی خیال قراردیاجائےگا۔ان کے یہ فرمودات فکراہل حدیث کی ترجمانی نہیں قراردیےجاسکتے اورنہ ہی وہ خود ایساسمجھتےتھے۔

(20) معیشت واقتصاد پر لکھی جانے والی کتب کا تعارف ؟

الشیخ حافظ محمد یونس اثری حفظہ اللہ

شروع ہی سے کتب بینی اور مطالعہ کتب اہل علم کاخاص مشغلہ رہا ہے .اور کتاب ایک عظیم ساتھی اور دوست کی حیثیت بھی رکھتی ہے ، اسی لئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے .

أعزّ مكانٍ في الدّنيا سَرْجُ سابحٍ
وخَيرُ جليسٍ في الزَّمانِ كِتابُ

اسی لئے ذیل میں معیشت کےمختلف موضوعات سے متعلق بعض کتب کا تعارف پیش کیا جارہا ہے ، تاکہ ذوق مطالعہ رکھنے والے احباب ان کتب سے بھرپور استفادہ کریں۔

دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم

مؤلف : حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ

تعارف مؤلف :موصوف انتہائی جید عالم دین ہیں

اورابو ہریرہ شریعہ کالج لاہور کے شیخ الحدیث ہیں .

تعارف کتاب :

یہ کتاب انتہائی اہم اور جامع ترین کتاب ہے . اصلاً یہ کتاب موصوف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً ہفت روزہ ’’الاعتصام ‘‘ اور بعض دیگر جرائد میں شائع ہوتے رہے، پھر اسےکچھ حک و اضافہ کے بعد کتابی شکل میں شائع کردیا گیا .مصنف کا عمدہ طرز تحریر یہ ہے کہ کسی بھی موضوع کو قرآن و سنت سے ثابت کرتے ہیں ،اور اس حوالے سے موجود اختلاف کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ طرفین کے دلائل کا بھی جائزہ لیتے ہوئے راجح مؤقف کی وضاحت کرتے ہیں ،اور اس مؤقف کی مزید تائید کے لئے اقوال سلف و خلف بھی ذکر کرتے ہیں .عرب علماء کی تحقیقات کو بھی شامل حال رکھتے ہیں، اور ہر باب کے اختتام پربحث کا خلاصہ بھی ذکر کرتے ہیں .

مذکورہ کتاب کو 6 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے .جن کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے .

پہلا باب :

اسلام اور جدید مسائل کے نام سے موسوم ہے .مصنف نے اس باب کے تحت اسلام کی خصوصیات مثلاًعالم گیریت ،ابدیت ، جامعیت اور ہمہ گیریت کو بیان کرتے ہوئے معیشت کے حوالے سے اسلام پر بعض شبہات کا جواب بھی دیا ہے .

دوسرا باب :
مالی معاملات کے بنیادی اصول کے نام سے موسوم ہے .اس باب میں بڑی جامعیت کے ساتھ اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ جس چیز سے شرعی طور پر فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہو اور وہ انسان کی ملکیت و قبضہ میں ہو دو اصولوں کی پابندی کے ساتھ اس کا دوسرے کے ساتھ معاملہ کیا جا سکتا ہے۔
(1)سود اور اس کی اقسام(اس اصول کی پابندی پر بھی بحث کرتے ہوئے)اس کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے۔
(2)غرر(دھوکہ) (اس اصول کی پابندی پر بھی بحث کرتے ہوئے) اس کی وجہ سے شرعاً ممنوع بیوع کا بھی
تذکرہ ہے اورساتھ ہی مشکوک معاملات سے پرہیزکرنے پر بھی زور دیا گیا ہے .
تیسرا باب :
مروجہ معاملات کی تفصیل ، اس باب میں مصنف نے کریڈٹ کارڈ ،چارج کارڈ ، ڈیبٹ کارڈ ، انشورنس اور اس کی تمام مشہور مروج اقسام ،لیزنگ ، شیئرز ،فیوچر سیل ،شارٹ سیل ،بدلہ ((carey over،کاروباری دستاویز ،کرنسی ،ہنڈی، پرامیسری نوٹ ،چیک ،پگڑی ،قسطوں کا کاروبار اوردیگر اہم موضوعات پر گفتگو کی ہے .جہاں اختلاف ہے وہاں طرفین کے دلائل کو بیان کرتے ہوئے راجح مؤقف کی نشاندہی اور اس کی تائید میں اقوال سلف و خلف کا بھی بھرپور سہارا لیا ہے .
چوتھا باب :
اسلامی بینکاری کی حقیقت ، اس باب میں اسلامی بینکاری کا مفہوم، اس کی تاریخ اور اس کی شرعی حیثیت کوبیان کیا گیا ہے ،اس باب میں دلائل سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ موجودہ اسلامی بینکنگ، اسلامی اصول معیشت کے خلاف ہے،نیز مدلل گفتگو سے موجودہ اسلامی بینکوں کی حقیقت اور ان کےمروجہ طریقہ کی حقیقت اور غیر اسلامی ہونا ثابت کیا گیا ہے .
پانچواں باب :
تکافل :مروجہ اسلامی انشورنس ،اس باب میں اسلامی تکافل کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مروجہ تکافل جسے اسلامی انشورنس کا نام بھی دیا جاتا ہے کی شرعی حیثیت ،اقسام اور اس میں موجود قباحتوں کو بیان کیا گیا ہے .اور بعض تاویلات اور شبہات کا بھی جواب دیا ہے .
چھٹا باب :

قرض اور اس سے متعلق مسائل مثلاً مکان گروی رکھنا نیز قرض اور دین (Debt) میں فرق اور اس ضمن میں اس موضوع کو بھی واضح کردیا گیا ہے کہ اگر نوٹ کی قوت خرید میں جو کمی آتی ہے کیا قرض واپس کرتے وقت وہ کمی بھی ادا کی جائیگی یا یہ سود شمار ہوگی۔ اس حوالے سے راجح مؤقف کی بھی وضاحت کردی گئی ہے ۔

اسلام میں دولت کے مصارف

مصنف : مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ

تعارف مصنف :مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ مسلک اہلحدیث کی ایک عظیم شخصیت اورجہاندیدہ علماء میں سے تھے اور یہ عظیم شخصیت 1995 میں اس فانی دنیا سے رخصت ہوگئی۔ مگر آپ کی تصانیف آج بھی ہر خاص و عام کے لئے انتہائی

مفید ہیں جن میں آپ کی چارجلدونپرمشتمل قرآن مجید کی تفسیر بنام تیسیر القرآن، مترادفات القرآن، آئینہ پرویزیت ، خلافت و جمہوریت ، شریعت و طریقت ، احکام ستر و حجاب ، محمد رسول اللہ پیکر صبر و ثبات ، احکام تجارت اور لین دین کے مسائل اور مذکورہ کتاب اسلام میں دولت کے مصارف معروف ہیں ۔

تعارف کتاب :مذکورہ کتاب اپنے موضوع پر لکھی گئی ایک عظیم کتاب ہے جو اپنے اندر ایک عظیم شخصیت کی مدلّل تحریر کو سموئے ہوئے ہے۔

اس کتاب میں فریقین کے دلائل کا کتاب و سنت کی روشنی میں موازنہ کرکے یہ واضح کیا گیا ہے کہ فاضل دولت اگر جائز ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟اور مزارعت کے جائز اور ناجائز ہونے کی صورتیں اس کتاب کا خاص موضوع ہیں ۔

یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے ۔

پہلے باب میں شرعی احکام کی حکمت کو نماز و زکوٰۃ کی مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔

دوسرے باب میں اسلام میں فاضل دولت یا اکتناز کی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے اور اس حوالے سے اکتنازِ دولت کے قائلین کے دلائل، اسی طرح عدم جواز کے حاملین کے دلائل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے ۔

تیسرے باب میں مزارعت ،اس کے جواز اور عدم جواز اور ان کے دلائل کا موازنہ بھی کیا گیا ہے ۔

آخر میں ایک ضمیمہ ہے جو'' اسلامی نظام معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کا مقام'' کے موضوع پر مشتمل ہے ۔

احکام تجارت اور لین دین کے مسائل

مصنف : مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ
تعارف کتاب : دراصل مصنف کی سب سے پہلی تصنیف اسلام میں ضابطہ تجارت ہے ۔پھر اہل علم کے اصـــراراور اس کتاب میں موجود بعض اجمالی بحوث مینتفصیل کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے دوسرےایڈیشن کو شائع کرتے وقت ان مباحث کی تفصیل کی جانب توجہ دی گئی
اور ساتھ ہی مصنف کے بعض رسائل میں معیشت کے حوالے سے شائع ہونے والے مختلف مضـامین کو بھی اس کتاب میں شـامل کرلیا گیا ،پھر یہ کتاب احکام تجارت اور لین دین کے مسائل کے نام سے منظر عام پر آئی۔اور مدلّل گفتگو سے مزین مختلف عناوین اس کتاب کی پذیرائی کا سبب بنے ۔
اس کتاب کا پہلا باب: خود غرضی اور ایثار ، دوسرا باب :بیع مبرور (شرعی پابندیوں کوملحوظ خاطر رکھ کر کی جانے والی بیع)تیســـرا باب :ناجائز ذرائع آمدنی مثلاً مے فروشی ،میسر یا قمار بازی اور اس کی نئی اقسام، بت فروشی اور مصوری ،پیشین گوئی کرنے والے علم غیب سے متعلقہ علوم کی کمائی ،فحاشـی کے کاروبار، حرام اور مردار جانوروں کی بیع ،نیز دیگر بیوع کو بیان کیا گیا ہے ۔چوتھا باب: ذخیرہ اندوزی، کنٹرول، سٹہ بازی اور بلیک مارکیٹنگ ،پانچواں باب: سود ،چھٹا باب: سود اور اس کی اقسام اور مختلف شـکلوں کے بیان پر مشـتمل ہے۔ اس باب میں بعض ابتدائی اسـلامی بینکوں کو غیر سودی سمجھ کر ان کی مدح سرائی کی گئی ہے ۔
ساتواں باب: اقسام تجارت اور تجارتی اصطلاحات کے حوالے سے ہے ۔
آٹھواں باب: تجارت اور سودے بازی کے حوالے سے مسائل اور احکام پر مبنی ہے ۔ نواں باب :زمین اور اس کے متعلق مسـائل کے حوالے سے ہے ۔دسواں باب :مالک اور مزدور کے مسائل پر مشتمل ہے ۔گیارھویں باب :میں قرض، رہن،دیوالیہ اور ترقی کے احکام کو بیان کیا گیا ہے ۔بارہویں باب: میں لین دین کے دیگر متفرق مسائل کو بیان کیا گیا ہے ، تیرھویں باب :میں زکوٰۃ و صـــدقات ،چودھویں باب :میں محل زکوٰۃ اشـــیاء اور شـــرح زکوٰۃ اورپندرھواں باب :احکام وراثت پر مشتمل ہے ۔
بہرحال معیشـت کے حوالے سـے انتہائی جامع اور مدلّل کتاب ہے جس میں بڑے محققانہ انداز میں مسـائل کا حل اور معیشـت کے حوالے سـے شـرعی رہنمائی کی گئی ہے ۔
قرض کے فضائل و مسائل
مصنف :پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی حفظہ اللہ
تعارف مصـنف : پروفیسـر ڈاکٹر فضـل الہی حفظہ اللہ مسـلک اہل حدیث کی عظیم شـخصـیات میں سـے ہیں ،آپ علامہ احسـان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کے

بڑے بھائی ہیں .جامعہ محمد بن سعود سے آپ نے پی ایچ ڈی کی ، اور اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ اصول دین کے ایک عرصہ تک چیئرمین رہے .

تعارف کتاب : آپ کا طرز تحریر مدلّل اور محققانہ ہےآپ کی تحریریں فہم سلف صالحین کی روشنی میں تفہیم مسائل سے مزین نظر آتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب قرآنی آیات اور اس کی مزید توضیح کے لئے مفسرین کے اقوال ،احادیث اور اس کی مزید تشریح کے لئے شارحین کے اقوال ذکر کرتے ہیں . ان کتابوں کی علمیت و افادیت کو محسوس کرتے ہوئے کئی مدارس میں فارغ التحصیل طلبہ کو آپ کی کتب کا سیٹ ہدیۃًدیا جاتا ہے .

معیشت کے موضوعات میں سے ایک موضوع قرض بھی ہے ،مذکورہ کتاب اس باب میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے .اس کتاب میں بالتفصیل قرض کے فضائل و مسائل کو بیان کیا گیا ہے .

مذکورہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے .

مبحث اول قرض اور اس کی شرعی حیثیت پر مشتمل ہے .مبحث دوم میں قرض دینے کی ترغیب اور مقروض کے ساتھ حسن معاملہ کی فضیلت و اہمیت کو روایات و آثارکی روشنی میں بیان کیا گیا ہے .

مبحث سوم میں ادائیگی قرض کے فضائل،ترغیب، ادائیگی قرض کے لئے قبل ازوقت تیاری ، نیز اس حوالے

سے مسنون دعاؤں کو بیان کیا گیا ہے .

مبحث چہارم میں قرض کی واپسی کے لئے قانونی اقدامات کی حیثیت ،پھر ان اقدامات کو دو اقسام میں منقسم کیا گیا ہے وہ اقدامات جو شخصی اثرات رکھتے ہیں اوروہ جو مالی اثرات رکھتے ہیں .

مبحث پنجم میں ادائیگی قرض کو یقینی بنانے کے لئے بعض تدبیریں مثلاً کسی کو ضامن بنانا ، حوالہ قرض کو بیان کیا گیا ہے .

مبحث ششم میں احادیث کی روشنی میںنادار مقروض کی اعانت و مدد پر زور دیا گیا ہے .اور اس حوالے سے زیادہ کون ذمہ دار ہیں ؟یہ مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے .

مبحث ہفتم میں ادائیگی قرض میں تاخیر پر جرمانہ لینا اور مقروض پر ادائیگی میں تاخیر کے بقدر قرض دینے کی پابندی کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے .

مبحث ہشتم قرض کے ساتھ شرط لگانا مثلاًکسی چیز کی خرید و فروخت کی شرط ،قرض کے ساتھ کرایہ کا لین دین کرنا قرض میں دی ہوئی چیز سے

اعلیٰ یا زیادہ کی واپسی کی شرط لگانااسی طرح دیگر شرائط کا لگانا کیسا ہے؟ اسے شرعی دلائل کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے ۔
مبحث نہم میں قرض کی زکوٰۃ کے مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔
مبحث دہم میں بنک کارڈز مثلاً ڈیبٹ کارڈ ،کریڈٹ کارڈ ، چارج کارڈ اور ان کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے ۔

سود اور اس کے احکام و مسائل

مصنف :ڈاکٹر فضل الرحمن مدنیحفظہ اللہ

موصوف جامعہ محمدیہ (مالیگاؤں ،انڈیا) میں شیخ الحدیث ہیں۔ سعودی عرب سے انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور فقہ اکیڈمی جدہ کے رکن ہیں ۔

تعارف کتاب :مصنف کا تعلق انڈیا سے ہے اور اصلاً یہ کتاب انڈیا ہی سے شائع ہوئی پھر پاکستان میں ڈاکٹر صاحب کی خصوصی اجازت سے مکتبہ قدوسیہ نے اسے2006ءمیں شائع کیا ۔
یہ کتاب اصلاً چار چیزوں کا مجموعہ ہے ۔مصنف کا مقالہ جو ماہنامہ صوت الحق میں بنام ’’ہندوستان میں سود کا حکم‘‘ کے نام سے شائع ہوا۔ پھر بعد میں ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوا ۔اور پھر اسے مذکورہ کتاب میں شامل کرلیا گیا ۔اسی طرح مصنف کا ایک خطاب بنام سود کی حرمت و مذمت کے عنوان پر تھا اسے بھی ضروری کمی و بیشی کے ساتھ اس کتاب میں شامل کرلیا گیا ۔اسی طرح ایک پروگرام میں ہونے والے سوالات و جوابات کو بھی کیسٹ سے نقل کرکے ضروری کمی و بیشی کے ساتھ شامل کیا گیا اسی طرح وہ فتاوی جو جامعہ محمدیہ منسورہ مالیگاؤں سے تحریراً جاری ہوئے وہ بھی اس کتاب کا حصہ ہیں ۔

500سوال و جواب برائے خرید و فروخت

لاصحاب الفضیلۃ :العلامۃ ابن باز ، العلامۃ العثیمین،صالح الفوزان ، سعودی فتوی کمیٹی

مترجم :پروفیسر حافظ عبدالجبار حفظہ اللہ فاضل ملک سعود یونیورسٹی ریاض

تعارف کتاب: جیسا کہ نام ہی سے واضح ہے کہ اس کتاب میں خرید و فروخت کے حوالے سے مختلف عرب علماءسے کئے گئے 500 سوالات کے جوابات کو مرتب شکل میں شائع کیا گیا ہے ۔اس حوالے سے یہ کتاب یقیناً ایک اہم کام ہے کہ اس کتاب میں کبار عرب علماء سے کئے گئے سوالات کو جمع کیا گیا اور بعض جگہ جوابات میں ضروری ترمیم کی گئی ،

ہر جواب کے آخر میں مفتی کا نام ذکر کیا گیا ہے ۔اور ان سوالات پر موضوعات کی مناسبت سے تبویب کا کام بھی مستحسن ہے۔
یہ کتاب اس حوالہ سے اپنا ایک مقام رکھتی ہے کہ اس میں معیشت سے متعلق اہم ترین موضوعات پر کبار عرب علماء مثلاً شیخ عثیمین رحمہ اللہ،شیخ ابن باز رحمہ اللہ،شیخ صالح الفوزان ،اللجنہ الدائمۃ کے کبار علماء،اور دیگر علماءسے کئے گئے استفسار کو جمع کردیا گیا ہے ۔
مذکورہ کتاب کو کچھ اس طرح سے مرتب کیا گیا ہے کہ پہلی قسم کے تحت خرید و فروخت کے احکام سے متعلق سوال و جواب جس میں عقد بیع سے متعلق سوال و جواب پھر خرید و فروخت میں شرائط ،خرید و فروخت کی بعض اقسام ان کا حکم ،قیمتوں کے تعین اور ذخیرہ اندوزی سے متعلق سوال و جواب ،قسطوں پر خرید و فروخت کے حوالے سے سوال و جواب بیان کئے گئےہیں ،پھر ایک باب متفرق معاملات کےنام سے ہے جس میں ایسے حجام کا پیشہ جو داڑھی مونڈھتا ہو ،اسپیشل کلاسیں لینے کا حکم ،جعلی سند بنوانا ،کافر ممالک میں کام کرنے کی غرض سے سفر کرنے کاحکم ،ایسی بخشیش ((tipکا حکم جو ملازم کو بغیر مطالبے کے ملتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کی تنخواہ سے کٹوتی ہوتی ہے ،رشوت وغیرہ سے متعلق سوالات کے جواب درج ہیں ۔
پھر سودی معاملات سے متعلق سوال و جواب درج ہیں جس کی ضمن میں اس حوالے سے کئی ایک جدید مسائل کا حل موجود ہے مثلاً بنک کو بل آف ایکسچینج بیچنا ،بینکوں کے حصص خریدنے کا حکم ،سودی بینکوں میں کام کرنے کا حکم ،کرنسیوں کی خرید وفروخت،سودی بینکوں کے ذریعے تنخواہیں لینے کا حکم وغیرہ کے حوالے سے سوال و جواب موجود ہیں ۔
پھر بیع سلم اور دیون (ادھار)کے احکام ،قرض کے احکام سے متعلق سوال و جواب نیز گروی ،مزارعت و مساقات ،شراکت سے متعلق سوالات و جوابات ،مضاربت ، اجارہ ،وکالت ، ترسیل زر، انشورنس، ڈپازٹ،تحائف و عطیات نیز دیگر اہم موضوعات سے متعلق سوالات و جوابات اس کتاب کی زینت ہیں۔
معیشت و تجارت کے شرعی احکام:
مصنف :حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ
تجارت و معیشت کے حوالے سے یہ کتاب ایک رہنما کتاب ہے مصنف کا ایک مخصوص طرزتحریر ہے جیسا کہ پہلے گزرا ہے کہ آپ کی گفتگو قرآن و سنت کے دلائل سے مدلّل اور اسلاف و عرب علماء کے اقوال سے مزین ہوتی ہے ۔

اس کتاب کے پہلے باب میں معیشت و تجارت کا اسلام میں تصور بیان کیا گیا ہے۔
اس باب کے تحت اسلام و دیگر نظام ہائے معیشت میں فرق ،بے دین حلقوں کے پراپیگنڈوں کا جواب، معیشت و تجارت کی حیثیت ،بیع کا تعارف ،بیع اور سود میں فرق اور بیع کی اقسام کو بیان کیا گیا ہے ۔
دوسرے باب: میں خرید و فروخت کے اسلامی زریں اصولوں کو بیان کیا گیا ہے مثلاً معاملہ باہمی رضامندی سے ہو، خریدنے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع اور اس ضمن میں اس کی بعض صورتوں کو بیان کیا گیا ہے، قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب ،سودی طریقوں سے بچنا ، خرید و فروخت کے حوالے سے اس طرح کے دیگر اسلامی زریں اصولوں کو بیان کیا گیا ہے ،خرید و فروخت کے معاملے میں ان اسلامی اصولوں کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے،نیز اس باب میں کموڈیٹی ایکسچینج میں کاروبار کی شرعی حیثیت کو واضح کردیا گیا ہے ۔
تیسرا باب :فروخت کی جانے والی اشیاء کے حوالے سے ہدایات پر مشتمل ہے ،اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فروخت کی جانے والی چیز کا استعمال جائز ہو ،وہ چیز ابہام سے پاک ہو ،چیز کی سپردگی ممکن ہو وغیرہ۔
چوتھے باب :میں قیمت کے متعلق ہدایات ہیں کہ قیمت معلوم ہواور اس حوالے سے ادھار و نقد قیمت میں فرق رکھنے کی شرعی حیثیت کوبیان کیا گیا ہے ،ادائیگی بروقت کی جائے ،منافع کی حدود متعین ہوں مارکیٹ خراب نہ کی جائے ،اس طرح کی دیگر ہدایات بیان کی گئی ہیں ۔
پانچویں باب :میں بیع میں خیار ((optionکی صورتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً خیار مجلس ،خیار شرط ،خیار تدلیس ،خیار غبن ،خیار عیب ،خیار بصورت اختلاف ،قیمت غلط بتانے کی وجہ سے خیار ،تغیر واقع ہوجانے کی وجہ سےخیار وغیرہ۔
چھٹے باب :میں اختیارات کی بیع پر بحث کی گئی ہے ،اس باب کے تحت اختیار کا جدید مفہوم ،اختیارات کی قسمیں اور خریداری اختیار (Call option) اور بیچنے کے اختیار ((Put optionکے موضوع پر بھی بحث کی گئی ہے۔
ساتویں باب :میں بیعانہ کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے اور اس حوالے سے قائلین اور مانعین کے دلائل ذکر کرکے ان کا تجزیہ کرتے ہوئے راجح مؤقف کی بھی نشاندہی کی گئی ہے ۔
آٹھواں باب: کمیشن ایجنٹ کے ذریعے سے خرید و فروخت کی شرعی حیثیت ، اس کی صورتوں اور اس سے متعلق مختلف مسائل پر مشتمل ہے ۔

نواں باب : اس باب میں اجارہ کے اصـول اور اسـلامی و روایتی بینکوں کا طریقہ کار اور ان میں موجود قباحتوں پر مدلّل رد کیا گیا ہے .اس ضمن میں بعض مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے .
دسواں باب صکوک((sukukکی شرعی حیثیت پر مشتمل ہے ،اس باب میں صـــکوک کی تعریف ،ابتداء و ارتقاء اور قســـمیں بیان کرتے ہوئے مروجہ صکوک کاشرعی اعتبار سے جائزہ لیا گیا ہے .
آخری باب :میں اسلام کا نظریہ زر اور کاغذی کرنسی کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے ،اس باب میں زر کی تعریف، قســـمیں ،اہمیت ، تاریخ، عہد نبوی کی کرنسی اورکرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے.نیز کرنسی کے حوالے سے چند مسائل کو بھی شرعی دلائل کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے .
خلاصہ یہ کہ مذکورہ کتاب اپنے موضوع میں ایک جامع اور رہنما کتاب ہے .

بینک کا سود حلال ہے ؟
مصنف :مولانا مشتاق احمد کریمی حفظہ اللہ
فاضل جامعہ سلفیہ بنارس
آپ الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار ،بہار کے صدر و بانی ہیں .
مذکورہ کتاب میں ســـود کی حرمت پر مدلّل بحث کی گئی ہے .قرآن و حدیث سے سود کی حرمت کوبیان کرتے ہوئے سود اور بیع میں فرق اور جاہلیت کے سود کی تفصیل ذکر کی گئی ہے.
ســـود کو روکنے کے لئے اســـلام نے جو طریقے بیان کئے ہیں انہیں بڑے عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے، نیز سود کے معاشی ،اخلاقی اور اجتماعی نقصـــانات کو بھی بیان کیا گیا ہے .پھر کمپنی اور اس کا طریق کار ،بینک اور اس کا تاریخی پس منظر،بینک کے وظائف کو بھی بڑے عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے .بینک کے ســـود کو جائز قرار دینے والوں کا مدلّل رد کیا گیا ہے ،اور بینک کے سو د کے حرام ہونے پر مختلف کانفرنسوں اور فقہ اکیڈمیوں میں منعقدہ اجتماع کی قرارداد ،ناموں کی فہرســـت اور مصـــر کے مفتی نے بینک کے ســـود پر جو جواز کا فتوی دیا تھا اور ان کی تردیدمیں علماء ازہر کی ٹیم نےمکہ مکرمہ میں علمی بیان شـــائع کیا تھا ،اس پر دستخط کرنے والوں کے نام مع دستخط دکھائے گئے ہیں ،اور بینک کےمتبادل کا اجمالی خاکہ بھی پیش کیاگیا ہے.اسی طرح بیمہ کی تفصیل کو بیان کیا گیا ہے .
زکوٰۃ کی کتاب

مصنف : حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ
تعارف مصنف : حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ مسلک کے جید علماء میں سے ہیں اور دیگر موضوعات میں بالعموم اور فقہی موضوعات میں بالخصوص تحقیقی ذوق رکھتے ہیں .آپ کی تحریر جامع اور محقق ہوتی ہے،
حتی الوسع صحیح احادیث ہی کو بیان کرنا آپ کے امتیازیات میں سے ہے .علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے عام طور پر بھرپور استفادہ کرتے نظر آتے ہیں .فقہ الحدیث کے نام سے درر البھیہ کی اردو شرح آپ کی عظیم شاہکار کتاب ہے جو علماء ،طلباء اور عوام الناس میں یکساں مقبول ہے . اسی طرح تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ و تحقیق جس میں علامہ البانی رحمہ اللہ و دیگر کی تحقیق سے مستفاد احادیث پر حکم بھی لگایا گیا ہے .نیز مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کاترجمہ و تخریج، دجال اور علامات قیامت ،نماز کی کتاب ،آخرت کی کتاب، اسی طرح 100 سے 500 تک ضعیف احادیث کا سیٹ وغیرہ آپ کی مشہور کتب ہیں .
مذکورہ کتاب بھی اپنے موضوع کے حوالے سے انتہائی جامع اور محقق ہے . اس کتاب میں زکوٰۃ کے اساسی موضوعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ سے متعلق جدید مسائل کا حل بھی پیش کیا گیا ہے .
سب سے پہلے مقدمہ کے تحت زکوٰۃ کی لغوی و شرعی تعریف کو بیان کیا گیا ہے .نیز تصور زکوٰۃ سے متعلق دیگر اہم ترین نکات پر بحث کی گئی ہے .
زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان اس باب کے تحت زکوٰۃ کی فرضیت ،زکوٰۃ پچھلی قوموں میں بھی رائج تھی جیسے موضوعات کو بیان کیا گیا ہے .
دوسرے باب :میں زکوٰۃ کی فضیلت کو شرعی نصوص کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے .
تیسرا باب :مانع زکوٰۃ کے گناہ اور اس کے حکم پر مشتمل ہے .
چوتھے باب: کے تحت ان لوگوں کا بیان ہے جن پر زکوٰۃ واجب ہے .
زکوٰۃ کی کتاب
مصنف : حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ
تعارف مصنف : حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ مسلک کے جید علماء میں سے ہیں اور دیگر موضوعات میں بالعموم اور فقہی موضوعات میں بالخصوص تحقیقی ذوق رکھتے ہیں .آپ کی تحریر جامع اور محقق ہوتی ہے،

حتی الوسع صحیح احادیث ہی کو بیان کرنا آپ کے امتیازیات میں سے ہے .علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے عام طور پر بھرپور استفادہ کرتے نظر آتے ہیں .فقہ الحدیث کے نام سے درر البھیہ کی اردو شرح آپ کی عظیم شاہکار کتاب ہے جو علماء ،طلباء اور عوام الناس میں یکساں مقبول ہے . اسی طرح تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ و تحقیق جس میں علامہ البانی رحمہ اللہ و دیگر کی تحقیق سے مستفاد احادیث پر حکم بھی لگایا گیا ہے .نیز مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کاترجمہ و تخریج، دجال اور علامات قیامت ،نماز کی کتاب ،آخرت کی کتاب، اسی طرح 100 سے 500 تک ضعیف احادیث کا سیٹ وغیرہ آپ کی مشہور کتب ہیں .

مذکورہ کتاب بھی اپنے موضوع کے حوالے سے انتہائی جامع اور محقق ہے . اس کتاب میں زکوٰۃ کے اساسی موضوعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ سے متعلق جدید مسائل کا حل بھی پیش کیا گیا ہے .

سب سے پہلے مقدمہ کے تحت زکوٰۃ کی لغوی و شرعی تعریف کو بیان کیا گیا ہے .نیز تصور زکوٰۃ سے متعلق دیگر اہم ترین نکات پر بحث کی گئی ہے .

زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان اس باب کے تحت زکوٰۃ کی فرضیت ،زکوٰۃ پچھلی قوموں میں بھی رائج تھی جیسے موضوعات کو بیان کیا گیا ہے .

دوسرے باب :میں زکوٰۃ کی فضیلت کو شرعی نصوص کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے .

تیسرا باب :مانع زکوٰۃ کے گناہ اور اس کے حکم پر مشتمل ہے .

چوتھے باب: کے تحت ان لوگوں کا بیان ہے جن پر زکوٰۃ واجب ہے .

پانچویں باب :میں جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہے ان کو بیان کیا گیا ہے .اس باب کے تحت زکوٰۃ کی شروط ، قرض دی ہوئی زکوٰۃ کا حکم ، عورت کے حق مہر کی زکوٰۃ کا حکم ، بیمہ کی زکوٰۃ کا حکم ، بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی زکوٰۃ کا حکم جیسے مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے .

چھٹا باب: جن اموال میں زکوٰۃ واجب نہیں ان کے بیان پر مشتمل ہے .اس باب کے تحت جواہرات کی زکوٰۃ کا حکم ،گدھوں اور خچروں کی زکوٰۃ کا حکم ،پالتو جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم ،آلات تجارت کی زکوٰۃ کا حکم وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے .

ساتواں باب: سونے چاندی کی زکوٰۃ کے حوالے سے ہے .اس باب کے تحت زیورات کی زکوٰۃ کا حکم ،کرنسی کی زکوٰۃ کا حکم ،سونے کے قلم ،برتنوں کی زکوٰۃ کا حکم بیان کیا گیا ہے .

آٹھواں باب :جانوروں کی زکوٰۃ کے بیان پر مشتمل ہے .

نواں باب: تجارتی اموال کی زکوٰۃ کے بیان پر مشتمل ہے ۔
دسویں باب :میں کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے ۔
گیارھویں باب: میں دفینے اور معدنیات کی زکوٰۃ کا بیان ہے ۔
بارہویں باب :میں زکوٰۃ نکالنے کا بیان ہے کہ اس حوالے سے شریعت نے کیا تعلیمات دی ہیں ۔
تیرھویں باب: میں زکوٰۃ وصول کرنے کے حوالے سے شرعی تعلیمات کا بیان ہے ۔
چودھویں باب: میں زکوٰۃ کے مصارف کو بیان کیا گیا ہے۔
پندرھواں باب: جن لوگوں پر زکوٰۃ کا مال حرام ہے ان کے بیان پر مبنی ہے ۔
سولہویں باب :میں صدقۃ الفطر ، سترھویں باب: میں نفلی صدقہ کا بیان
اٹھارھویں باب: میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شریعت نے سوال کرنے سے روکا ہے۔
خلاصہ یہ کہ یہ کتاب زکوٰۃ کے موضوع سے متعلق انتہائی جامع و محقق کتاب ہے ۔جس میں کسی اختلافی موضوع میں اختلاف کی نشاندہی کرتے ہوئے شرعی نصوص کی بناء پر راجح مؤقف کی وضاحت بھی کردی گئی ہے ۔
کتاب الزکوٰۃ
مصنف :اقبال کیلانی حفظہ اللہ
تعارف مصنف : آپ مسلک کی عظیم شخصیت ہیں اور مصنف کتب کثیرہ ہیں آپ کی کتب کے سیٹ کی اہمیت و افادیت کو محسوس کرتےہوئے کئی ایک مدارس اپنے فارغ ہونے والے طلباء کو آپ کی کتب کاسیٹ تحفۃً دیتے ہیں ۔
اس کتاب میں نیت کے اہم مسائل، زکوٰۃ کی فضیلت ،فرضیت ،اہمیت ،شرائط ،زکوٰۃ لینے دینے کے آداب بیان کرتے ہوئےوہ اشیاء جن پر زکوٰۃ واجب ہے اور وہ اشیاء جن پر زکوٰۃ واجب نہیں علیحدہ علیحدہ ابواب کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ۔
پھر زکوٰۃ کے مصارف بیان کرتے ہوئے غیر مستحق لوگوں کی نشاندہی بھی علیحدہ سے کردی گئی ہے ،پھر سوال کرنے (مانگنے)کی مذمت کو بیان کیا گیا ہے ۔
پھر صدقہ فطر کے مسائل ،نفلی صدقہ اور اس باب میں متفرق مسائل بیان کئے گئے ہیں ۔اس کتاب میں زکوٰۃ کے حوالے سے ضعیف و موضوع روایات کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے ۔
لہٰذا اس باب میں یہ کتاب انتہائی جامع کتاب ہے ۔

رزق کی کنجیاں
مصنف :پروفیسر ڈاکٹر فضل الہٰی حفظہ اللہ
اس کتاب میں حصول رزق ،اس میں اضافہ و برکت کے اسباب بیان کئے گئے ہیں جوکہ درج ذیل ہیں .(1)استغفار و توبہ(2) تقوی (3)اللہ تعالی پر توکل (4) اللہ عز و جل کی عبادت کے لئے فارغ ہونا (5)حج اور عمرے میں متابعت (6) صلہ رحمی (7) اللہ کی راہ میں خرچ کرنا (8) شرعی علوم کے لئے وقف ہونے والوں پر خرچ کرنا (9) کمزوروں کے ساتھ احسان کرنا (10)اللہ کی راہ میں ہجرت کرنا .
یہ کتاب ان دس اسباب کے بیان پر مشتمل ہے جنہیں مصنف نے رزق کی کنجیوں کا نام دیا ہے اور جیسا کہ آپ کا خصوصی طرز تحریر ہے کہ قرآن و سنت کے دلائل سے مزین اور اسلاف کے اقوال سے مزید اس کی تشریح و توضیح سے مزین آپ کے طرز تحریر نے اس کتاب کی افادیت ،اور اس کتاب کی منفرد حیثیت کو چار چاند لگا دیئےہیں.ڈاکٹر صاحب نے ان دس اسباب کے تحت ضمناً ان سے متعلق بعض اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے .
برکت کیسے حاصل کریں ؟
تالیف :ڈاکٹر امین عبداللہ الشقاوی حفظہ اللہ
ترجمہ: فضیلۃ الشیخ حافظ محمد عمر حفظہ اللہ
تعارف مترجم: آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے فارغ التحصیل ہیں .
یہ کتاب اپنے موضوع سے متعلق جامع کتاب ہے ،مذکورہ کتاب میں برکت کے اسباب و موانع پر روشنی ڈالی گئی ہے .مصنف نے بڑی تفصیل سے قرآن و سنت کی روشنی میں اس موضوع کوبیان ہے .
یقیناً ہر قسم کی خیر و برکت کا حصول قرآن و سنت کی تعلیمات کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور اسلام ہی نے اس کی ترغیب بھی دلائی اور برکت کا تصور دیا۔ اس کتاب میں برکت کی معرفت ،اسباب و موانع ،اور ساتھ ہی بابرکت اشخاص ،زمانوں ، جگہوں اور اوقات و عوامل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، جس سے اس کی اہمیت مزید واضح ہوجاتی ہے .
اس کتاب میں سب سے پہلے برکت کی تعریف ،اہمیت نیز اس حوالے سے بعض اعتراضات کا جواب دیا ،پھر حصول برکت کے تقریباًدس اسباب بیان کئے ،برکت نہ ہونے کے بھی تقریباً 11 اسباب بیان کئے، دلائل کی روشنی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء، صحابہ ، اسلاف بابرکت اشخاص ہیں ،اوربعض چیزیں مثلاًسینگی، بارش ، زمزم کا پانی ، کھجور کا درخت ،

زیتون کا درخت ، دودھ ، ســـحری کھانا ،ثرید ، گھوڑا ، بکریاں یہ بابرکت چیزیں ہیں ۔
مکہ ، مدینہ ، شـــام ، یمن ، وادی عقیق ، وادی طوی ، نہر فرات ، مســـجد حرام ، مسجد نبوی ، بابرکت مقامات ہیں ۔
پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کی زندگیوں سے برکت کی مثالیں دی گئیں ہیں ۔
پھر برکت کے لئے استعمال کئے جانے والے جائز اور ناجائز الفاظ کو بیان کیا گیا ہے ۔
کیا بچے کا نام برکت رکھ ســـکتے ہیں ؟ کیا بابرکت مقامات کی زیارت کرنا مشـــروع ہے ؟ اس طرح کے ســـوالات کو بھی ســـلجھایا گیا ہے ۔الغرض یہ کتاب انتہائی معلوماتی اور مفید کتاب ہے ۔جس کے مطالعے ســـے برکت کا صحیح مفہوم سمجھ میں آجائے گا ، اور معیشت کے اسلامی اصولوں پر مزید یقین مستحکم ہوجائے گا ۔

جدید فقہی مسائل

مصنف :مبشرحسین لاہوری حفظہ اللہ

تعارف مصـــنف : آپ جماعت کے ممتاز عالم دین ہیں ۔ آپ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ریسرچ ایسوسی ایٹ ہیں ۔ نیز بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں لیکچرر ہیں ۔موصوف کتب کثیرہ کے
مصنف ہیں ۔جس میں انسان اور اللہ ، انسان اور فرشتے ، انسان اور کالے پیلے علوم ، انسان اور جنات جیسی کتب شامل ہیں ۔
یہ کتاب جیساکہ نام ہی سے واضح ہے،دور جدید میں نئے پیش آمدہ مسائل کے حل پر مشـتمل ہے ۔اس کتاب میں معیشـت ســے متعلق پیش آنے والے جدید مســـائل کو بھی بیان کیا گیا ہے مثلاًملٹی لیول مارکیٹنگ (MLM) ســـکیمیں اور ان کے کاروبار ۔اس کے تحت اس کی حرمت کی وجہ ،گولڈن نامی تجارتی سکیم ، بزناس نامی سکیم ،ایس این انٹرنیشنل سکیم ،شینئل کمپنی کا طریقہ کار ،کاغذی سکیمیں وغیرہ ۔
دوسری فصل: ملٹی لیول مارکیٹنگ سکیموں کے بارے میں ممتاز علماء کی آراء پر مشتمل ہے ۔
تیسـری فصـل: جوائنٹ سـٹاک کمپنیاں اور ان کے حصـص کے کاروبار اس کے تحت شیئرز ، سٹاک ایکسچینج، حصص اور ان کی اقسام ،جوائنٹ سٹاک کمپنیوں کی شـــرعی حیثیت ، غائب ســـودے (Future /Forward Sale) وغیرہ کے حوالے سے بحث پر مشتمل ہے ۔

چوتھی فصل: اسلام کا نظام زکوٰۃ اور چند جدید مسائل پر مشتمل ہے اور اس فصل میں زکوٰۃ کی شروط ، زیورات کی زکوٰۃ ،موجودہ کرنسی کی زکوٰۃ ، حصص پر زکوٰۃ جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے ۔

جانب حلال

مصنف :قاری خلیل الرحمن جاویدحفظہ اللہ

آپ کراچی کی ممتاز شخصیات میں سے ایک ہیں اور کئی ایک کتب مثلاً صلوۃ النبی کے حسین مناظر ،پیارے رستہ دیکھ کے چل ،پہلا زینہ ،جادو جنات بائے بائے ، قضائے عمری،محبت کے بیج وغیرہ کے مصنف ہیں ۔ آپ کی تحریر اردو ادب سے مزین ہوتی ہے ۔نیز مسئلے کی تفہیم کے لئے تمثیل نگاری بھی آپ کی تحریروں میں نظر آتی ہے ۔کبھی کبھی قارئین کو محظوظ کرنے کے لئے مزاح اور لطائف کا بھی استعمال کرتے ہیں ۔

تعارف کتاب : یہ کتاب اصلاً اسلامی بینکاری کی شرعی حیثیت کے حوالے سے ہے ۔

یہ کتاب پانچ ابواب میں منقسم ہے نیز کتاب کے شروع میں ڈاکٹر عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ کی تقدیم ہے ۔

باب نمبر 1 : اسلام اور معیشت کے نام سے موسوم ہے ،جس میں معیشت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے ۔

باب نمبر 2 : حرام کی جدید شکلیں مثلاً گولڈن اسکیم ورلڈ ٹریڈنگ نیٹ اسکیم ،جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں ،سٹہ ، لاٹری ،پزل گیمز ،کریڈٹ کارڈ ،ڈیپازٹ کارڈ، پگڑی سسٹم ،(B.Cکی ناجائز شکل جیسے موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے ۔

باب نمبر 3 : میں حرام کی قدیم مگر مروج شکلیں بیان کی گئیں ہیں ۔

باب نمبر 4 : میں چند حرام اور معیوب پیشے بیان کئے گئے ہیں ۔

باب نمبر 5 : اسلامی بینکاری نظام کے حوالے سےہے اور موصوف اس حوالے سے مدح سرائی کرتے نظر

آتے ہیں اور دفاع کرتے نظر آتے ہیں ، ساتھ ہی اسے مکمل طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق بھی قرار نہیں دیتے اور اصلاح کی گنجائش مانتے ہیں ۔

باب نمبر 6 : بیمہ اور تکافل کے حوالے سے ہے ۔

اسلامی بینکاری کی حقیقت

مصنف :حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ

یہ کتابچہ حافظ ذوالفقار علی کے ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہونے والے مضامین میں سے اسلامی بینکاری کے حوالے سے مضامین کو یکجا کر کے ایک کتابچے کی صورت میں عوام الناس کے لئے ایک اہم تحفہ بن کر منظر عام پر آیا ہے ۔
اس کتابچے میں موجودہ اسلامی بینکوں کا طریق کار اور ان میں رائج مالی معاملات کا شرعی اصول کی روشنی میں منصفانہ جائزہ لے کر دینی نقطہ نظر واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔
اسلامی بینکوں کے حوالےسے مصنف موصوف کی گفتگو ان کی دیگر کتب میں بھی موجود ہے جیسا کہ تذکرہ ہوچکا ہے ۔
حدث سود نمبر (ستمبر ،اکتوبر ۱۹۹۹)
اس موضوع پر مطالعے کے شائقین کے لئے ماہنامہ محدث کا یہ سود نمبر بھی انتہائی مفید ہے ۔ماہنامہ محدث جماعت کے قدیم جرائد میں سے ایک مشہور و معروف رسالہ ہے،1970ء سے یہ رسالہ مصروف عمل ہے ، اس کے مدیر اعلیٰ حافظ عبدالرحمٰن مدنی ہیں۔
اس خاص نمبر میں سب سے پہلا مضمون ڈاکٹرظفر علی راجہ کا ہے جو جولائی 1999 کے سود کے خلاف ایک تاریخی مقدمے کی روئیداد اور اس کی اہمیت پر مشتمل ہے ۔اس مقدمے کا پس منظر یہ ہے کہ 1991میں سود سے متعلق پاکستان کے چند قوانین کو چیلنج کیا گیا تھا اور بالآخر وفاقی شرعی عدالت نے جو فیصلہ جاری کیا وہ سود کے خلاف تھا ،اس میں مارک اپ ،بینک کے سود اورانڈیکسیشن جیسے سودی معاملات کو ناجائز قرار دے دیا گیا تھا ، اس فیصلے کے صادر ہوتے ہی سود کی کمائی سے پیٹ بھرنے والوں میں ایک زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور 118 سے زائد اپیلوں کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کو چیلنج کیا گیا اس کے بعد کیا کچھ ہوا اس تفصیل کے لئے اس مضمون کا مطالعہ کیا جائے، بالآخر یہ مقدمہ 1999 ءمیں کامیابی سے ہمکنار ہوا۔
دوسرا مضمون :سود کے بارے میں قرآنی آیات کی تفسیر :
مفسر :مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ
آپ کا یہ مضمون دراصل آپ کی تفسیر تیسیر القرآن سے انتخاب کیا گیا ہے ،جو کہ اس وقت مطبوع نہیں تھی اور آپ اس دنیا فانی سے رحلت فرما چکے تھے ۔یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آیات (274 تا 284)، سورۃ آل عمران کی آیات نمبر (130 تا 133)، سورۃ النساء کی آیات نمبر (160،161) ،سورۃ روم کی آیات نمبر(39 ،40) کی تفسیر پر مشتمل ہے ۔جس کی

ضمن میں معیشت سے متعلق کئی ایک جدیدمسائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے ۔
تیسرا مضمون: سود کیا ہے؟ کیا تجارتی سود بھی حرام ہے ؟
مضمون نگار :حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ
آپ ماہنامہ محدث کے مدیر ہیں ۔
مذکورہ مضمون میں ربا کی تعریف ،تجارت اور سود میں فرق ،سود اور کرائے میں فرق ،ربا الفضل ،ربا النسیئۃ کے حرام ہونے کی حکمتیں ،تجارتی سود (کمرشل انٹرسٹ)،اور اس حوالے سے مختلف اعتراضات و شبہات کا مدلل و محقق جواب دیا گیا ہے، دلائل قرآن و احادیث اور آثار صحابہ سے دئیے گئے ہیں ۔سود کے جواز کے لئے مختلف حیلوں ،بہانوں کا بھی مسکت جواب دیا گیاہے ، اسی طرح حرمت سود کی علت و سبب جیسے اہم نکات اس مضمون کا حصہ ہیں ۔
چوتھا مضمون : سپریم کورٹ کے مقدمہ سود میں مدیر اعلی کا تحریری بیان
مضمون نگار: حافظ عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ
آپ ماہنامہ محدث کے مدیر اعلی ہیں ۔
جیسا کہ نام ہی سے واضح ہے کہ یہ مضمون حافظ عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ کے تحریری بیان پر مشتمل ہے جو سپریم کورٹ میں آپ نے پیش کیا ، یہ بیان بڑامدلل ہے۔اس بیان میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعض تنقیح طلب نکات پر بھی روشنی ڈالی گئی اور اس فیصلے کے 12 مقامات پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے کئی ایک مسائل کی گتھیاں بھی سلجھائیں گئی ہیں ۔
پانچواں مضمون :سپریم کورٹ شریعت اپلیٹ بینچ کے سوالات کے جوابات
مضمون نگار :حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
آپ جماعت کے عظیم اور نابغہ روزگار شخصیت ہیں ۔ ہفت روزہ الاعتصام کے سابق مدیر اور اس وقت شعبہ تحقیق و تصنیف دارالسلام لاہورکے مدیر ہیں ۔آپ کئی ایک کتب کے مصنف بھی ہیں ۔ آپ کی مشہور زمانہ تفسیر بنام احسن البیان ہر خاص و عام کے لئے انمول تحفہ ہے ۔اس کے علاوہ آپ کی چند کتب کے نام یہ ہیں، دلیل الطالبین اردو ترجمہ و فوائد ریاض الصالحین للنووی ،خلافت وملوکیت ، تاریخی وشرعی حیثیت، نماز محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ،توحید اور شرک کی حقیقت،نفاذ شریعت کیوں اور کیسے ؟،مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں ،عورتوں کے امتیازی مسائل و قوانین ،حکمتیں اور فوائد ،اسلامی آداب معاشرت ،کیا عورتوں کا طریقہ

نماز مردوں سے مختلف ہے ؟،رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا وغیرہ۔
اس مضمون میں سپریم کورٹ کی جانب سے کئے گئے دس سوال جو سود کی حقیقت و تعریف ، اور اس کا مالیاتی اداروں سے تعلق ،اور اس ضمن میں مارک اپ کا حکم ،بانڈز جیسی اسکیمیں ،متبادل صورتیں ،کاغذی کرنسی کے قرض کا مسئلہ ،مسلم اور غیر مسلم اور سود ، ماضی میں دئیے گئے قرض پر مشتمل معاملات کا حل اس طرح کے سوالات کئے گئے تھے ،جس کا انتہائی مدلل اور جامع جواب، حافظ صاحب نے دیاہے ۔
چھٹا مضمون :کاغذی کرنسی ..ایک تاریخی اور شرعی مطالعہ
مضمون نگار :پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ
پروفیسر صاحب رحمہ اللہ مسلک اہل حدیث کی انتہائی محقق ،ذی علم اور کتاب دوست شخصیت تھے۔ آپ پنجاب پبلک لائبریری اور دعوہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل کے عہدہ پر متمکن رہے اور اس کے علاوہ شاہ فیصل مسجد اسلام آباد کی خطابت کےفرائض انجام دیتے رہے۔ انہیں کتاب اور مطالعہ سے خوب شغف تھا، جس کا اظہار ان کی وسیع لائبریری سے ہوتا ہے۔جس میں تقریباًڈیڑھ لاکھ کتب موجود ہیں ۔
اس مضمون میں کاغذی کرنسی کی تاریخ اور اس کے ارتقائی مراحل پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی شرعی حیثیت اس سے متعلق بعض جدید مسائل کا انتہائی مجتہدانہ انداز میں حل پیش کیا گیا ہے ۔ ساتواں مضمون :قرضوں کی اشاریہ بندی مضمون نگار :حافظ عزیز الرحمن (LLB شریعہ)حفظہ اللہ افراط زر پر قابو پانے کے لئے ماہرین اشاریہ بندی ((Indexationکا مشورہ دیتے ہیں، اس مضمون میں اس کی شرعی حیثیت پر بحث کی گئی ہے ،نیزمجوزین اور مانعین کے دلائل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے ۔اور اس حوالے سے بعض نے جو متبادل پیش کئے ہیں، ان کابھی تذکرہ کیا گیا ہے ۔
آٹھواں مضمون :انٹرسٹ اور یوزریUsuari برابر ہیں
مضمون گار :ریاض الحسن نوری حفظہ اللہ
اس مضمون میں ثابت کیا گیا ہے کہ انٹرسٹ اور دیگر قوموں میں یوزری اور اس جیسے دیگر الفاظ جو سود کے لئے استعمال ہوتے ہیں ،میں کوئی فرق نہیں ۔
نواں مضمون : سود ، غیر مسلم اقوام میں جس کے مضمون نگار : حافظ ضیاء اللہ برنی حفظہ اللہ ہیں ،اسی طرح مغرب میں سودی بینکاری کے بدلتے رجحانات ،مضمون نگار محمد عطاء اللہ صدیقی حفظہ اللہ ہیں ۔

اسی طرح ایک مضمون بنام بلاسود بینکاری ،جس کے مضمون نگار ڈاکٹر ڈی ایم قریشی حفظہ اللہ ہیں ۔اسی طرح سب سے آخر میں مضمون بنام ''بکھرے بکھرے خیال ''مضمون نگار :مولانا نعیم صدیقی حفظہ اللہ ہیں۔
الغرض ایسے علمی و تحقیقی مضامین اس خاص نمبر کا حصہ ہیں ۔اور یہ خاص نمبر اپنے چند صفحات میں انتہائی جامع اور محقق و مدلل تحریروں کو سمیٹے ہوئے ہے ۔
یہ کچھ کتب جو معیشت سے متعلق تھیں ،ان کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے ،ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس حوالے سے کتب کی فہرست خاصی طویل ہے۔
وصلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین

(21) کرنسی نوٹوں پر سود ؟

سوال نمبر 1:میں نےالإقتصادیةاخبار میں پڑھا کہ سود کے حوالے سے نوٹوں کو سونے اور چاندی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا،اور سود صرف حدیث میں مذکور چھ اصناف میں ہی جاری ہوسکتا ہے،بعض اہل علم بھی اس رائے کے قائل ہیں۔براہ کرم مذکورہ بالا مسئلہ کی تفصیلی وضاحت فرمادیں۔

جواب:صحیح رائے یہی ہے اور معاصر علماء کی اکثریت بھی اسی کی قائل ہے کہ : کرنسی نوٹوں کو سونے اور چاندی پر قیاس کیا جاسکتاہےاور کرنسی نوٹوں میں بھی سونے چاندی کی طرح سود لاگو ہو تاہے۔کیونکہ شریعت نے سونے اور چاندی پرسود کا حکم اس علت اور وجہ سے لگایا ہے کہ یہ قیمتوں کے تعین کا پیمانہ ہیں۔ دور قدیم سے ہی سونے اور چاندی کےذریعےمختلف اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ لگایاجاتا تھااور آہستہ آہستہ سونے اور چاندی کی جگہ کرنسی نوٹوں نے لے لی، تو سونے چاندی کی جگہ کرنسی نوٹوں کی ریل پیل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان پر سونے چاندی ہی کے احکامات لاگو ہوں۔

سلف کے بعض ائمہ و علماء سے بھی اس قسم کے اقوال منقول ہیں جواس موقف کی تائید کرتے ہیں:

فقہ مالکی کی معروف کتاب المدونہ (3/ 5)میں ہےکہ: (1)اگر میں فلوس (لوہے یا پیتل کے سکے)کے بدلے دراہم خرید لوں اور انہیں قبضے میں لئے بغیر ہی ہم مجلس سے علیحدہ ہوجائیں تو کیا آپ کی رائے میں ایسا کرنا جائز ہے۔؟ فرمایا:امام مالک کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس قسم کی بیع فاسد ہے،امام مالک مجھ سےفلوس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:سونے اور چاندی سے فلوس کی بیع میں ادھار کسی طرح بھی جائز نہیں اگر لوگ اپنے درمیان چمڑوں کے ذریعے خرید وفروخت کورائج کر دیں یہاں تک کہ وہ چمڑے ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائیں تو میں سونے چاندی کے بدلے ان چمڑوں کو بھی اُدھار فروخت کرنا پسند نہیں کروں گا۔ پھر میں نے کہا کہ: آپ کیا کہتے ہیں کہ اگر میں فلوس کے بدلےسونے یا چاندی کی انگوٹھی یا سونے کی ڈھلی خریدوں اور اسے قبضے میں لینے سے پہلے ہی ہم الگ ہوجائیں توکیا امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہوگا؟تو فرمایا نہیں یہ امام مالک کے ہاں جائز نہیں ہوگا کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ:ایک فلس کے بدلے دو فلس کی خرید وفروخت جائزنہیں اور سونے چاندی اور دینارکی فلوس کے بدلے ادھار خرید وفروخت جائز نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فلوس میں بھی اسی طرح سود جاری ہوتا ہے جیسا سونے اور چاندی میں سود لاگو ہوتا ہے،

کیونکہ لوگوں کا لین دین اس سے ہوچلا ہے اور اس کی حیثیت اب نقد کرنسی کی ہوگئی ہے بلکہ امام مالک تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر لوگ چمڑے کو کرنسی کے طور پر استعمال کرنے لگیں توان کا حکم بھی سونے چاندی جیسا ہی ہوگا۔ اور یہ آج کے کرنسی نوٹوں کی طرح ہی ہےجس کا امام مالک نے ایک مفروضے کے طور پر ذکر کیا ہے۔
سبحان اللہ :کیا ہی پاک ہے وہ ذات جس نے امام مالک کو یہ مثال دینے کی توفیق عطا فرمائی!
اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:کہ صحیح یہ ہے کہ دراہم اور دینار میں علتِ ربا ان کا ذریعہ تبادلہ اور قیمتوں کے تعین کا پیمانہ ہونا ہے نہ کہ وزن ہونا ان کی علت ربا ہے ۔ (یہی جمہور علماء کا موقف ہے)۔[1]
علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
امام ابو حنیفہ اورامام احمد بن حنبل کے ایک قول کے مطابق درہم ودینار میں علت ربا انکا وزن ہے،جبکہ امام مالک،شافعی اور احمد بن حنبل کے دوسرے قول کے مطابق درہم ودینار میں علتِ ربا انکا قیمتوں کا پیمانہ ہونا ہے اور یہی رائے صحیح ہے۔[2]
رابطہ عالم الاسلامی کی مجلس مجمع الفقہ الاسلامی کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ درہم ودینار میں علتِ ربا انکا پیمانہ قیمت ہونا ہے۔ کیونکہ :
اول:کیونکہ کرنسی نوٹو ں کی بنیادسونے اور چاندی ہی پر مبنی ہے،اور کیونکہ اکثر فقہاء کی نظر میں سونےاور چاندی کی علت ربا ان کا مطلقاًبطور قیمت استعمال ہے۔
اور جیسا کہ فقہاء پیمانہ قیمت کو صرف سونے اور چاندی تک ہی محدود نہیں کرتے،اگرچہ یہی دھاتیں کرنسی کی اصل اور بنیاد ہیں۔
اور جیساکہ کرنسی نوٹ نےاب سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے ، عصرِ حاضر میں کرنسی نوٹوں سے ہی اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور سونے چاندی سے لین دین تقریبا ناپید ہوچکا ہے۔لوگ نوٹوں کے ذریعے ہی فائناسنگ کرتے ہیں ، انہیں ذخیرہ کرتے ہیں ، ادائیگیاں اور تقاضے اور ذمہ داریاں تمام انہیں کے ذریعہ تکمیل پاتی ہیں ، اگرچہ ان کرنسی نوٹوں کی حیثیت ذاتی طور پر نہیں بلکہ لوگوں کا اعتماد اوران کا اس کے ذریعہ تبادلہ اور لین دین انہیں قیمت کی حیثیت عطا کرتا ہے اور یہی اس کی پیمانہ قیمت ہونا کی علت ہے۔
اور جیساکہ سونے اور چاندی میں سود لاگو ہونے کی وجہ ان کا پیمانہ قیمت ہونا یہی کرنسی نوٹوں میں بھی موجود ہے۔انہی تمام وجوہات کی بنا

پر مجلس فقہی اسلامی نے کرنسی نوٹوں کو بذات خودنقد کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ انکا وہی حکم ہے جو سونے اور چاندی کا، کرنسی نوٹوں پر بھی اسی طرح زکاۃ واجب ہوگی جس طرح کہ سونے اور چاندی پر اور ان پر سونے اور چاندی کی طرح سود بھی لاگو ہوگاادھار میں بھی اور فضل میں بھی ،اور شریعت نے جو بھی احکام سونے اور چاندی پر نافذ کئے وہ تمام احکام بالکل اسی طرح کرنسی نوٹوں پر بھی لاگو ہوں گے۔

دوم: کرنسی نوٹ سونے چاندی کی طرح مستقل زر ہے۔ اسی طرح کاغذی نوٹ جاری کردہ حکومتوں کے اعتبار سے الگ الگ جنس ہیں۔ یعنی سعودی ریال ایک جنس ہے ، امریکی ڈالر ایک الگ جنس ہے۔ اس طرح ہر ملک کی کرنسی بذات خود مستقل جنس ہے ، لہذا اس میں ادھار اور فضل دونوں صورتوں میں اس پر سود لاگو ہوگا۔ جیسے سونے اور چاندی اور زر کی دیگر اقسام وغیرہ پرلاگو ہوتا ہے۔

کویت فائنانس ہاؤس نے اپنے پہلے فقہی سیمینار میں جو سفارشات اور فتاویٰ پیش کئے وہ یہ کہ :مجمع فقہ اسلامی کے سابقہ فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے کہ کرنسی نوٹ خریدوفروخت اور لین دین میں سونے وچاندی کے قائم مقام ہیں،انہی کے ذریعے اموال ووسائل کا تخمینہ لگایا جاتا ہے اور انہی کےذریعے تمام ادائیگیاں کی جاتی ہیں ،اسی لئے ان پر سونے چاندی کے تمام احکام لاگو ہوں گےاور خاص طوران کا لین دین نقد ہو، نا کہ ادھار۔

ہر کرنسی بذات خود ایک دوسرے سے مختلف جنس ہے،تو کسی بھی معاہدے کی ابتداء یا انتہاء میں مقداری سود [ربا الفضل] جائز نہ ہوگایعنی سو روپے کے بدلے سو روپے ہی خریدےجاسکیں گے ہاں البتہ اگر ایک کرنسی کے بدلے دوسری خریدی جائے مثلاًروپے کے بدلے ڈالر تو پھرصرف نقد سودے کا اشتراط کیا جائے گا۔

کرنسی نوٹوں کے ذریعے سونے کی فروخت جائز نہیں سوائے اسکے کہ سودا ہاتھوں ہاتھ ہویعنی نقد ہو۔

أبحاثِ هيئةِ كبارِ العلماءِ

میں مذکور ہے کہ: سونے اور چاندی میں حرمتِ سود کی حکمت صرف ان دونوں ہی پر مقصور نہیں ہے بلکہ یہ ان تمام چیزوں پرلازم آتی ہے جنہیں بطور قیمت استعمال کیا جا ئے ،مثلاً فلوس ،سکےّ یا کرنسی نوٹ وغیرہ۔

سونے اور چاندی کے سودی ہونے کی علت ان کا پیمانہ قیمت ہونا ہے۔

اور یہی امام ابو حنیفہ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی قول ہے ،امام احمد کے شاگرد ابوبکر کہتے ہیں امام سےشاگردوں کی

کثیر تعداد نے یہی روایت کیا ہےاور یہی رائے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم نے اختیار کی ہے اور عصرِ حاضر کے محققین اہلِ علم بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔[3]

علامہ شیخ ابن بازرحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

کرنسی نوٹوں کے بدلےاگر اس کی جنس کی کرنسی خریدی جائے یا سونا چاندی خریدا جائےتو ان پر سود کی تمام صورتیں لاگو ہوں گی جو کہ سونے چاندی وغیرہ پر لاگو ہو سکتی ہیں۔[4]

خلاصہ : شریعت اسلامی ایک دوسرے سے مشابہ اور متماثل چیزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتی۔ اور نہ ہی وہ مختلف اور متضاد چیزوں کو یکجا کرتی ہے ، پھر جب شریعت اسلامی نے سونے چاندی پر بطور پیمانہ قیمت استعمال ہونے کے سود لاگو ہونے کا حکم لگایاتو یہ حکم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ سونے چاندی سے متماثل اشیاء مثلاًسکے ،فلوس اور کرنسی نوٹوں وغیرہ پر بھی یہی حکم لگایا جائے۔

[1] جموع الفتاوی : (29/ 472-471)

[2] اعلام الموقعين : 2 / 156

[3] أبحاث هيئة كبار العلماء : 1/ 85

[4] مجموع فتاوى ابن باز رحمه الله : 158/19

(22) صیہونی گستاخیاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم... اما بعد :

دورِ نبویﷺ میں بھی یہودی گستاخیاں اور مسلمانوں کیلئے رسالتِ مآبﷺ سے گفتگو کے آداب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ

البقرۃ – 104

اے ایمان والو تم (نبی ﷺکو) ' راعنا ' نہ کہا کرو، بلکہ 'انظرنا ' کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

رَاعِنَا کے معنی ہیں، ہمارا لحاظ اور خیال کیجئے۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کا استعمال کر کے متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا، لیکن یہودی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر استعمال کرتے تھے جس سے اس کے معنی میں تبدیلی اور ان کے جذبہ عناد کی تسلی ہو جاتی، مثلا وہ کہتے رَعِينَا (اَحمق) وغیرہ جیسے وہ السلامُ علیکم کی بجائے السامُ علیکم (تم پر موت آئے) کہا کرتے تھے اللہ تعالٰی نے فرمایا تم ـــ ' اُنْظُرْنَا ' کہا کرو۔ اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ جن میں تنقیص و اہانت کا شائبہ ہو، ادب و احترام کے پیش نظر کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں۔

مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَـٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّـهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا

النساء – 46

بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن اس کے بغیر کہ تو سنا جائے اور ہماری رعایت کر (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی آپ سنئے ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا، لیکن اللہ تعالٰی نے ان کے کفر سے انہیں لعنت کی ہے پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔

رسول اکرمﷺ کی اپنی امت کے لئے خیر خواہی:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُــولٌ مِّنْ أَنفُسِــكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ
التوبۃ – 128
تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہارے نقصان کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہارے فائدے کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں۔
جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ ان پر بہت بھاری ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے آپ یہ ہی چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو اور دنیاوی و اخروی عذاب سے محفوظ رہے۔ تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ لوگ دوزخ کی طرف بھاگتے ہیں، آپ ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر ادھر سے ہٹاتے ہیں۔ آپ کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ خدا کے بندے اصلی بھلائی اور حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوں۔
ایسے مشفق پیغمبر سے کیسے برتاؤ کرنا ہے؟
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّـهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّـهَ ۚ إِنَّ اللَّـهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّـهِ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّـهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ
الحجرات – 3/1
اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالٰی سننے والا، جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔
دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو، بلکہ اللہ اور رسولﷺکی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بد عات کی ایجاد، اللہ اور رسولﷺسے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتوٰی قرآن و حدیث میں غور و فکر کے بغیر نہ دیا جائے۔ مومن کی شان تو اللہ و رسولﷺکے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے نہ کہ ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔

ان آیات میں رسول اللہﷺکے لیے اس ادب وتعظیم اور احترام وتکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے پہلا ادب یہ ہے کہ آپ ﷺکی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آواز نبیﷺکی آواز سے بلند نہ ہو دوسرا ادب جب خود نبی ﷺسے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بےتکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد یا احمد نہ کہو بلکہ ادب سے یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو اگر ادب واحترام کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بےشعوری میں تمہاے عمل برباد ہو سکتے ہیں اس آیت کی شان نزول کے لیے دیکھئے صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحجرات تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے ۔

جو لوگ نبیﷺکی مجلس میں تواضع اور ادب و تعظیم سے بولتے اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لیے پرکھ لیا اور مانجھ کر خالص تقویٰ و طہارت کے واسطے تیار کر دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں۔ قرآن، پیغمبر، کعبہ، نماز۔ ان کی تعظیم وہ ہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔

وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّـهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ

الحج – 32

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب حضورﷺکی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ ﷺ کے احکام و ارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔

مؤلف کی مزید کتب
کا مطالعہ بھی کریں۔
مکتبہ دارالرحیل کراچی 03172134743